[illegible] لا موجود الا الله [illegible]

تصوف

الحمد للہ کتاب نادر الوجود مصنفہ مؤلفہ قدوۃ السا[illegible] امام صوفیاءِ دوران جناب مولانا مولوی عبد الرحمٰن صاحب [illegible] علامہ حیا بدایونی نظامی چشتی فخری سلیمانی مدظلہ العالی

شعر

چلو اے تشنگان معرفت سیراب ہو پیکر
رواں ہے فیض کا چشمہ معین الدین چشتی کا

مخزنِ تصوف

باکمال صحت و خوبی۔ و باہمہ دلکشی و خوش اسلوبی۔ باہتمام خادم الفقرا خاکسار ابن حسن صبا بدایونی۔ نظامی چشتی فخری سلیمانی۔ بتاریخ ۱۷ اپریل سنہ ۱۹۳۷ء مطابق ۶ صفر المظفر سنہ ۱۳۵۶ھ

[illegible]

ھو الکل

نہایت ضروری التماس

کسی پردہ نشیں کے عشق کی یہ پردہ پوشی ہے ؎ حیا بنکر رہا کرتا ہوں میں چشم حسیناں میں

معزز ناظرین! احقر کو ہمیشہ اپنی شہرت سے اجتناب۔ اور ہیچمدانی کا حجاب رہا۔ اس وجہ سے اس وقت تک کوئی کتاب تالیف نہ کر سکا۔ لہٰذا "مخزن تصوف" میری تصنیف و تالیف میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ جو میرے پیارے بیٹے میاں ابن حسن سلمہ کی کوششوں کی رہین منت ہے۔ اگرچہ میں نے اپنی زندگی کو عرصہ دراز سے انسانی خدمات کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ لیکن میں کون!؟ اور میری ہستی کیا!؟ اس میں قدرت کا کوئی راز مضمر ہے۔ ورنہ من آنم کہ ہیچ نمیدانم اس ذرہ ہیچمدار کی انسانی ہمدردی کے جذبات ستائش و تحسین سے بالکل بے نیاز۔ اور شہرت و حب جاہ سے قطعی مستغنی ہیں۔ کیونکہ مصرع ؎ ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ تاہم عزیز القدر مذکور کی تحریک قابل قدر ہے۔ جس نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مجبور کر دیا۔ اکثر حضرات کا خیال ہے کہ یہ کتاب عالم انسانیت کی نجات دہندہ۔ اور بنی آدم کی نفع رساں ہوگی۔ اور میرا بھی یہی مقصد ہے۔

اس کتاب کی غور طلب حمد میں تصوف کے گہرے مسائل پر بہت کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً وحدت الوجود، ہمہ اوست۔ تعینات۔ تنزلات۔ کثرت فی الوحدت۔ اور وحدت فی الکثرت وغیرہ وغیرہ کو مخصوص انداز میں پیش کیا ہے۔ بعدہ کتاب کی نعت میں حضرت سرور کونین۔ سلطان دارین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو نہایت سلیس اردو اور بھاشا میں بھجانیکی بلیغ کوششیں کی گئی ہیں۔ تاکہ ہر شخص اپنی زندگی کو اس مقدس زندگی کا نمونہ بنانے کی آسانی سے کوشش کر سکے۔ "آپ کے حالات زندگی" جیسے ایک بادشاہ کے لئے نمونہ کا کام دے سکتے ہیں۔ ویسے ہی ایک سپاہی کے لئے بھی۔ اگر ایک امیر کے لئے ان میں ہدایت موجود ہے۔ تو ایک فقیر کے لئے بھی ہے۔ اگر ایک فاتح قوم کے لئے یہ روشنی کا کام دے سکتے ہیں تو ایک مظلوم و مصیبت زدہ قوم کے لئے بھی مشعل راہ ہیں۔ ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک جاہل سے لیکر عالم تک۔ مبتدی سے لیکر منتہی تک۔ شودر سے لیکر کمانڈر انچیف تک۔ پرجا سے لیکر راجہ تک۔ غرض ہر شخص کے لئے سیرت مبارکہ واجب العمل ہو۔ لہٰذا ہر شخص آنحضرتؐ کی سیرت مقدسہ کو اپنے لئے ایک نمونہ پائے گا۔ اسلئے گذارش ہے کہ اس کتاب کی حمد و نعت کو ذرا گہری نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ ہر کتاب کا مولف و مصنف اپنی تصنیف و تالیف کی تعریف کرنے پر مجبور

ہوتا ہے۔ مگر میں اس کتاب کی خوبی کو صرف ناظرین کی نظر انصاف پر چھوڑتا ہوں کیونکہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید" اگر قابل قدر ہو تو قدر فرمائیں۔

چنانچہ اس کتاب کو جن مشاہیر زمانہ حضرات نے نظر غور سے مطالعہ فرمایا ہے یعنی صوفیائے کرام۔ مشائخان عظام۔ علمائے ذوالاحترام۔ اور شعرائے عالی مقام جنکی شہادتیں اور رائیں بصورت تبصرہ۔ مقدمہ۔ اور تقریظ پیش کرتا ہوں۔ جو بے کم و کاست نگارش فرمائی گئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بعد میں عام مجلس کی حدود سے باہر نکل کر اور تنگ خیالی کی چار دیواری کو مسمار کر کے تمام طالبان صادق کو ان ذکروں۔ شغلوں۔ مراقبوں۔ وردوں۔ اور وظائف کی عند اللہ اجازت دیتا ہوں جو خود میں نے کئے ہیں۔ یا جنکی مجھے اجازت ہے۔ وہ سب کے سب اس کتاب میں موجود ہیں۔ مگر انہیں شرائط کے ساتھ جو درج کر دی گئی ہیں۔

منشی نواب علی خاں سلمہ ساکن مراد آباد وارد حال دہلی جو میرے ایک مخلص مرید ہیں انہوں نے اس کتاب کی تحریر میں مجھے بہت زیادہ مدد دی ہے۔ لہذا اس کے شکریہ میں میں دست دعا ہوں۔ کہ الٰہی! تو عزیز مذکور۔ اُن کی اولاد۔ اور ان کی اولاد کی اولاد کو ترقی دارین عطا فرما۔ یا اللہ تو میری تمام اولاد یعنی صلبی اور روحانی اولاد کو اپنے سوا کسی کا محتاج نہ رکھنا آمین۔ اور منشی عبد القادر سلمہ العزیز بدایونی نے بھی اس کتاب کی تحریر میں مدد کی ہے۔ لہذا ان کے لئے بھی مذکورہ بالا دعا کے ساتھ یہ بھی دعا ہے۔ کہ یا اللہ! تو اپنے حبیب کے صدقہ سے ان دونوں میاں بیوی کو تندرستی عطا فرما کر اولاد سعید سے مالامال کر دے۔ اور دونوں جہان میں پھولتا پھلتا رکھ۔ آمین۔

معزز ناظرین! اگر آپ اس کتاب میں کہیں غلطی ملاحظہ کریں۔ تو از راہ کرم درست فرما کر چشم پوشی فرمائیں۔ کیونکہ خطا و نسیان یا بھول چوک کے مرکب ہی کا نام تو انسان ہے۔ اور اگر فائدہ اٹھائیں تو اس فقیر کو دعائے خیر سے بھول نہ جائیں۔ یہ کتاب دہلی رہکر تصنیف و تالیف ہوئی اور وہیں چھپ چھپا کر ختم ہوئی۔

دُعا

الٰہی! ہر شخص کو اس کتاب کے مطالعہ سے فائدہ عطا فرما۔ یا اللہ یہ کتاب ہر انسان کیلئے نفع رساں ہو۔ آمین ثم آمین۔ یا الٰہ العالمین آمین۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

خادم الفقراء **عبد الرحمٰن حیا** بدایونی۔ نظامی چشتی۔ فخری۔ سلیمانی۔ غفر اللہ ذنوبہم۔
خلف مولانا مولوی احمد حسن شاہ صاحب قادری چشتی جنیدی۔ بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

کتاب مخزن تصوف پر ایک نظر

از مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی مدظلہ

(خواہرزادہ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ بستی حضرت نظام الدین)

حضرت بابو عبدالرحمٰن صاحب حیا بدایونی کی کتاب **مخزن تصوف** طباعت کی شروعات کے وقت میں نے تمام وکمال پڑھی۔ بابو صاحب سے میری واقفیت تقریباً چالیس سال سے ہے میں نے اپنی عمر کی ابتدا میں (جبکہ شاعری کا شوق تھا) اپنی ایک غزل بھی اُن کو بنظر اصلاح دکھائی تھی۔

وہ اسی مقدس شہر کے رہنے والے ہیں جہاں میرے آقا حضور **محبوب الٰہیؒ** پیدا ہوئے تھے اور جہاں اُن کے والد ماجد اور دادا اور نانا دفن ہیں۔ اس لئے مجھے بابو حیا صاحب سے ہمیشہ دلی تعلق رہا۔ اور وہ بھی اس درگاہ میں چالیس سال سے مسلسل آتے رہتے ہیں۔ اور اب تو انہوں نے یہاں قیام کرلیا ہے۔

میں نے شدھی و تبلیغ کی جنگ کے زمانہ میں ایک درسگاہ جاری کی تھی جس میں طلبہ کو طریقہ تبلیغ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس درسگاہ میں عرصہ تک بابو حیا صاحب تبلیغی تعلیم بھی دیتے تھے اور روحانیت کی بھی۔

بابو حیا بہت اچھے شاعر ہیں۔ اور صاحب دل مسلمان ہیں۔ تصوف ان کے خمیر میں ہے اور درد و سوز ان کی رگ رگ میں ہے۔ اُن کی آنکھوں میں ایک مستی اور کیف ہے۔ اور وہ کیف لازمی نہیں ہے بلکہ متعدی ہے اور دیکھنے والے بہت اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ بہت سے ہندو اور یورپین اُن کی صحبت میں بیٹھ کر تصوف کے دلدادہ ہو چکے ہیں۔ اور اب بھی اُن کے حلقہ ارشاد میں نوجوانوں کا اچھا مجمع رہتا ہے۔ وہ قوالی سننی جانتے ہیں۔ اس زمانہ میں قوالی سننے والے تو بہت ہیں۔ مگر قوالی کو قوالی کی شان سے سمجھنے والے بہت ہی کم ہیں۔

بس ایسے شخص کے قلم سے مخزن تصوف کتاب کا نکلنا تعجب خیز نہیں ہے۔ یہ کتاب خزینہ **تصوف** بھی ہے **خزینہ شریعت** بھی ہے اور **خزینہ معلومات تاریخ** بھی ہے۔ نظم بھی ہے نثر بھی ہے۔ میں نے اس کی حمد و نعت پڑھی تو اپنے محبوب قلبی حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نیازی کی سی حمد و نعت کا مزہ آگیا۔ اور میں نے اس کو بار بار پڑھا۔ مولانا عبدالسلام صاحب نیازی بھی میرے پرانے دوست ہیں۔ اور میرا عقیدہ یہ ہے کہ زمرہ مشائخ صوفیہ میں فلسفہ وحدت الوجود

کو اردو زبان میں بیان کر سکنے والا اُن کے سوا ہندوستان بھر میں کوئی نہیں ہے مگر ابو حیاؔ کا انداز بیان اور انداز تحریر بھی بے مثل ہے جو انہوں نے اپنی کتاب میں اختیار کر کے کثرت کو وحدت کی شان میں پیش کیا ہے۔

مخزن تصوف یہ کتاب اُردو زبان میں تذکرہ غوثیہ کے بعد پہلی دلچسپ کتاب ہے جو اردو داں طبقہ میں ویسی ہی مقبول خاص و عام ہوگی جیسی کتاب تذکرہ غوثیہ مقبول ہوئی ہے۔

اگر میں اس کتاب کے مضامین پر جداگانہ تبصرہ کروں تو فضول طوالت ہوگی کیونکہ تبصرہ میں وہ لطف نہیں آسکتا جو اصل کتاب میں ہے۔ اس لئے میں اتنا لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کو خزینہ تصوف بھی کہا جا سکتا ہے اور آئینہ تصوف بھی اور دیدار تصوف بھی اور گفتار تصوف بھی اور اسرار تصوف بھی اور رفتار تصوف بھی۔

یہ کتاب جسم بھی رکھتی ہے اور روح بھی رکھتی ہے۔ اور جسم و روح کا اتصال بھی رکھتی ہے اور اس میں ہجر بھی ہے اور وصال بھی۔ اور ہجر و وصال کا جو کیف وجود انسانی پر طاری ہوتا ہے اس کو بھی حروف کے جوڑ توڑ سے پیکر کاغذی میں نقش کیا گیا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ ؎

بزم کاغذ اپنی آرائش پہ تو نازاں نہ ہو ؎ تو تو ایک تصویر ہے محفل کی اور محفل ہے او

بقلم حسن نظامی دہلوی
۲۷ محرم ۱۳۵۶ ہجری

تبصرہ
مخزن تصوف

نمبر شمار ۲۲۰

از علامہ اخلاق دہلوی۔ ایچ یو۔ کے۔ پی۔ اے یو۔ صدر شعبہ تصنیف و تالیف ادبی سوسائٹی ملتانی ڈھانڈہ اشرف قریشی منزل نئی دہلی

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان ہمیشہ روحانی خصوصیات کے جامع اور مالک سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہی امتیاز ہے کہ جس کے بل بوتے پر آج ڈیڑھ ہزار برس ہونے کو آئے مگر گوناگوں اختلافات کے باوجود بھی دنیا میں موجود حکمران ہیں۔

اس کے علاوہ تاریخ نہیں بتا سکتی کہ مسلمانوں کے سوا اقوام عالم میں کسی اور کو بھی ایسی مردانہ وار کشمکش کا مقابلہ کرنا پڑا ہو اور اس کے ثبات و قیام میں لغزش نہ آئی ہو۔ مگر ع

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

الغرض جب کشمکش نے زمانہ کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا تمدن تدریجی منازل طے کر کے معراجِ ارتقا پر پہنچ گیا تو اصول نفسیات کے مطابق بین المسلمین اختلافات نے زور پکڑا جس میں کہ عباسی اموی اور فاطمی سلاطین کے خیالات کا تباین بالخصوص کارفرما تھا۔

چنانچہ ہر فرقے اور جماعت میں زہاد و عباد بھی تھے۔ جو بڑی بڑی شخصیتوں کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ مگر ان حضرات کے عقائد و خیالات بھی بالعموم سیاسی خصوصیات کے حامل تھے۔ لیکن اسی دور میں ایک ایسی جماعت بھی تھی جو اتباع سنت اور تہذیب نفس کے محاسن سے آراستہ ہونے کی بنا پر سیاسیات اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے اثرات سے غیر متعلق رہی۔ اور اہل سنت کے معزز نام سے منسوب ہوئی۔

نیز اسی مبارک جماعت کے بزرگ سادگی، صوف پوشی اور بالخصوص مدثر و مزمل کی رعایت سے صوفی کہلائے۔ تو چونکہ یہ حضرات اتباع سنت کی وجہ سے روشن ضمیر بھی تھے۔ لہذا اس سے بھی ناواقف نہ تھے کہ انسانی طبائع متضاد خصائص سرکشی اور صلاحیت کے جامع ہونے کے علاوہ جویائے حقیقت بھی ہوتی ہیں۔ لہذا ان حضرات نے اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ... کے مطابق روش زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اصول اسلام کو سنت خیر الانام کے ماتحت نئے اسلوب سے پیش کیا اور کامیاب ہوئے۔

لہذا چونکہ اتباع سنت سے قلب منور اور دل صیقل ہو جاتے ہیں اس لئے وہ مسئلے کہ جو متکلمین اور واعظین کے بیان کرنے اور سمجھانے سے بھی سمجھ میں نہیں آتے وہ من و عن دل کی آنکھوں سے نظر آنے لگتے ہیں۔

غرضکہ ایسے ایسے محاسن تھے کہ جنہوں نے اسلام کے سچے متبعین کو علمائے ظواہر اور متکلمین سے ممیز و ممتاز کر دیا تھا۔ اور اس لحاظ سے دنیائے اسلام کی یہ جماعت نہ صرف روحانی فیضان کی سرمایہ دار رہی بلکہ اہل عالم کے دلوں پر حکمرانی کا شرف بھی اسی کو حاصل ہوا۔

مگر تا بہ کے ہر کجا نے ماند اے "قرب نبوت اور بعد کے استحسان پر ہر کوئی نفت کا ذکر کرتا ہی کیا؟ مگر ہم نے جو کچھ دیکھا ہے۔ اگر اس میں سے کچھ بھی بیان کر دیا جائے تو مادیت پرست زمانہ اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

نیز اگرچہ ان محاسن و خصوصیات کا اب دُور دُور بھی پتہ نہیں مگر پھر بھی خدا کی خدائی حقیقت کیش حضرات کے وجود مسعود سے خالی نہیں۔ لیکن کہا جائے کس سے؟ اور سنایا جائے کس کو؟

ہمارے علماء، ہمارے عوام و خواص اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان اب اسلام کے کیا؟

کے مقلد ہیں۔ بولتے ہیں تو یورپ کی زبان سے۔ دیکھتے ہیں تو یورپ کی آنکھوں سے۔

وہ چاہتے ہیں کہ حلوا سوہن میں چاکولیٹ کا مزا ملے۔ انھیں ہر چیز میں سیاسیات، پالیٹکس اور سربات میں خود غرضی نظر آتی ہے۔

تصوف کو سوفیسٹ کے مترادف اور ہمارے متصوفین کو پاپایان یورپ خیال کرتے ہیں۔

ہاں! یہ سچ ہے کہ ہم وہ برگزیدۂ انفس و آفاق آج پیش نہیں کر سکتے لیکن اب بھی ہم میں ایسی ہستیاں موجود ہیں جو گدڑی کے لال کہلانے کی سچی حقدار ہیں۔

لیکن جس وجہ سے ابتدا میں ہمارے اسلاف نے اپنا لباس اہل سیاست سے ممیز کر لیا تھا اسی طرح جب آج غول صحرائی بھی اسی حلیے میں نظر آنے لگے، تو بالآخر یہ حضرات بھی بتدریج غیر ممیز لباس میں جلوہ گر ہونے لگے، اور آج وہ اسی صورت میں جلوہ فرما ہیں۔

چنانچہ انہی بزرگ ہستیوں میں سے ہمارے مقدس پیشوا شیخ طریقت حضرت العلامہ سید عبد الرحمٰن الجیلانی بدایونی مدظلہ العالی ہیں کہ عوام کے لباس میں جلوہ فرما رہتے ہوئے ظاہری و باطنی کامیاب تبلیغ و اصلاح میں مستغرق رہتے ہیں مگر ظاہر بیں نظریں امتیاز نہیں کر سکتیں۔

الحاصل تاج المتصوفین حضرت موصوف بمصداق مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ كَلَّ لِسَانُهٗ ہنگامی زندگی سے بے نیاز رہ کر کسب حلال و گوشہ گیری کے اوصاف سے مستنیر رہتے ہیں لیکن پھر بھی جو کیفیت آپ کی صحبت بابرکت میں دیکھی ہے وہ اور کسی خرقہ پوش، کاکل دراز صوفی کی محفل میں دیکھی نہ تھی۔

اللہ اللہ! کیا سماں اور کیسی کیفیت ہوتی ہے اہل دل تو اہل دل، تشنۂ دین و منکرین بھی وہاں رقص کناں اور جھومتے نظر آتے ہیں، اور یہ دیکھ کر بیساختہ منہ سے نکل جاتا ہے۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

دنیائے صحافت سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ نیاز مندان ادب کا قلم قصیدہ سرا نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ علمائے ظواہر کی نظر میں رجیم العاقبت سہی مگر ان کی صداقت کا تو باد دنیا کو ماننا پڑتا ہے۔

چنانچہ یہ واقعات ہیں کہ جن کی نگارش کے لئے میرے قلم کو مجبور ہونا پڑا! اور یہ صداقت بھر اور منہ سے بولتی ہوئی صداقت، یعنی جو کچھ کہا گیا ہے بے کم و کاست کہا گیا ہے اور یہ عشر عشیر بھی بحر قلزم بے پایاں کا۔

البتہ تصوف کی روح رواں، طریقت کا نچوڑ، اور حضرت العلامہ کے خصوصیات فیض ترجمان سے آگاہی حاصل کرنی ہو تو آپ کی تصنیف جلیل مخزن التصوف کا مطالعہ ضروری ہے۔ جو حسن بیان لطافت زبان

کے علاوہ تصوف کے پیچیدہ اور لاینحل مسائل کو جس خوبی، خوش اسلوبی اور شعریت کے ساتھ حل فرمایا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تمام سربستہ راز، سارے عقدہ ہائے مشکل، اور ساری وہ باتیں جو سینہ بسینہ تلقین کیجاتی ہیں اور لطافت کی وجہ سے ضبطِ تحریر میں نہیں آتیں، مگر حضرت موصوف نے جنبشِ خامہ سے سب کی سب قلمبند فرما دی ہیں۔ اور اس طرح کہ ان کی شیرینی اور حلاوت و لطافت میں بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ اور سادہ و سلیس روزمرہ میں بیان کرنے کی وجہ سے ہر کس و ناکس بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

چنانچہ **مخزنِ تصوف** درحقیقت اسم بامسمّیٰ ہے۔ اور یہ رب العزت کا کرم ہے کہ مجھے اعلیٰحضرت فضیلت مآب مدظلہ نے نگارش تبصرہ کے لئے حکم فرمایا، ورنہ من آنم کہ من دانم۔

کتاب کے مطالعہ نے مجھے محوِ حیرت کر دیا تھا، اور میں سر بگریبان تھا کہ کیا لکھوں اور کیا نہیں؛ کیونکہ مجھے سینہ بسینہ جو کچھ پہنچا ہے وہ سب کچھ اس خزینۂ اوصاف کی تزئین کا آئینہ ہے۔ اور پھر اس کے سوا اور رہا ہی کیا ہے کہ ضبطِ تحریر میں آسکے، اور لایا جاسکے؟

مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ "**ادبی سوسائٹی نئی دہلی**" کی صدارت کے سلسلہ میں دس برس سے نگارش مقدمات و تبصرہ جات کی خدمت انجام دے رہا ہوں، لیکن یہ پہلی کتاب ہے کہ جس کے مطالعہ نے مجھے انگشت بدنداں کر دیا ہے۔ کتاب کیا ہے "دریا بحباب اندر" ہے۔

بہرحال جو کچھ کرسکا وہ کیا اور حقیر خامہ فرسائی کے ذریعہ رب العزت نے مجھے بھی اپنے مقبولین کے محامد نگاروں کے زمرے کی شرکت کا شرف عنایت فرمایا۔

امید ہے کہ اہلِ نظر میری ناقابلِ التفات نگارش کو ملاحظہ فرماکر دعائے خیر میں شامل رکھیں گے۔

مقبولینِ درگاہِ صمدی کی نظرِ التفات کا متمنی
اخلاق دہلوی عفی عنہٗ

مقدمہ "مخزنِ تصوف"

از مولوی محمد خورشید علی صاحب صدیقی رمزؔ مرادآبادی پرنسپل گورنمنٹ ہائی اسکول ...

گل آمد در چمن مے در خم و مینا نمی بینم — ہجومِ مے پرستاں بر درِ میخانہ می بینم

گل نے اپنے چہرے سے نقاب کیا اٹھایا کہ عندلیبانِ نغمہ سرا نے سارے چمن زار کو اپنے دلکش ترانوں

سے بزم طرب بنا دیا۔ ہر ہستی نے اس رعنائی سے رونمائی کی کہ نظر باز نگاہیں بلائیں لیتے لیتے لوٹ لوٹ گئیں۔ رنگ کو دیکھئے تو دلربا۔ بو کو سونگھئے تو جاں فزا۔ ادا شناسوں کی زبانیں مدح سرائی کرتے کرتے خشک ہوئی جاتی ہیں لیکن ناز و کرشمے ہیں کہ ہر دم کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْن کا مرقع لئے ہوئے جلوہ گاہ میں دلفریبیاں کر رہے ہیں۔ قربان اس گلِ رعنا کی نیرنگیوں کے جس نے عالم امکان میں قدم رکھتے ہی ہر دل کو اپنا گرویدہ اور ہر زبان کو اپنا مدح سرا بنا دیا۔ ہر شخص نے اپنے حوصلہ اور ظرف کے مطابق نذرانہ تہنیت پیشکش کیا۔ یوسف علیہ السلام بازار مصر میں متاع حسن بیچنے لائے تو شاہانِ خزینہ دار کے پہلو بہ پہلو ایک پیرزن بھی اپنی سوت کی انٹی لیکر خریداروں کی صف میں آ کھڑی ہوئی۔ دریائے توحید جب اپنی طوفان خیز موجوں سے متلاطم ہوا۔ تو ہر ایک غواص حقیقت اپنی دستگاہ کے موافق شناوری کر کے موتیوں کی جستجو کرنے لگا۔ باوصف اس علم کے کہ اس گل تر کی رنگین ادائیاں اور اس گوہر آبدار کی تجلی ریزیاں احاطۂ توصیف و تحمید سے باہر ہیں۔ مگر ذوق نظر جنبش کئے دیتا ہے۔ زبان بے ساختہ جمال نظر فروز کے ترانے گانے لگتی ہے۔ ایک گروہ جو نوری ہونے کی وجہ سے مقاربت پر ناز کرتا تھا آخر کار لَا عِلْمَ لَنَا کہکر شرمسار ہو گیا دوسرا گروہ جس کے سر پر فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَه کا تاج رکھا گیا اپنی بے بضاعتی کو محسوس کر کے کوئی ایسی بات تو زبان پر نہ لایا جس سے گروہ اول کی طرح سدا افتخار و امتیاز خجالت کے غبار سے تیرہ و تار ہو جاتا۔ لیکن بڑی تگ و دو کے بعد اس کے آخری سردار کو بھی لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ کہکر عہدہ برآئی کرنی پڑی۔

مگر اس سرورے جلووں کا ہجوم اور کرشموں کی سحر کاریاں کہ باوجود اسلاف کے اعتراف عجز و قصور کے برقِ حسن نئے نظارگیوں کو برابر اس تجلی گاہ میں کشاں کشاں لے چلی آتی ہے سالکانِ طریقت کے یاس افزا نعرے دل دھڑکاتے ہیں اور لَا اُحْصِیْ کی تیغ شرربار نے ہمت قطع کئے دیتی ہے مگر اسی مصری بڑھیا کی طرح اپنی سوت کی انٹی لئے مدح سرا ہیں کہ فرط شوق میں ذوقِ نظارہ کا سہارا لیتے ہوئے افتاں و خیزاں اس میدان میں چلے آ رہے ہیں۔ ہیں! یہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ خود چلے آتے ہیں۔ کھینچ کر بلائے جاتے ہیں۔ بقول کسے ؎

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

تخلیق کا منشا بھی تو یہی تھا کہ خالق و مخلوق کا رابطہ قائم رہے۔ وصف و موصوف میں اسناد وصف برقرار رہے چاہے توصیف تام ہو یا ناقص۔ مگر سلسلہ دیاد جاری رہے۔ بقول حضرت عمر خیام رحہ

سے بزم طرب بنا دیا۔ ہر ہر پتی نے اس رعنائی سے رونمائی کی کہ نظر باز نگاہیں بلائیں لیتے لیتے
لوٹ لوٹ گئیں۔ رنگ کو دیکھئے تو دلربا۔ بو کو سونگھئے تو جانفزا۔ اداشناسوں کی زبانیں مدح
سرائی کرتے کرتے خشک ہوئی جاتی ہیں لیکن نازو کرشمے ہیں کہ ہر دم کل یوم ھو فی شان
کا مرقع لئے ہوئے جلوہ گاہ میں دلفریبیاں کر رہے ہیں۔ قربان اُس گل رعنا کی نیرنگیوں کے
جس نے عالم امکان میں قدم رکھتے ہی ہر دل کو اپنا گرویدہ اور ہر زبان کو اپنا مدح سرا بنا دیا۔
ہر شخص نے اپنے حوصلہ اور ظرف کے مطابق نذرانہ تہنیت پیشکش کیا۔ یوسف علیہ السلام بازار
مصر میں متاع حسن بیچنے لائے تو شاہان خزینہ دار کے پہلو بہ پہلو ایک پیرزن بھی اپنی محنت کی
انٹی لیکر خریداروں کی صف میں آکھڑی ہوئی۔ دریائے توحید جب اپنی طوفان خیز موجوں
سے متلاطم ہوا۔ تو ہر ایک غواص حقیقت اپنی دستگاہ کے موافق شناوری کرکے موتیوں
کی جستجو کرنے لگا۔ باوصف اس علم کے کہ اس گل تر کی رنگین ادائیاں اور اس گوہر آبدار کی
تجلی ریزیاں احاطۂ توصیف و تحمید سے باہر ہیں۔ مگر ذوق نظر چین کئے دیتا ہے۔ زبان
بے ساختہ جمال نظر فروز کے ترانے گانے لگتی ہے۔ ایک گروہ جو نوری ہونے کی وجہ سے
مقاربت پر ناز کرتا تھا آخر لَا عِلْمَ لَنَا کہکر شرمسار ہو گیا دوسرا گروہ جس کے سر پر فِي الْأَرْضِ
خَلِيفَة کا تاج رکھا گیا اپنی بے بضاعتی کو محسوس کرکے کوئی ایسی بات تو زبان پر نہ لایا جس
سے گروہ اول کی طرح سدا افتخار و امتیاز خجالت کے غبار سے تیرہ و تار ہو جاتا۔ لیکن بڑی تگ
ودو کے بعد اس کے آخری سردار کو بھی لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ
کہکر عہدہ برآئی کرنی پڑی۔

مگر اسرار سے جلووں کا ہجوم اور کرشموں کی سحرکاریاں کہ باوجود اسلاف کے اعتراف
عجز و قصور کے برق حسن نئے نظارگیوں کو برابر اس تجلی گاہ میں کشاں کشاں لئے چلی آتی ہو
سالکان طریقت کے پاس افزا نعرے دل دہلا دیتے ہیں اور لَا أُحْصِي کی تیغ شرربار پائے
ہمت قطع کئے دیتی ہے مگر اسی مصری بڑھیا کی طرح اپنی سوت کی انٹی لئے مدح سرا ہیں کہ
فرط شوق میں ذوق نظارہ کا سہارا لیتے ہوئے افتاں و خیزاں اس میدان میں چلے آرہے
ہیں۔ ہیں! یہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ خود چلے آتے ہیں۔ کھینچ کر بلائے جاتے ہیں۔ بقول کسے ؎

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

تخلیق کا منشا ہی تو یہی تھا کہ خالق و مخلوق کا رابطہ قائم رہے۔ واصف و موصوف میں اتحاد
وصف برقرار رہے چاہے توصیف تام ہو یا ناقص۔ مگر سلسلہ دیا و جاری رہے۔ بقول حضرت
عمر خیام رحمۃ

دل جز بسرِ زلفِ پری زادہ مدہ	بے بادہ مباش و عمر بر باد مدہ

بہر حال ہر ذوق سلیم رکھنے والا معترف عجز و قصور ہوتے ہوئے بھی صفات الٰہیہ کے ترانوں سے رطب اللسان نظر آتا ہے۔

اس وقت کتاب **مخزن تصوف** مؤلفہ مولانا **سید عبدالرحمٰن** صاحب حیاؔ نظامی۔ بدایونی متع اللہ المسلمین بطول حیاتہ زیر مطالعہ ہے۔ مؤلف موصوف نے جس والہانہ انداز میں حمد و نعت لکھی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک خم خانہ ہے جس سے مے سرجوش اُبل رہی ہے۔ ہر ہر لفظ سرمستیوں کا سرمایہ دار ہے۔ ہر ہر جملہ دکان خمار ہے کہیں توحید کا فروغ رنگ نظر نوازی کر رہا ہے کہیں **وحدت فی الکثرت** اور **کثرت فی الوحدت** کے جلوے جگمگا رہے ہیں۔ کہیں **تعینات و تنزلات** کے پردے اٹھائے جا رہے ہیں مثلاً:۔

"کعبہ میں تو ہے۔ بتخانہ میں تو ہے۔ مسجد میں تو ہے میخانہ میں تو ہے۔ ہر گھر میں تو ہے۔ ہر در میں تو ہے۔ ہر گل میں تو ہے۔ ہر خار میں تو ہے۔ ہر دیار میں تو ہے۔ ہر دوار میں تو ہے" وغیرہ۔

بات یہ ہے کہ مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَعْرِفْ یعنی ہر شے کا مزہ چکھے بغیر نہیں جانا جاتا۔ اسرار الٰہی کا عرفان اور شیونات و اعیان کی پہچان سب عقدے حل کر دیتی ہے۔ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

جملہ ذراتِ جہاں مرآتِ اوست	ہر چہ بینی مصحفِ آیاتِ اوست
از مے عشقش عناصر سرخوش اند	از ہوائے روئے او در آتش اند

حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ بھی اسی بادہ سرجوش کے مست نظر آتے ہیں بقولہ۔ ؎

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصالِ شماست	جز ایں خیال ندارم خدا گواہِ من است

ایک اور اسی مے کا سرشار یوں کہتا ہے۔ ؎

جز عکسِ رخِ یار بعالم دگرے نیست	دردا کہ مرا لائقِ دیدن نظرے نیست

اس راز کا حال ناطقہ کی قوت سے باہر ہے۔ اس کی تشریح و توضیح کے حامل الفاظ نہیں ہو سکتے معانی اس کی سرمایہ داری سے قاصر ہیں۔ بقول عراقی۔ ؎

اسرارِ خرابات بجز مست نداند	ہشیار چہ داند کہ دریں کوئے چہ راز است

ایک اور متوالا یوں کہتا ہے ؎ رباعی

لَا اَدْرِیْ فِی الْکَوْنِ وَلَا اِبْلِیْسُ	لَا مُلْکَ سُلَیْمَانَ وَلَا بِلْقِیْسُ
فَالْکُلُّ عِبَارَۃٌ [illegible] الْمَعْنٰی	یَا مَنْ ھُوَ لِلْقُلُوْبِ مَقْنَاطِیْسُ

ہے بھی یہی بات وجود غیر کا قائل ہونا قرین کفر ہے۔ ع

بجز خدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

کسی اور سے استدلال کیوں کریں جن کے رموز ہیں انہیں کے کلام بلاغت نظام سے ہی اپنی بات کو مستحکم بنا دیں فرماتے ہیں کہ اینما تولوا فثم وجه الله۔ تم جدھر اپنا منہ پھیروگے ادھر خدا ہی کی ذات ہے۔ اور کس سے فرماتے ہیں اپنے پاک محبوب سے جو ہمارے ہادی بنکر صراط مستقیم پر لگانے تشریف لائے تھے۔ ؎

شد جہاں آئینۂ رخسارِ دوست ہر دو عالم در حقیقت عکس اوست
عاشق و معشوق غیرِ یار نیست در حقیقت غیر او دیّار نیست

ہم نے اس ادھن میں مبتلا ہو کر وجود غیر قائم کر لیا۔ اگر ہم اس وجود غیر کو خاک کر دیں تو سارے عقدے کھل جائیں۔ بقول عطار رحمت اللہ علیہ

سدِ راہ تو توئی آمد بداں ورنہ حق پیداست در کون و مکاں

آگے چل کر مؤلف موصوف کی مئے وحدت دو آتشہ ہو گئی۔ بجائے اچھلنے اور ابلنے کے برسنے لگی ہے غور فرمایئے:۔

"دار بھی تو منصور بھی تو۔ خم بھی تو خمار بھی تو۔ یار بھی تو اغیار بھی تو۔ تو مطلق۔ تو مقید عابد تو معبود تو۔ ساجد تو مسجود تو۔ موجود تو لا موجود تو۔ شاہد تو مشہود تو۔ عدم تو وجود تو وغیرہ۔

واہ کیا کہنا تیرا اے مست وحدت الوجود کیا ارادہ ہے۔ کیا عہد منصوری کی پھر تجدید کرنی ہے۔ خیر ہر چہ بادا باد حق تو بغیر انا الحق کی صدا لگائے رہتا نہیں حقیقت تو یہی ہے کہ ہر ذرہ آفتاب اپنی گود میں لئے ہوئے ہے۔ ؎

صورت جاناں کا آئینہ ہے یہ سارا جہاں کوئی ہستی ہی نظر آتی نہیں باطل مجھے

خدا ہم حقیقت نگر عطا کرے تو دوئی کا نام مٹ جائے اور جو کچھ علامہ حیا مد ظلہ نے فرمایا ہے ہر شخص ہی لغز منصور

جس جاناں کا مرقع ہے کتاب عالم صفحہ صفحہ میں تماشا نظر آتا ہے مجھے
جلوۂ یار سمایا ہے نگاہوں میں مری وہی پنہاں وہی پیدا نظر آتا ہے مجھے

پھر مؤلف موصوف فرماتے ہیں:۔ "میری چشم بینا تو ہر ذرہ میں تیرا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور قوت شامہ ہر پھول میں تیری ہی خوشبو سونگھتی ہے۔ سچ ہے چشم و گوش ہوں تو سب کچھ ہے۔ ؎ رمز

جس طرف اٹھتی ہیں نظریں جلوہ گاہِ عام ہے ذرہ ذرہ پر یہ حسن یار کا انعام ہے
ہر نوا اک نغمہ ہے ہر نغمہ اک پیغام ہے سننے والا ہو تو یہ سب ذکر فضل السلام ہے

واہ جناب واہ! آپ تو مجھے بھی اس دریائے ناپیدا کنار میں بہائے لئے جاتے ہیں۔ بیان کر رہا تھا کہ حمد و نعت کا حال شناوری کرنے لگا۔ بحر وحدت الوجود کی زبان کو روکتا ہوں مگر قلب بے اختیار ہے

ہمارا ہو نئے جاتا ہے سے رمز - کثرت جلوہ گری سے یہ ہوئی بارش نور ۔ ہر طرف حسن کا دریا نظر آتا ہے مجھے۔

مؤلف موصوف نے وحدت الوجود کا مسئلہ جس انداز سے بیان فرمایا ہے وہ بھی لاجواب ہے میرے عقیدہ میں ہندوستان بھر کے مشائخ اس انداز سے اردو میں نہیں بیان کر سکتے۔

مؤلف موصوف نے نعت سید المرسلین میں بھی عجب گل کھلائے ہیں۔ حالانکہ سرور کائنات کی ثنا و صفت کوئی بندہ کیا کریگا جب خود خالق اکبر آپ کی تعریف کرتا ہو یہ سارا عالم ایجاد حضور ہی کی ذات مبارک کا صدقہ ہے گلزار کائنات کا ہر ورق آپ کے محامد و محاسن کی تفسیر ہے مگر مؤلف مخزن آنحضرت کی ثناگستری بتا رہی ہو کہ مے محبت احمدی جوش زن ہو۔ دل کا جام چھلک رہا ہے۔ مثلاً مؤلف موصوف لکھتے ہیں کہ یتیموں کو کلیجہ سے لگانیوالا محمد ضعیفوں کے بوجھ اٹھا کر اپنے سر پر لیجانیوالا احمد وغیرہ وغیرہ۔

اللہ اکبر کیا شان محمدی ہے دونوں عالم کے سردار خدا کے محبوب باعث تخلیق عالم مگر یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری اور ضعیفوں کی امداد میں کبھی ننگ و عار نہیں لوگوں کا کام کرتے ہیں۔ بوجھ سر پر اٹھاتے ہیں۔

مؤلف موصوف نے مختلف موقعوں کی تصویر کھینچی ہے مگر ذات محمدی جامع الصفات تو رسن ز اللہ ہی عمر بھر تعریف کیجئے تو عہدہ برائی ناممکن ہے۔ ؎

اگہ امکان تا وجوب و احدیت تا احد ۔۔۔ صورت تمثال از آئینۂ زانوئے اوست
رونق ایں ہفت محفل از چراغش پرتوے ۔۔۔ جوش ایں نہ بحر اخضر رشحۂ از جوئے اوست
از سواد ملک ہستی تا شبستان عدم ۔۔۔ ہر کجا فرماں کشائی سایۂ گیسوئے اوست
ہر چہ آید در خیال و آنچہ باشد در نظر ۔۔۔ یک قلم جوش بہارستان رنگ و بوئے اوست
کثرتے کز وحدتش خارج شماری باطل است ۔۔۔ چار سوئے ہشش جہت ہنگامۂ یک ہوئے اوست

کونین کی جتنی تعریفیں ہو سکتی ہیں وہ سب محمد رسول اللہ صلعم میں موجود تھیں۔ احد نے لباس احمدی پہنا جلوہ آرائی فرمائی تھی۔ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

گفت انا احمد بلا میم ۔۔۔ ہم خود از نطق سید الابرار

بیعت رضوان میں دست محمدی فدائیوں کے ہاتھ پر رکھوا کر فرما دیا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ ورع کے وقت مٹھی بھر خاک دشمنوں کی آنکھوں میں محمد رسول اللہ صلعم نے ڈالکر سنا دیا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اچھا صاحب انھوں نے تو یہ فرما دیا جو آپ نے اوپر سُنا۔ اور خود حضور صلعم نے کیا سنا یا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ جس نے مجھے دیکھ لیا اس نے خدا کو دیکھ لیا آپ مجھے رویت رسول رویت خدا ہے جس نے محمد رسول اللہ صلعم کو ان آنکھوں سے دیکھ لیا بیشک اس نے خدا کو دیکھ لیا سبحان اللہ دیکھیں محمد رسول اللہ کو اور ہو دیدار خدا روحی فداک یا رسول اللہ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ فرماتے ہیں کہ جہاں [illegible] ملائکہ مقرب کی مجال نہیں کہ رسائی ہو سکے یہ اسرار نہیں ہیں تو کیا ہیں کیا؟

ہے جو عطار رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ؎ چشم بینا ہر کہ دارد در جہاں ہر از پس ہر ذرہ حق بیند عیاں
حمد کبریائی اور نعت مصطفائی کے بعد مؤلف موصوف نے تخلیق عالم پر واضح اور مفصل بحث کی ہے۔
اطلاق اور تقیید کی خوب عقدہ کشائی فرمائی ہے۔ اعیان ثابتہ پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ مختلف عوالم کو مکمل
وضاحت سے بیان کیا ہے۔ مراتب داخلی و مراتب خارجی کو بالتشریح سمجھایا ہے۔ مؤلف ممدوح نے کافی عرق ریزی
اور تلاش کے بعد اس عنوان کے تحت میں ایک مبسوط مقالہ تحریر فرمایا ہے اور احادیث صحیحہ اور براہین قاطعہ سے
استدلال کیا ہے۔ اہل تصوف کیلئے معلومات کا بے بہا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ بیشتر دلائل حضرت سلطان
المحققین ابن عربی رضی اللہ عنہ کی تصانیف سے پیش کئے گئے ہیں۔ تعین اول یا حقیقت محمدیہ صلعم کو بخاری
شریف کی احادیث سے نہایت روشن طریقہ سے سمجھایا ہے پھر عرش و کرسی لوح و قلم آفتاب ماہتاب ارض و سما لیل
نہار جنت و دوزخ کی بالتفصیل بحث کی ہے۔ خلقت اجنہ و ملائکہ پر غائت توضیح کے ساتھ رائے زنی کی ہے بعد
ازاں آدم علیہ السلام کے پیکر خاکی و نفخ روح و عداوت شیطان نزول ارض پر طولانی مقالات سپرد قلم فرمائے ہیں۔
عرفہ و عرفات کی اصلیت حجر اسود کی حقیقت حج کی ہدایت۔ کعبہ کی تعمیر زمزم کا وجود وغیرہ سب کا حال تحریر فرما کر علم
کے جواہرات عوام الناس پر نثار کر دیئے ہیں۔ جناب آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ
صلعم تک ان انبیاء و مرسلین کے حالات جو ابجد و حضور ہیں بالاجمال بیان فرمائے ہیں۔ جناب سید المرسلین احمد
مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلعم کی پاک زندگی کے واقعات بہت دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کئے ہیں گویا ایک مختصر سیرت نبوی
قارئین کیلئے مہیا کر دی ہے۔ امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات کے حالات اولاد و امجاد کے اسمائے گرامی مع تواریخ
ولادت و وفات۔ شہزادیوں کی تاریخ نکاح و کیفیت عروسی ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ خلفائے راشدین کا
تذکرہ فرداً فرداً ایک نرالے انداز میں کیا گیا ہے۔ ان سب کے بعد سردار کونین محبوب خدا صلعم کی حیات ابرکات کا خلاصہ
نہایت دلکش طرز میں نگارش فرمایا گیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لقب مولائے کائنات کی توضیح۔ سبحان اللہ
عجیب دلکش پیرایہ میں کی گئی ہے۔ اور ازواج مطہرات کے اسمائے گرامی اور تمام اولاد کے نام نامی تحریر کئے گئے ہیں جس سے
علم کو تقویت پہنچی۔ گویا سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آجتک ایسے مختصر اور دلچسپ پیرایہ میں
عام فہم ایسے واقعات شائع نہیں ہوئے۔ ماشاء اللہ صوفیوں کے ذوق و شوق کی تکمیل کا بھی اچھا انداز ہے۔ میری
رائے میں یہ کہنا بھی مبالغہ کی حد تک نہیں پہنچیگا کہ طالبان صادق کے ہاتھوں میں حصول الی اللہ کے مخفیہ خزانوں
کی تمام کنجیاں دیدی گئی ہیں۔ اب متمتع ہونے کے لئے ذوق سلیم درکار ہے۔ ورنہ مصنف صاحب کتاب ہذا نے کوئی
دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ ہر قسم کے اذکار یعنی اذکار معیت اذکار قرب۔ اذکار سینہ بسینہ وغیرہ جو آجتک پردۂ
راز میں چلے آتے ہیں ان خزانہ ہائے مخفی کو مصنف صاحب نے دونوں ہاتھوں سے لٹایا ہے اب جسکے حصہ میں
ان جواہر میں سے جو کچھ آجائے۔ یا قسمت یا نصیب۔ اس کے بعد مراقبے مشاہدے۔ معائنے بہت عجیب انداز سے
تحریر فرمائے ہیں۔ اور مراقبے کے فلسفہ پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔ اشغال [illegible] ہیں کا انداز بے [illegible]

یا یوں سمجھ لیجئے کہ جا بجا تحریر ہی آپکا ایک جواب ہو۔ سلطان الاذکار۔ حضرت سرمدی۔ ذکر خاص الخاص۔ ذکر مجموعی ثلاثہ درجہ۔ شغل ازخود رفتن۔ تعلیم تصنیف۔ رموز تصوف۔ آداب شیخ۔ آداب ذکر۔ اور توحید۔ ان میں سے صرف سلطان الاذکار کے دو طریقے فارسی کتب سلوک میں کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں مگر اس کتاب میں جس آسانی کیساتھ سلطان الاذکار کا طریقہ درج فرمایا گیا ہے۔ میں یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ طریقہ بھی بے مثل ہے اور مذکورہ بالا اشغال کا تو آجتک نام ہی نہیں سنا۔ پھر ان اشغال کے شاغل کا نظر آنا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہو۔ اس کتاب مخزن تصوف کا اول بھی توحید اور آخر بھی توحید ہی ہے۔ یہ شرف بھی اسی کتاب کیلئے مخصوص ہو۔ لہذا مولف مذکور کو اللہ تعالے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور ان کی اس محنت اور کاوش کو مقبول فرماکر تمام بنی آدم کیلئے علی العموم اور منسلکین سلسلہ کیلئے علی الخصوص ذریعہ نجات بنائے۔ والصلوٰۃ والسلام علی خیر الخلق محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد خورشید علی صدیقی مرادآبادی

تقریظ مخزن تصوف

از نتیجہ فکر معلی الالقاب جناب نواب ابوالمعظم مرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی شاگرد و جانشین استاد فخر ہندوستان جناب نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی فصیح الملک بہادر مرحوم
جو اعلیٰ حضرت فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ کے استاد تھے

وبہ نستعین

بے شک آپ عجب نے خوب کی ہے یہ
جس نے روشن کردیا دن پھیر دی رات کو
پاسداری سوز ہو جس جانب حق آفتاب
جیسے نظارہ سے ہر دل کی کلی کھلنے لگی
پھر مجھے تکلیف دی ہو مجھے تحریر کی
اس کا جو عنوان دیکھا اسکو پایا بے بدل
ذات میں وصفا انکی حجابات بے شمار
پھر ذات آنکہ مانند پیر ہست و پیر او
پیر نفس پیر جو پیر من اب زمانہ حال کا
دین و دنیا کے اندر سے اس کو حاصل ہو نجات
طالب مطلوب کی ہے مطلق آئینہ دار
منکشف سب حجاب ہوتے ہیں ایک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں مصلی کاغذی کرتا ہوں پھر قبلہ رو
راحت و آرام نثار کر دیا جب سجدے
ناصیہ کے کرتے ہیں جس سے دل کو مزہ
کرچکے جب تو ادائے واجب رب العظیم
سمجھ پھر تو مدد حضرت رسالہ پیر کی
حمد خلاق دو عالم بعد بسم اللہ ہے
لا تعداد و صاف و الطاف اس کے یکتا
ماضی لفظ تھا ازل کہئے و مستقبل ابد
منتظر ہے جو زیست کے جنجال کا
اس سمجھ کے علم کی تعلیم دیگی یہ کتاب
ہو ہوا نے مصائب کیلئے ہے رستگار
کافی ہے یہ انساں کو سلوک

وبہ نستعین

بھلا لاکھوں سجدے کیے ہونگے لیکن ان کو
دل نے معین کردیا پھر معانی و ستبرد
پھر گئی شب کو زینت ماہ و انجم سے ملی
پھر نہ ہوگا مجھے اپنی زباں کا میں ندیم
اک صحیفہ سامنے رکھا ہے میرے آجکل
شرح توحید و ثنا و ذات خاطر خواہ ہو
قول از بس مستند معقول برہان وجود
جز عشق نہیں ان زمانوں کی نہیں کرتی نمود
انتہا ہستی جو سمجھے بندہ حق بے ثبات
خبر خبر کے کھولتا ہوا اس کا ایک ایک حرف ہے
دل کو ہر بندہ کے وجود ہی کو گرد ہستیات
گمری کے دل سے محو ہی ہو سوائے اسکو

نعت اسمیں ہو رقم اللہ کے محبوب کی
جس کا نقطہ نقطہ خاطر کا سویدا بن گیا
فقرہ فقرہ موجب خوشنودی رب العباد
ہر علامت جسکی اہل دیں کی خاطر کی مرام
بے وسیلے آپکے ممکن ہی نہیں کوئی دعا
جس کا شاہد صاحب ایمان کا ایمان ہے
کلمہ توحید کے اذعان کا جو و صد آ
تاب و تو جس کے حق میں اک قوی برہان ہے
جس کا یار و شیر دل غار و حق علاء حضرت
جامع وحی و صحائف ابن عفان با یقیں
حضرت محبوب حق کے شیر دل خورد و کلاں
تیر و صد یونگی سر پر کیجیے غور و خیال
خون ہو جنکے معنی ہو مدلوں رنگیں ہیا
دین کی دہن تا دم مرگ ان کو دنیا میں رہی
انکی روح پاک پر دائم ہو ارسال درود
معرفت کا جسنے کاغذ پر کھلایا ہے باغ

آیت قرآن ہو شرح نعت کی اور خوب کیا
لفظ لفظ اسکا تشفی بخش ہو دل کے لیے
اس کا پڑھنا اسکا سننا عاشق حق کی مرام
جنکے اسم پاک کا ہو طاعت ایزد میں شمار
ہو رسا تا باب درگاہ جناب کبریا
جو امام الانبیا ہو پیشوائے اولیا
جس کی آنکھیں تھیں جھکی بر رحمت پروردگار
جس کا یار و جانشین صدیق سا پاکیزہ خو
خدمت دینی ہے جو جس کی مدفن عمر
جسکے گلشن کا نہال سبز و برگ و گل اعضا
ان کے علم و حلم و ہمت کی جو اپنی داستاں
کارنامے ان کے ایسے درج ہے جگنے نظر
پاؤں لگے ڈگمگانے باوجود اسکے نہیں
مرگ انکی جاودانی زیست کی تہیدی بنا
ہیں ہی حق دار فضل و رحمت رب ودود
نام جس کا عبد رحمن عرف ہو جس کا جیا

انکشاف شان محبوب خدا ایسا ہوا
جلوہ جلوہ مشغلہ ہو عقد اہل کے لیے
وہ حبیب لم یزل احمد محمد جس کا نام
جس کا خلق فرض ہو کوئی سنت ہو نفل
جو محب اللہ ہو محبوب جس کی شان ہو
متبع جس کے ہیں جملہ اتقیا و ادبیا
جس کی معراج تقرب کا گواہ قرآن ہے
عابد و پرہیزگار و حق شناس و مصلح جو
جس کا دمساز و معاون سو ہیں سلطان دیں یا
ابن عم شیر خدا و سادہ آرا مرد ما و
جنکے ایک ایک وصف کی ثابت ہیں کئی شان
تھے رضا حق پہ جو بے نظر اند بے کم
نصب ہیں ان کے ہر امر خدا امر نبی
منہ کو آگے رکھتا ہوا پیک اجل
انکی ذریات صالح کا ہے ایک روشن چراغ
حامل کنز تصوف سالک راہ خدا

رہبر کامل ہو یا خضر راہ دین حق ٭ وہ علم کا مفضل حق سے ایک وہ ہے محقق

تحت احکام شریعت ہے یہ کنز معرفت
اس کا جو عنوان ہو دریا ہے وہ عرفان کا
قدرتی اعجاز کا ہو نقش لاثانی لبشر
یعنی یہ دونوں بشر کی منزل اعمال ہیا
اولیں تحفہ یہ آدم ہی ہوا اس میں رقم
خامہ عارف نے اسکو ہی نہیں کہا ہا
عہد میثاق عباد اللہ کا بھی حال ہے
طبع ہوکر سامنے جب یہ منقبت آئیگی
انبیا کا حال ہوگا بیشتر لکھا ہوا
حضرت ادریس کا ہو معجزہ انکی حیات

اس کے ہر عنوان میں کہا گیا ہوگی صفت
معرفت کا باب ہو تخلیق آدم ہو شروع
جسمیں کہتی ہو بہشت نے دیکھی تھی تصویر
باب جنت کا ہی ہیں ایک یگانہ نظر
اسمیں بھی جو کا نہیں علم رفیع مولف کا قلم
سنگ اسود کی بھی حرمت کو کیا ہے اسکا
عبد اور معبود کی ہو خاص تمثیل قال ہے
کعبہ کی بنیاد کا چل جائیگا اس کو پتا
کیا رہا کیونکر رہا ان سے خدا کا ربطا
[illegible] ان کے جنکے [illegible]

ذیل میں ہے مجملا مذکور ہر عنوان کا
خاکدان کو ہو گیا خورشید انسانی طلوع
جنت و دوزخ کے اسمیں مندرج احوال ہیں
چشم خاکی سے ہے وہ مخلوق ناری مستتر
فرقہ معرفت کی تفصیل بھی ہوگی عیاں
جس کی حالت آجتک ہے کہتی اسد کی جدا
اسکا راز حقیقت شیخ کی بھی ہو جائیگی
اول اول کیسے ہاتھوں ہو خدا کا گھر بنا
مندرج جو جو جا ہیں ہو جناب شیث کا
[illegible] زیستی نے ان کو فرزند عطا

تا قیامت بجھ گئی ہی اس پہ آگ نے بقا
شان ایمان خلیل اللہ ہوگی بے نقاب
امتحاں جس میں نبی کا سخت لطف آمیز ہو
بعد ازاں آبادی مکہ کا اک عنوان ہے
جس کو دنیا کی نگاہ کعبہ مرجع عالم بنا
آگے چل کر دین و دنیا کا سہارا روشن چراغ
سرور کونین محبوب جناب کبریا
اس نے کی تبلیغ معبود یگانہ چار سو
کبریا ہو غیر ان سے قادر مطلق خدا
درج ہے اسمیں تمامی حالت رو سے زمیں
ذوق دینی دے و با فطرت نبی جن الناس کو
معجزات سرور کونین بالاجمال ہیں
جزو دیگر شاق و لیس جسکی تجلا ہو تیر
نبی کا مصدر رہا مظہر رہا احکام کا
غمگساری ابکی کرتی تھیں خاص اسلوب تم
اس میں اولاد جناب مصطفےٰ کا حال ہے
بے نوائی وجہ تسمیہ پر بھی خامہ چلا
قصہ عقد نکاح فاطمہ زہرا بھی ہے
جو فدا کرتے رہے حسنین پر ناز لیس و ہم
مضطرب جنتی ہو میں ام احمد عائشہ
صورت عادق رشک غیرت غم بھی ہو
چار ہیں وصاف حبیب جناب کبریا
اس کے اوصاف حمیدہ اسمیں اپنی ہے کتاب
جو اسما شمائل میں وکھلیے ہیں رقم
ناز مدرج جن پر اسراب کت نے کردی حرام
مختصر حال حیات سرور عالم بھی ہے
ماننے کی جابر و مار کھانے گے ...

نوح کا افسانہ حسرت خیز ہو گا منکشف
پاس سے ہو رقم نمرود بے ایمان کا باب
چشمۂ رحمت کا افسانہ ہے بالطف اتم
عقل جسکے باب میں انسان کی حیران ہو
حضرت اسمعیل کا اسمیں نسب نامہ بھی ہے
کھل گیا توحید کا فیض زباں جسکے باغ
باعث تکوین عالم حامی دین متیں
جس کی ہوتی تھی صنم خانوں میں پہلے سجو
بت تمہارے ساختہ ہیں تم ہوا کے ساختہ
اسکے مسطر کا ہو رشتہ رشتۂ حبل المتیں
نقل ہیں اسباب ہجرت سرور کونین کے
جو قوی تر آپ کی پیغمبری بھی وال ہیں
یا سعادت کا سبق اقوام عالم کو دیا
مینہ برسانا تھا اس کے دل پہ حق الہام کا
طاعت شوہر کا دیتی جنس کو اپنی سبق
مندرج با قید عمر و اسم بالاجمال ہے
جمعہ اسمیں ہو گئی ہیں مؤلف نے لکھی
ذکر دیگر بانوان حضرت مولا بھی ہے
ہو وفات خواجہ کونین کا افسانہ بھی
درج بالاجمال ہو ان کے الم کا وجہ
سرگذشت و صاحب آرائے خلافت کا ہے ذکر
پیشوائے مومنیں و قبلہ اہل ولا
علم کا جو ہری مدینہ علم کا جو باب ہے
آل زہرا پر خلافت دین کی کر دی ختم
مدت عہد خلافت اسمیں کر دی ہو عیاں
جو کرامت کی منازل میں علم اکرم بھی ہو
... بانو دو گے جو کرتے ہیں بیان

تا بختم حرف یا از بدو آغاز الف
حضرت اسمعیل کا قصہ تعجب خیز ہے
چاہ زمزم ہو گیا جس کا زمانے میں علم
حاجرہ بی بی کے استقلال کی تھی یہ جزا
اسمیں مشکل ہو جسکا نبی مرسل ہے جسکے
نام جسکا ہو محمد عرف احمد مصطفےٰ
خاتم سلک نبوت رحمت للعالمیں
ذات خلاق دو عالم کا دیا اسنے پتا
جسکی قدرت سے ہو عقل اہل دانش ختم
اس کا پڑھ لینا قوی کرلینا ہو ایماں کو
مکہ میں تبلیغ کے دن جب و کچھے چین کے
حلیہ حضرت کا مجموعہ ہے ایسا دلنشیں
کام جو اس نے کیا مرضی خالق ہی کیا
اس کی ازواج مطہر امہات محترم
حل مسائل خانہ داری کے وہ کرتی تھیں ذکی
حلیہ مولائے عالم ابن عم مصطفےٰ
کل کے آفتاب ہی بھی کمی نہیں کچھ کرتی
فخر اولاد علی مرتضیٰ بھی ہے رقم
ذکر حسنین فاطمہ زہرا جو ستا بانہ بھی
بسط و نظم یار غار سرور عالم بھی ہے
وحی کی ترتیب میں کی سب سے پہلے جس نے فکر
کردہی ہو شان اسکی آشکارا یہ کتاب
آفتاب دین ہو اک اک دین کا مہتاب ہے
نام اس عشرہ کی انجمن میں مجلس گم نام
بعد نقل جا دولی خدا بود و جناب
رہبران دین میں اکتا ہو وہ جو دختر
دو بہی ہے اس کے محاسن کی نمائی ...

اقتباس از شاہ عالم از زبان لطیف ہے
اس نے معیار ثبوت بر آئے پایا کھرا
یہ کتاب اکلی ہی مکنونات کی ہے ترجمان
تھی زمانے سے نرالی ذات ہی اسکی صفت
یہ تصوف کا ہے نسخہ معرفت کا گنج ہے
تشنگاں یہ جو سر عرفاں کی گویا کان ہے
یہ بتاتی ہے گر اور بتلواتی ہی شناخت
بس یہی کہ بس یہی ہے بس یہی ہے بس یہی
ہے مراقب کی نظر جلسہ کی آئینہ دار
دیدہ اعمیٰ کو کر دیتی ہے چشم حق نگر
یہ مراقب کو دکھا دیتی ہے خدا باوجود
آگے اس کے بے نیازی پر ہے جسکو نفوذ

قول اس کا ہر ملت موجب تخفیف ہے
قسم دو کونین کے اخلاق ہیں مشہور عالم
مختصر ہے درج پورے ہے اور ہوگی بیاں
اس کی تعلیمات سے پیدا نتیجہ وہ اثر
غیر ملت پر ہے ثابت اس کی علمی دلنشیں ہے
اس سے ثابت احتیاج پیر و مرشد ہو گئی
راہبر ہے یہ کہ جو دیتا نہیں شیطاں کو راستہ
معرفت جو کو بتاتی ہے تلاوت با وضو
بحر طوفاں خیز سے بیڑے کو کر دیتی ہے پار
کھول دیتی ہے رخ محبوب کے بند نقاب
نفی کر دیتی ہے انسانی حسب کی بست وجود
گوشہ رو بند کو دیتی ہے احکام صلوٰۃ

اس لئے اوصاف محمد کو سمجھا پرکھا
تاکہ جو کفر اور پر تابے کے دیکھو کلام
پیروی میں اس کی مضمر ہو نجات عاقبت
جس کو مستشرق ہو حیراں یعنی بیچارے ناکر

صوفیوں کی جان ہے اسلام کا ایمان ہے
ورنہ بھٹکاتے ہیں سالک کو وہ جن پر خطر
حامل سلطان اذکار او وصیت سرمدی
ذکر جس و حصار و قلب کر کے لطائف کی نمود
لے پہنچی ہے یہ طالب کو در مطلوب پر
دور کر دیتی ہے حائل گشتہ جلباب و حجاب
سر جھکا دیتی ہے بندے کا بسجد عجز و نیاز
تا ادائے فرض میں ہے خوف حقیقی سے نجات

یہ طہارت کے بتا دیتی ہے سب دستور و آب
ہیں کفایہ اور واجب کے بھی اس میں امر چند
درج ہیں اشغال بھی مرقوم ہیں اوراد بھی
خاتمہ اس کا وظائف پر ہے ختم بر دعا
نیکی نیت سے اس تالیف کی تدوین کی
ہیں دعا گو یہ مولف ہوں سراج الدین نام
میں جیا ہے نیکوں کا بندۂ اخلاص ہوں
دوستی کا رشتہ ناطہ ہے عقیدت سے اگر
بہر تالیف و مولف ہے یہ سائل کی دعا

فرض و سنت مستحب کے ہیں مفصل اس میں باب
دل پسند عبد جو معبود کی خاطر پسند
ہر مریدی نفس ہوگا پڑھ کے جن کو شاد بھی
دے مولف کو خدا کونین میں اس کی جزا
شمع ملت یہ کبھی جائیگی مشعل دین کی
دو دمان چشت کا ہوں گدیہ گر سائل غلام
ہے گمان عام جو پیرو مستند خاص ہیں
تو گمان عام کو میں جانوں گا معتبر
ہوں یہ مقبول خدا و در گہہ خیر الوریٰ

دینداروں کے بنیں خضر صراط مستقیم
ہیں تصوف کے یہ مخزن فیض سبحان کا عمیم
آمین

تقریظ دلپذیر

از تاج المحققین سردار المتصوفین شمس العلما ہندوستان شیدائے خیر الانام حضرت مولانا مولوی عبد السلام صاحب نیازی دہلوی ادام اللہ فیوضہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحائف کائنات کے غیر متناہی اوراق جس قسم کے لا تعد و لا تحصی مجاہیل اور آئینے کے نقوش کھیچے سے لگائے ہوئے ہیں، وہ معنوی ہاتھوں سے اُسی ذات کی چٹ پٹ بلائیں لے رہے ہیں جس کی اطلاقی صدائے دور باش نے کسی نورانی تقید اور ظلمانی تعین کو اس کے پاس نہیں پھٹکنے دیا۔ وہ وجود صرف کے اعتبار سے جملہ تمیزات اور خصوصیات سے منزہ ہوتے ہوئے سب سے پہلے قابلیت محضہ اور وحدت صرفہ کے پردے میں چھپی اور تعین اول کے روپ میں جملی اور یہ پہلی نقاب ہے جس نے اس کے اطلاقی چہرے کو چھپا کر عالم علمی میں نئے انداز سے ظاہر کیا۔ اس مرتبہ میں تمام قابلیتوں کا منشا کہلائی عام اس سے کہ وہ قابلیتیں جس کا یہ مبدا اور مصداق کہلاتی ہے تجرد عن الصفات کی قابلیتیں ہوں یا اتصاف بالاعتبارات کی۔ تجرد صفات کو مد نظر رکھتے ہوئے عین احدیت کے گوشے میں چھپی۔ بطون اور اولیت اور ازلیت کی خصوصیتوں نے اس کو آغوش میں لے لیا اور ظلمت خفا کا ایک گاڑھا پردہ کعبۂ وجود پر ڈال دیا گیا۔ اور اتصاف اعتبارات کا لحاظ رکھتے ہوئے وہی واحدیت کی بجلی بنکر ظہور اور آخریت اور ابدیت کے تجمل سے جلوہ ظاہر کرنے لگی۔ اس کے تیور تھے ہم سنگانے کہ اے علمی نظر اگر تو ایسی کلی قابلیت اور علمی تعین کے خط و خال دیکھنا چاہتی ہے جو تمام وجوہ ہیہ امکانیہ فعلیہ انفعالیہ نسبتوں کا علمی وجہ الفرق والتفصیل مصداق کہلاتا ہے تو ادھر ادھر دیکھ اور اس مرتبہ مخصوصہ کے اعتبار سے اس کی تجلی مخصوص نے اعتبارات متمیزہ کے مخصوصہ معنوی پیکروں کو روشن کر دیا۔ اعتبارات مخصوصہ کے بادلوں سے زمین امکانی پر حقائق آبیہ اور حقائق کونیہ کی مل دہار اور پردہار بارش ہونے لگی۔ عالم ظہور میں جل تھل بھر گئے۔ زمین امکانی سرسبز شاداب ہری بھری پھلی پھولی نظر آنے لگی گویا جوبن پھوٹ پڑا۔ یعنی وہی البیلی انجانی ذات ارواح اجسام کی مخالف اور متماثل صورتوں کے پردوں میں چھپ چھپ کر نئے انداز سے ظاہر ہوئی جس کی حوصلت الوہیت کی جان اور اس کی الوہیت غیر معقول بے نیازی کا نشان وہی ذات ذوات [illegible] اور اسی کی صفات مبدعات اور مخلوقات کی صفات ہیں

متواری۔ اس کا فعل مرتبے مرتبے کے لئے جامع اور اس کا اثر تعینات کے ذرّے ذرّے سے لامع۔ اس کی احدیت کا آفتاب سماواتِ قلوب کے افقی نقطوں سے ساطع۔ اور ہر متعین کی ہستی اس کی وحدانیت پر ایک حجت قاطع۔ ذکیٔ کشف نے اس کو پایا۔ سلیم عقلیں ابھریں۔ اور استدلالی طیارہ میں پرواز کر جس حد تک اڑ سکتی تھیں اڑیں۔ فکری نظر کی غیر معمولی رفعت نے ان کو آغوش میں لیا۔ لیکن کمالِ کنہ کی بلندی کے مقابلہ میں جب دیکھا انہوں نے نیچا ہی دیکھا۔ محیط سے مرکز تک جتنی پستیاں ہیں۔ اور مرکز سے محیط تک جتنی بلندیاں ہیں اسی کے عروجی اور نزولی اعتبارات کی منزلیں ہیں جن کو ذاتِ حقہ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کی معنوی حرکت سے طے کرتی رہتی ہے۔ اسی کے اقدم اور اقدس فیض کی شعاعوں نے اعیان ممکنات کو عدمِ صرف کے اندھیرے سے نکال کر علمی وجود کی تعینی اور تمیزی روشنی سے جگمگا دیا اسی نے اپنی شیونِ ذاتیہ کی غیر متناہی صورتوں میں جلوہ گر ہو کر جو ذاتِ صرفہ سے ایک قسم کا اندماجی اور استجنانی تعلق رکھتی ہیں۔ عالم علمی کو نت نئے انداز سے لبایا۔ عالم عینی کا گوشہ گوشہ اسی کے عالم علمی کا آئینہ بنا۔ اور اسی آئینہ کے ذریعہ سے اس نے اپنے وجودی تشخص اور تمیز خط و خال ظاہر کئے۔

ز دریا موج گوناگوں برآمد — ز بے چونی برنگ چوں برآمد
گہے در کسوتِ لیلیٰ فرو شد — گہے در صورتِ مجنوں برآمد
چو شعرِ مغربی در ہر لباسے — بغایت دلربا موزوں برآمد

اس کا سب سے پہلا سادہ لباس جس میں یہ چھپی وہ وہی تعینِ اوّل ہے جس کو ایک ایسی مقدس حقیقت کا اعلیٰ عنوان کہا جاتا ہے۔ جو تمام حقائق کا مبدا اور منشا کہلاتی ہو وہ پاک حقیقت۔ حقیقتِ محمدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس حقیقتِ مقدسہ محمدیہ سے خلافت کو وہی تعلق ہے۔ جو دھوپ کو آفتاب سے۔ وجودی دنیا میں جتنے متعدد خلفا اعتباری نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ اسی پاک حقیقت کے اظلال کہلاتے ہیں۔ ان کی خلافت خلافتِ اولیٰ سے وہی علاقہ رکھتی ہے۔ جو عرض کو جوہر سے۔ یعنی خلافتِ اولیٰ جوہری خلافت کہلاتی ہے۔ اور خلافتِ منظورہ عرضی زمانے کی مختلف گردشوں نے رات اور دن کے متفاوت متمائز حصوں میں جس قسم کی روحانی۔ عنصری۔ مثالی۔ فلکی۔ عرشی فرشی۔ ملکوتی۔ جبروتی صورتیں ظاہر کیں۔ وہ حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ ظہورِ اول کی تجلی کہلاتی ہیں ہر شکل ہر روپ میں ظہورِ اول ہے۔ کہ نت نئے وضع کی نقاب چہرۂ اطلاقی پر ڈال کر متضاد و متحقق اور مختلف تعین۔ کا اں انداز

یا حبیبی بدا جمالک فی کل ما بدا — بادا ہزار جان مقدس ترا فدا
دلا خاک رہ کوئے محمد شو، محمد شو — ز ہر سو سوئے جا سوئے محمد شو محمد شو

قطب الاقطاب

اس لفظ کے مفہوم کا نفس الامری حیثیت سے جو مصداق کہلاتا ہے وہ فقط حقیقت محمدیہ ہی ہے۔ یہ مبارک مفہوم اسی مقدس حقیقت کے کعبہ جمال کا ازل الآزال سے ابد الاباد تک طواف کرتا رہے گا۔ حکمت الٰہیہ کی دنیا کے نشیب و فراز اور اس کے چپے چپے کی سیر کرنے والی سلیم عقلیں اچھی طرح جانتی پہچانتی ہیں کہ عالم علمی میں جتنی صورتیں رہتی بستی ہیں وہ اسمائے الٰہیہ کی مخصوصہ صورتیں کہلاتی ہیں۔ ان مخصوصہ صورتوں کو اصطلاحی زبان اعیان ثابتہ اور ماہیات سے تعبیر کیا کرتی ہے۔ اسمائے الٰہیہ کی علمی صورتوں کے علاوہ خارجی صورتیں بھی ہوا کرتی ہیں جن کو حکمائے متالہین اور متصوفین مظاہر اور موجودات عینیہ کہتے ہیں جن اسماء کی یہ صورتیں ہیں ان کی مربوبات کہلاتی ہیں۔ صوفی دنیا اس بات پر اتفاق کئے ہوئے ہے۔ کہ حقیقت محمدیہ جس اسم کی صورت کہلاتی ہے۔ وہ ایک جامع الٰہی اسم ہے۔ یعنی اللہ۔ اسمی گلشن میں بصیرت کی روشن آنکھیں جس قسم کے مختلف پھول کھلے ہوئے دیکھتی ہیں ان متنوعہ پھولوں کی آبیاری اسی جامع اسم سے تعلق رکھتی ہے۔ جتنے بھی اسمائے الٰہیہ ہیں وہ اسی جامع الٰہی اسم سے مستفیض ہوتے ہیں لہذا حقیقت محمدیہ کی اس مخصوص مظہریت کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلی کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت محمدیہ علمی اور خارجی صورتوں کو اسی طرح پرورش کرتی ہے۔ جس طرح وہ اسم جس کی حقیقت محمدیہ صورت یا آئینہ کہلاتی ہے۔ اسمائے متخالفہ کی پرورش کرتا ہے۔ اور ان کا رب کہلاتا ہے۔ حقیقت محمدیہ تیرے صدقے تیرے قربان عالم امکانی کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا جو تیری زلفوں کا بال باندھا غلام ہے تو وہ شفاف آئینہ ہے جس کو الوہیت کا ہاتھ جا سائی جامعیت کی مہندی سے رچا ہوا ہے لئے ہوئے وجود صرف کے تعینی خط و خال اور حقیقی ہستی کے تقیدی تل ظاہر کرتا رہتا ہے۔ ؎

اے مظہر حسن لا یزالی — مرآت جمال ذو الجلالی

اعیان مختلف کے آئینوں پر آفتاب قدم کی شعاعیں تیرے ہی طفیل سے پڑتی ہیں ؎

انوار تجلی قدم را — رخسارۂ احسن المجالی

تیرے حریم مقدس کا احترام سوائے ان مجرد اور آزاد ہستیوں کے جو طائران قدسی کی طرح لاابالی کا ترانہ گاتی ہوئی فضائے تجرد میں اڑ رہی ہیں۔ کوئی نہیں باندھ سکتا ؎

[illegible] — جز دردکشان لاابالی

عالم کثیف ہو یا لطیف۔ ثقیل ہو یا خفیف۔ روشن ہو یا تاریک۔ بلند ہو یا پست۔ جنّی ہو یا ملکوتی۔ مرکب ہو یا بسیط وہی حقیقت ہے جو ان مختلف عنوان سے معنون ہوتی ہوئی عالم ظہور میں براج رہی ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا مفہوم اسی حقیقت کے عرق پر جمعیت کے پھول برسا رہا ہے۔ میخانہ محمدی کے بادہ کش حضرت مولانائے جامی.... اپنے اس مخصوص شعر سے اسی مضمون کی طرف توجہ دلاتے ہیں ؎

وصلی اللہ علی نورِ کزو شد نورہا پیدا — زمیں از حُب او ساکن فلک در عشق او شیدا

حقیقت محمدیہ اپنی اس خارجی صورت کے اعتبار سے جو اسم ظاہر کے مظاہر سے مناسبت رکھتی ہے عالم ظاہری کی مخالف اور متفاوت صورتوں کا رب کہلاتی ہے اور اپنے باطنی پہلو کے اعتبار سے ان صورتوں کی مربی ہے جو اسم باطن کی مظاہر کہلاتی ہیں۔ ربوبیت کے یہ دونوں پہلو حقیقت مخصوصہ سے صرف اسی وجہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ حقیقت مخصوصہ محمدیہ اسم اعظم کی مظہر اور مصفیٰ شفاف آئینہ ہے۔ اسی مخصوص اسم کے دامن سے مطلق ربوبیت وابستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اسی جامع اسم کا مظہر جملہ مظاہر کا رب ہو سکتا ہے۔ حضور اقدس نے اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

خُصِّصْتُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمِ الْبَقَرَةِ

وہ ربوبیت جس کی مصداق حقیقت محمدیہ کہلاتی ہے وہ جہت حقیقت سے تعلق رکھتی ہے بشری جہت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ محمدی حقیقت بشری جہت کے اعتبار سے مربوبیت اور عبدیت کو ظاہر کرتی ہے جس طرح ... مظاہر متنوعہ اور متطورہ اپنے ارباب کے محتاج ہیں اسی طرح یہ بھی اپنے رب سے مستغنی نہیں ہو سکتی۔ اس کی مربوبیت محض اسم اعظم سے تعلق رکھتی ہے۔ جو عالم عالم کی ربوبیت کا مختلف اعتبارات سے ذمہ دار ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا مفہوم اسی منظر کے مختلف حصول پر روشنی ڈالتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔

بشری جہت کے اعتبار سے وجود سا ذج یعنی ہستی صرف اپنے مظہر اول کو مخاطب بنا کر کہتی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ

اور جہت حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے وجود بحت کسی معنوی تقید کا پلو لئے ہوئے اپنے البیلے روپ کو مخاطب بنا کر ہانک لگا رہا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ باطنی اعتبار سے اس پیارے مقدس روپ کی ربوبیت عام ہے کو جتلا رہی ہے کہ یہ روپ جس بےمثال ذات کا آئینہ ہے ... مظہر ہے۔ ... [illegible]

اکمل / رب کے تصرف کا جوڑ اسمائے آئینہ میں سے اہم سر کے اعتبار سے عالم پر چھایا
رہتا ہے۔ اجزائے عالم کی متخالف اور متمائز قابلیتیں اسی یکتائے تصرف کے تحت طور ظاہر
کرتی رہتی ہیں اسی مقدس حقیقت کی علمی وسعت علم نقل کی کچھ اس انداز سے آئینہ داری
کرتی ہے کہ اس آئینہ داری کا راز عقول سلیمہ میں سے کسی سلیم عقل پر منکشف نہیں ہو سکتا
طبقات ارضیہ اور سماویہ پر جس قسم کی آبادیاں ہیں۔ ان آبادیوں کے چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے
اور بڑے سے بڑے حصہ پر اس مقدس حقیقت کی علمی نظر روشنی ڈالتی رہتی ہے۔ رسمی علوم کے
مناظر سے جو ادراکی قوتیں تعلق رکھتی ہیں۔ وہ اس نکتہ کو بقدر نقطہ بھی نہیں جان سکتیں۔ ایک
مغالطہ ہے جو رسمی علم والوں کی ہستیوں کو آشنا بہرہ بے بہرہ رہتا ہے کسی طرح ابھرنے نہیں دیتا
نہ حضرت حق اور اس پیاری حقیقت میں ذاتی مباینت تسلیم کرتے ہوئے۔ اس حقیقت کلیہ
اقصانات بر وضع وضع سے اعتراضات جڑتے رہتے ہیں۔ ان کی نظری نگاہوں کے سامنے
اس حقیقت کی وہی بشری جہت رہتی ہے۔ جس کا کسی مخصوص تقید کے اعتبار سے نقص
نقص عین کمال کہلاتا ہے۔ اور جہت حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا ہر کمال لم یزل
ولا یزال سمجھا جاتا ہے۔ باوجود اس بات کے کہ اس کے علمی دائرے سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ
عام اس سے کہ وہ کسی ارضی سطح کے حصہ سے تعلق رکھتا ہو یا سماوی سطح کے کسی گوشے سے خارج
نہیں خیال کیا جا سکتا اور اس ذرہ کا مستحیل الخروج ہونا اس مقدس حقیقت کے ایک مخصوص
مرتبہ کا تشخص کہلاتا ہے لیکن یہ اپنی بشری زبان سے اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ کی آواز
بلند کرتے ہوئے مخاطب ہستیوں کی سامعہ نوازی کرتی رہتی ہے۔ علم ظاہری کے آسمان پر
چاند سورج بنکر چمکنے والی ہستیاں اس حقیقت کے تنزلات کی زمین کے کسی بلند و پست
حصے کو مکمل تو مکمل ادھورے طور پر بھی کسی عنوان نہیں جان سکتیں۔ آسمانِ توہم سے گرنے
والی اوس کے قطرے جن کی جہالت کی پیاس بجھاتے رہتے ہیں۔ وہ عرش تحقیق سے کس طرح
واقف ہو سکتے ہیں۔ وجودی تعدد کو حقیقت کی نظر سے دیکھنے والی ہستیاں موجود بہت
کے حقیقی مصداق کا پتہ نہیں چلا سکتیں۔ ان بےخبر اور باخبر علمی صورتوں کا اتحادی نقطہ کا
راز کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ ۰

مخزن تصوف

وہ مخزن تصوف کہ صوفیوں کے لئے ایک بیدار دولت ہو۔ اس پیاری نادر کتاب
کے مضامین [illegible] کے روشن خیالات کی تصویر میں شعر

سخن کی دنیا میں ان کا پیارا تخلص لجپالی ہوئی آنکھڑیوں کی جان کہلاتا ہے۔ انہوں نے مجھ وحشت زدہ کو بچپن کے زمانہ میں اپنی غیر معمولی نوازش کے پنگوڑے میں جھلایا۔ اور ان کی وہ نگاہیں جو آفتاب وحدت کی کرنیں تھیں میرے قلب میں دھیان گیان کی روشنی پیدا کرتی رہیں۔ ان کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ جو خدا رسی اور خدا دانی کا آئینہ تھا میری خداداد ذکاوت کو متحیر کرتا رہا۔ اپنی کمسنی کے زمانہ میں میں نے ان کو جس وضع قطع میں دیکھا آج بھی خدا رکھے وہی تیور ہیں۔ اب سے تیس برس پہلے ان کے رخسار کا پسینہ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر گلاب پاشی کرتا تھا۔ آج بھی چشم بد دور ان کے رخسار سے دو شبابی دہکتے ہوئے انگارے معلوم ہوتے ہیں۔ جن پر مخصوص جگر اپنی چھچھیں سینکتے رہتے ہیں کسی معنوی عالم سے تعلق رکھنے والا تخیل سر درماں کی دماغی قوتوں پر آٹھ پہر چھایا رہتا ہے۔ اور ان کی نیم باز آنکھیں دیکھنے والی نگاہوں کو ٹھوڑ دبلوں کے نکتے سمجھاتی رہتی ہیں۔ وجودی توحید ان کی سنہری زندگی کا نصب العین ہے اور نصب العین کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ان کی تعلیم۔ جس پر خوش نصیب مرید اپنی خودی اور خود نمائی قربان کرتے رہتے ہیں۔ مخزن تصوف جو ان کی مدون کتاب ہے اس کے معنوی نشیب و فراز جس قسم کے زمین و آسمان ظاہر کرتے ہیں۔ معمولی عقلیں نہ اس زمین کے گلزاروں کو سمجھ سکتی ہیں نہ اس آسمان کے ستاروں کو۔ مخزن تصوف کنز مخفی کی ایک ایسی مخصوص نرالی انوکھی تصویر ہے جس کے دلفریب حسن آفریں خط و خال کی زیبائی کا اندازہ کرنا کسی بصیرت کاملہ کا وظیفہ ہو سکتا ہے۔ ادھوری سوجھ بوجھ والی ہستی کی رائے اس کے متعلق ایک پوری حماقت کا خیالی پیکر کہلائے گی۔ جس کو تاریک قوت متخیلہ آٹھ پہر سینے سے لگائے رہتی ہے۔ پردہ حیا میں چھپ کر حضرت وجود نے اپنے انبساطی جلووں کو جس انداز سے ظاہر فرمایا اس انداز کے صدقے۔ اور اپنے تنزلات کی بلندیوں اور پستیوں کو جس تلفظی زبان سے روشن کیا اس روشنی کے قربان۔ ضمیر مخصوصہ کو شہودی بھول بھلیوں سے نکالنے کے لئے دھیان گیان کی وجودی منزلوں کو جس وضع سے طے کرنے کی تعلیم کی۔ اس تعلیم کے بلہاری۔ اعتباری تمیزات کی تاریکیوں کو رفع کرنے کے لئے روحانی بزم میں جس قسم کے اشغال و مراقبات کے چراغ روشن کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ اس سلیقے کے نثار۔ اعتبارات ستہ کے حالی مدرس کو قالی زبان میں جس شان سے بیان کیا۔ وہ [illegible] ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کلام نفسی کے مجمل تیور اپنے تفصیلی تل طور ظاہر کر رہے ہیں۔ مرکزی تعین سے مجملی تعین تک وجودی عروج و نزول کے وہ مناظر جو تکثیف بلطیف مقدار کا پہلو لئے ہوئے ہیں ان پر اس خوبی سے روشنی [illegible] کون زمین کو

کو مچ لگانے لگیں۔

الٰہی جب تک دنیا میں چیا بروراور شہر بیلے تیورد گھینہ والی ہستیاں رہتی بستی ہیں یہ شاد و آباد رہیں۔ آمین۔ فقط۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(خاکپائے خیر الانام عبدالسلام نیازی)

مصنف مخزن تصوف مدظلہ العالی کا کلام بلاغت نظام بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے

غزل آئینۂ جمال

میں آئینہ ہوں کس کے رخِ بے مثال کا
اس آئینہ میں عکس ہے کس کے جمال کا

ہر شکل میں ظہور ہے ہر شے میں نور ہے
ہر ذرہ آئینہ ہے تمہارے جمال کا

تو نے ہی مشتِ خاک کو ممتاز کر دیا
پتلا بنا کے اپنے رخِ بے مثال کا

وہ مستِ ناز جب کہ ہے اک مہ جمال میں
عالم دکھا رہا ہے جمال و کمال کا

لایا ہے خط کے ساتھ ہی تصویرِ یار بھی
کلمہ پڑھوں گا قاصدِ فرخندہ فال کا

اے غوث رخ تیرے حسن کو تشبیہ کس سے دوں
لاؤں کہاں سے مثل عدیم المثال کا

تڑپا دیا کسی کو کسی کو جلا دیا
یہ مشغلہ ہے آپ کی بزمِ جمال کا

بے پردہ اب حیا کے تصور میں آیئے
پردہ بنا بنایا ہے چشمِ خیال کا

غزل تصویرِ یار

جہاں میں قابلِ توقیر ہوں میں
کہ اپنے یار کی تصویر ہوں میں

بتا دو کون مجھ میں بولتا ہے
اگرچہ خاک کی تصویر ہوں میں

یہ کس شکل کے نقشے کھنچے ہیں
یہ کس کے عکس کی تصویر ہوں میں

بلا کی شوخیاں مجھ میں بھری ہیں
غضب کی چلبلی تصویر ہوں میں

مصور نے کیا ہے ناز مجھ پر
کچھ اس انداز کی تصویر ہوں میں

ترے اوصاف سے میں متصف ہوں
ترے انداز کی تصویر ہوں میں

ملائک نے [illegible] سجدہ کیا ہے
[illegible] ایسی آپ کی تصویر ہوں میں

ازل [illegible]
[illegible] کی تصویر ہوں میں

جو ہر صورت میں دربردہ چھپا ہے — حیا اس شوخ کی تصویر یوں ہے

غزل عکس رخسار

آئینۂ عکس رخ دلدار ہمیں ہیں — سودا زدہ طرۂ طرار ہمیں ہیں
دیکھو تو ہیں جلوۂ سرکار ہمیں ہیں — مسجود ملائک سر دربار ہمیں ہیں
ساقی ہیں ہمیں خانۂ خمار ہمیں ہیں — ساغر ہیں ہمیں صہبا ہیں میخوار ہمیں ہیں
وحدت میں ہمارے ہے حق شان ہماری — ہر شکل میں ہر شے میں نمودار ہمیں ہیں
بت بنکے دکھاتے ہیں کہیں ناز و کرشمہ — سر دیکے کہیں وقف در یار ہمیں ہیں
سر دیکے اٹھایا ہے ترا بار امانت — جو کھیل گئے جان پہ اے یار ہمیں ہیں
وہ ہم نے اٹھایا جو کسی سے بھی نہ اٹھا — اور اس پہ بھی رسوا سر بازار ہمیں ہیں
رسوائی عشاق کے پردے میں ہمیں ہیں — بھائی ہوئی چشم حیادار ہمیں ہیں
تو ساغر توحید حیا ہی کو دیے جا — اے ساقی کوثر ترے میخوار ہمیں ہیں

خون شہید ناز

خون شہید کو ہے ضرورت گواہ کی — محشر میں چھپتی پھرتی ہو شوخی نگاہ کی
رہ رہ کے لوٹتا ہے تڑپتا ہے آج دل — چھریاں چلی ہیں اس پہ کسی کی نگاہ کی
جب آپ جھکے کہ شرم ندم سے کریں گے ہم — پھر کیوں حیا سے آپ نے نیچی نگاہ کی

خدا کی شان محبوب الٰہی

علی کی جان محبوب الٰہی — نبی کی شان محبوب الٰہی
تمہارا تیر مژگاں ہے جو دل میں — رہے ہر آن محبوب الٰہی
دکھا دی تم نے ہر شے میں چمک کے — خدا کی شان محبوب الٰہی
ذرا پھر دیکھ لو یہ بھی تڑپتا ہے — حیا قربان محبوب الٰہی

غزل دیگر

اے دل و جان عاشقان رخ سے نقاب اٹھا بھی دے — بادہ کش الست کو مست ادا بنا بھی دے
ساقی بزم مے کشاں منتظر کرم ہوں میں — نرگس نیم مست سے مست مجھے بنا بھی دے
محو نیاز ہے حجاب لے غیر ناز اب نہ کر — پردۂ رخ اٹھا بھی دے جلوۂ رخ دکھا بھی دے
گاہ وجود ہو عدم گاہ عدم وجود ہو — میں ہی نہیں ہوں میں ہی ہوں ایسی فنا بقا بھی دے

شاہد وحدۃ دوئی اب نہ حیا ہے [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُنَزِّلِ الْحِکَمِ عَلٰی قُلُوْبِ الْکَلِمِ بِاَحَدِیَّۃِ الطَّرِیْقِ الْاُمَمِ مِنَ الْمَقَامِ الْاَقْدَمِ وَاِنِ اخْتَلَفَتِ الْمِلَلُ وَالنِّحَلُ لِاخْتِلَافِ الْاُمَمِ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُمِدِّ الْہِمَمِ مِنْ خَزَائِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ بِالْقِیْلِ الْاَقْوَمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَہٗ

غور طلب حمد

اشعار

سَمِیْعٌ۔ عَلِیْمٌ۔ بَصِیْرٌ۔ مُعِیْن۔ غَفُوْرُ الرَّحِیْمِ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن
بہر رنگ و بو جلوہ فرما توئی بہر یک عدد ذات یکتا توئی
وجودِ بلندی و پستی توئی بجُز و ہستی و ہست ہستی توئی

دیگر

سن وحمد تو ہیہات ایں چہ حرف است شکستِ دل بچندیں نالہ صرف است
ندارد نسبتِ حمدِ تو ادراک چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک
زجیبِ من بروں آ یک بے من زمن تا چند پنہاں باشی اے من

خداوندا! یہ کس کو تاب و طاقت ہے کہ تیری تعریف میں زبان کھولے اور حمد میں لب ہلائے۔

عقل بذاتِ تو چہ دریابد تا وصفِ تو اندیشد در عقل نمی گنجی۔ در وصف نمی آئی
عقل سے فہم سے۔ ادراک تو باہر ہے پھر تری حمد کرے کس طرح بندہ تیرا

بار آلہا! اس [illegible] عقل کی کیا قدرت جو تیری تعریف

بیان کر سکے۔ تیری کنہ کے میدان میں پائے ادراک لنگ۔ اور پہچان کے مقام میں قافیہ شعور تنگ اور بیرنگ ہے۔

اسی مقام میں خواجہ اکرم صلعم فرماتے ہیں۔ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ یعنی ہم نے اللہ تبارک تعالیٰ کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننا چاہیئے۔ شعر

گنگ میگردد زبان اہل عرفان بر مقام | ما عرفنا گفت اینجا سید ابرار ما

جب عقل و فہم۔ گمان و وہم خیال و قیاس اور ہوش و حواس کی حد سے تو باہر ہے۔ تو اس مرتبہ میں بے خبری کمالِ خبرداری اور عجز منتہائے ادراک ہے۔ لہٰذا تجھ سے ہی التجا ہے۔ رباعی ؎

زبانے دہ کہ گویائے تو باشد | بدہ چشمے کہ بینائے تو باشد
دلے دہ آنکہ جویائے تو باشد | عطا کن جان کہ شیدائے تو باشد

اے خالق کونین! ہر ذرہ میں تو موجود ہے۔ باوجودیکہ لا محدود ہے۔ تیرا عین وجود وجود ہر شئے ہے اور ہر شئے کا وجود تیرا عین وجود ہے۔ غزل

حدیثے مشکل و بس سرّیت مُغلق | کہ در کون و مکان کس نیست جز حق
حقیقت واحد است و وحدتِ او | بود مرد محقق را محقق
و لیکن ز اختلاف اعتبارات | گہے باشد مقید گاہ مطلق

دیگر

در مقید آیتِ مطلق نگر | ہم بچشمِ حق بسوئے حق نگر
بر محیطِ ہستیِ حق خویش را | گہہ حبابے بیں گہے زورق نگر
جان و دل سر دو اناں لب ست شد | جانِ مشتاق و دلِ مشتق نگر
عاشق و معشوق و عشق اینجا یکے است | گرچہ آساں نیست ایں مغلق نگر
سر بسر ذراتِ موجودات را | در شعاعِ شمس مستغرق نگر

خداوندا! کائنات کے ہر ذرہ میں [illegible] کفر کی تجلی [illegible] ور تجھ سے ہے

کافر تجھے ڈھونڈھتا ہے۔ مومن تیرا کلمہ پڑھتا ہے اور ہر جگہ تجھی کو دیکھتا ہے۔ بلبل گل سے تیری باتیں کرتا ہے۔ پروانے کو شمع میں تیری تلاش ہو۔ قمری سرو پہ قربان ہو ہو کر تیرے ہی قامت زیبا کے طواف میں مصروف ہو۔

هزاران موج از دریا بر آمد | بشکلِ هر عدد یکتا بر آمد
سرِ تشبیه مائل گشت تنزیه | نهانها همه پیدا بر آمد
بصد خوبی باعیان جلوه با داد | نمودِ صورتِ اشیا بر آمد
باوّل چوں قبائے جسم پوشید | بشکلِ آدم و حوّا بر آمد
تجلّی کرد در ارواح و اجساد | شهنشاه از زلیخا بر آمد
نهان شد در لباس خوبرویاں | پس آنگه بار رخ زیبا بر آمد

برآمد در لباسِ عشقبازاں
سرِ بازار بار سوا بر آمد

مثنوی

روئے بیگانہ نے کہی نگری | آشنائے بر آیدت ہر بار
ناظرِ خود خود است و خود منظور | خود تماشا و خود تماشہ کار
شاہدِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوْ | پیش تو پردہ گیر واز رخسار
ثَمَّ وَجْهُ اللهِ آیدت بنظر | هُوَ مَعَكُمْ نمایدت دیدار
رمزِ مَنْ کَانَ هٰذِهٖ اَعْمٰی | بشنوید اے گراں و کودن کار
ہر کہ اینجا نه دید محروم است | در قیامت ز لذتِ دیدار

غزل

هر آنچه در نظر آید جمالِ یار در وست | هر آنچه می نگرم من کمالِ یار در وست
هر که [illegible] | [illegible] جمالِ یار در وست

معیتِ ازلی چوں بذات موجودات   بہر وجود کہ بینی وصالِ یار درست

بار الٰہا! کعبہ میں تو ہے، بتخانہ میں تُو ہے، مسجد میں تو ہے، میخانہ میں تو ہے، بستی میں تو ہے ویرانے میں تو ہے، ہر گل میں تو ہے، ہر برگ میں تو ہے، ہر دیار میں تو ہے، ہر دوار میں تو ہے، ہر گل میں تو ہے ہر خار میں تو ہے، میدان میں تو ہے، کہسار میں تو ہے، غرض ہر جگہ تو ہی تو ہے تیرے سوا کچھ نہیں ہے

غزل

نباشد خالی از تو ہیچ بزم و منزل و خانہ   ز تست آبادیٔ عالم جہان بے تست ویرانہ
توئی ساقی توئی شارب توئی بادہ و پیمانہ   توئی رند خراباتی توئی مخدوم میخانہ
مسلماں بندۂ رویت برہمن بستۂ مویت   توئی در کعبہ و مسجد توئی در دیر و بتخانہ
بجز تو کیست معشوق کدام عشق است و کو عاشق   توئی در صورتِ شمع توئی بر شکل پروانہ

خداوندا! عالم کا وجود تیرے بحر جود کا ایک قطرہ ہے۔ اور عالم شہود تیرے نور وجود کا ایک لمعہ کثرت نور اور شدت ظہور کے باعث تیرا نظر آنا محال ہے ورنہ کوئی جگہ اور کوئی ذرہ تیرے نور سے خالی نہیں، چنانچہ شیخ اکبر یعنی امام الصوفیہ حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "توحید خاص میں وحدت الوجود کا سالک پر اس طرح انکشاف ہوتا ہے کہ اس ذات یعنی وجود مطلق کو ہر ذرہ میں عیاں دیکھتا ہے اس کو وحدت فی الکثرت کہتے ہیں اور اسی ذات مطلق میں جملہ کائنات کے مشاہدہ کو کثرت فی الوحدت کہتے ہیں۔ جیسے۔

غزل

جانم توئی جاناں توئی در دل توئی در جاں توئی   مقصودِ من معبودِ من پیدا توئی پنہاں توئی
در خانہ ام مونس توئی در رہگذر ہمراہ توئی   اینجا توئی آنجا توئی ہر جا کہ بینم آن توئی

اے شمس تبریزی توئی ہم مبتدی و منتہی
عالم توئی آدم توئی در جلد تن را جاں توئی

پھر فرماتے ہیں: "جب وہ ذات [illegible] ... اصول کے موافق

ظاہر ہوئی تو تجلی شہودی کہلائی۔ یعنی تفصیلِ صفاتِ ذات عالمِ اجسام میں اِس مرتبہ تنزل سے شروع ہوتی ہے جیسے شعبدہ گر نے ہر میں دھوم مچائی۔ ذات صفت میں آن سمائی۔ ؎

یار من باکمال رعنائی   خود تماشا و خود تماشائی

هُوَ الْاَوَّلُ هُوَ الْآخِرُ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ۔ بارالہا! اول بھی تو آخر بھی تو۔ باطن بھی تو ظاہر بھی تو۔ حاضر بھی تو ناظر بھی تو۔ نور بھی تو ظہور بھی تو۔ منظر بھی تو منظور بھی تو۔ قریب بھی تو دور بھی تو جنتِ معمور بھی تو صحبتِ مسرور بھی تو۔ دار بھی تو منصور بھی تو۔ قرب بھی تو حضور بھی تو۔ ساقی بھی تو بادہ بھی تو۔ مے بھی تو میخانہ بھی تو۔ شمع بھی تو پروانہ بھی تو۔ جان بھی تو جانانہ بھی تو۔ مستی بھی تو مستانہ بھی تو چمن بھی تو گل بھی تو۔ جام بھی تو مُل بھی تو گُل بھی تو بلبل بھی تو۔ سوسن بھی تو سنبل بھی تو گل بھی تو گلزار بھی تو اور نرگس بیمار بھی تو۔ بیخود بھی تو ہوشیار بھی تو۔ خم بھی تو خمار بھی تو۔ یار بھی تو اغیار بھی تو اور سب کا مددگار بھی تو۔ ناز بھی تو انداز بھی تو۔ غمزہ بھی تو طناز بھی تو۔ اور سوز بھی تو ساز بھی تو ہی ہے۔

خداوندا! مکین بھی تو مکان بھی تو۔ زمین بھی تو آسمان بھی تو۔ دل بھی تو جان بھی تو۔ اور سب کا نگہبان بھی تو۔ تو سب کچھ اور کچھ بھی نہیں۔ تو ہر کہیں اور کہیں بھی نہیں۔ تو واجب۔ تو ممکن۔ تو تعین۔ تو لاتعین تو مطلق۔ تو مقید۔ تو عدم تو وجود۔ تو موجود تو لاموجود۔ شاہد تو مشہود تو۔ عابد تو معبود تو۔ طالب تو مطلوب تو۔ سالک تو مجذوب تو۔ مست تو سرمست تو اور سب سے زبردست بھی تو۔ مقصد بھی تو مقصود بھی تو۔ ساجد بھی تو مسجود بھی تو۔ دل بھی تو دلبر بھی تو۔ جدید بھی تو قدیم بھی تو۔ رحمٰن بھی تو رحیم بھی تو۔ سبحان بھی تو کریم بھی تو۔ سمیع بھی تو بصیر بھی تو۔ اور علیٰ کُلِّ شَیٍٔ قدیر بھی تو۔ ایشور بھی تو۔ پرم ایشور بھی تو۔ آتما بھی تو پرم آتما بھی تو۔ آکار بھی تو ساکار بھی تو۔ اور پھر نرآکار بھی تو۔ گاڈ بھی تو لارڈ بھی تو۔ دِس بھی تو دیٹ بھی تو۔ اور تو ہی جانے کیا کیا تو ہے۔ کہاں تک کہے جاؤں تو ہی تو ہے تو کب تک سنے جائے گا تیرے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ ؎

غزل

نالہ ہائے بلبلاں تو ہی تو ہے   لعبتِ دلبراں تو ہی تو ہے

تیری [illegible]   [illegible] ستاں تو ہی تو ہے

واقعات طور کی اک یادگار — سرمۂ چشم بتاں تو ہی تو ہے
کیوں نہ جاں دیں عاشقانِ خستہ جاں — شوخی و نازِ بتاں تو ہی تو ہے
گلشن ہستی کے ہر ایک پھول پر — عندلیبِ نغمہ خواں تو ہی تو ہے
بے نشاں ہو کر ملا ہیر انشاں — ہاں نشانِ بے نشاں تو ہی تو ہے

بس اس کو **وحدت الوجود** کہتے ہیں۔ وحدت الوجود کے یہ معنے ہیں کہ جملہ موجودات کا ایک وجود ہے **وحدت** یعنی یکتائی۔ اصطلاح صوفیائے کرام میں تعین اول یعنی حقیقت محمدیہ صلعم کا نام ہے۔ وجود۔ ذات حق سبحانہ تعالے کہ اس کے ماسوا عدم ہے لیکن صوفیہ نے اپنی اصطلاح میں اس کی چند قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) واحد الوجود (۲) واجب الوجود یعنی وجود حقیقی حق تعالے (۳) واجب الوجود بمعنی لازم الوجود یعنی اجسام عناصر اربعہ (۴) ممکن الوجود یعنی جسم مثالی ممتنع الوجود یعنی روح اضافی (۵) عارف الوجود یعنی اعیان ثابتہ (۶) شاہد الوجود یعنی مرتبۂ وحدت ہے۔

اور حضرت مجتہد الشریعت جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب فیصلہ وحدت الوجود والشہود میں فرماتے ہیں "و معنی وحدۃ الوجود ھٰہنا الاستغراق فی معرفۃ الحقیقۃ الجامعۃ التی یفنی العالم فیہا بحیث یسقط عنہ احکام التفرقۃ والتمایز التی معرفۃ الخیر والشر بلیتہ علیہا والشرع والعقل ویخبران عنہا مبان لہا انہ بیان واو فی اخبار ھٰذا المقام یحل فیہ بعض السالکین حتی یخلصہ اللہ تعالیٰ منہ (ترجمہ) اور معنی وحدت الوجود کے یہاں استغراق کے ہیں معرفت میں ایسی حقیقت جامعہ کے جو عالم کو فانی کرتی ہے اس حیثیت سے کہ ساقط ہو جائیں اس سے احکام تفرقہ اور تمیز کی چیز کے معرفت خیر و شر کے ہے اور شرع و عقل انکی خبر دیتی ہے اور بہت بیان اور خبریں اس کی دی ہیں اور یہ ایسا مقام ہے جس میں بعض سالک پھنسے رہتے ہیں جب تک اللہ انہیں خلاصی نہ دے اور بہت سے گمراہ ہو کر ملحد ہو جاتے ہیں"۔

پھر فرماتے ہیں۔ "(ترجمہ) لیکن امام الصوفیہ حضرت محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین بلکہ محققین نے بھی یہ کہا ہے کہ اس قول کا محصل [illegible] دیتے ہیں صحبت

فہم کرہی سکتا ہے کہ حقائق امکانیہ بہت ضعیف اور بہت ناقص ہیں۔ اور حقیقت وجودیہ بہت پوری اور بہت قوی ہے۔ اسی حیثیت سے ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ حقائق امکانیہ اعدام ہیں کہ ان میں ظہور موجودات ظاہر ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ قول متفق علیہ ہے جس کی تفصیل کی ضرورت ہے بس جو کچھ میں بیان کروں اسے نہایت غور سے سنو کہ جس سے مسلمان رسائی پاتا ہے اور سب سے پہلے سمجھتا ہے وہ کتاب اللہ اور حدیث نبوی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حق عز وجل موجود جزئی ہے مانند جزئیات کے مگر وہ قدیم ہے عالم میں موثر ہے اور سب کا رازق ہے اور یہ وہ علم ہے جو ہر صاحب علم اپنے سینہ میں پاتا ہے اس سے پہلے کہ ریاضت کی مشق کرے اور مجاہدات میں مشغول ہو یا معقول میں غور کرے۔ وہ یہ ہے جس کے سبب شرع نے لوگوں کو مکلف کیا ہے اور شرع الٰہی اسی کی تکلیف دیتی ہے جو اللہ تعالے نے ان کی فطرت میں امانت رکھا ہے موافق صورت نوعیہ کے برابر ہے شد وہ شے کہ جس کے سبب سے تکلیف دی جاتی ہے از روئے علم وعمل کے چنانچہ خدا تبارک وتعالے فرماتا ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ یہ معرفت صحیح اور اشارہ صادق ہے کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ کی تجلیوں میں سے ایک تجلی ہے۔ قدیم ہے ظاہر ہوا نفس رحمانی میں اس سے پہلے کہ زمانہ متحقق ہوا اور حدوث کی حدیث ہوا اور یہ کہ نفوس بشریہ کو اس کی طرف کشش ہے جیسے لوہے کو مقناطیس کی طرف اور آگ کو فوق کی طرف میل ہے اور خاک کو تحت کی طرف ایسے ہی تمام اشیاء کو اپنی حقیقت کی طرف لہذا تمام اشیاء کا وجود واحد ہے۔

دراصل ذات یکتا کے وجود کو تمام اشیا میں جاری وساری جاننے کو اور چشم حقیقت سے یہ مشاہدہ کرنے کو کہ اللہ تعالے کے وجود کے سوا دوسرا وجود موجود نہیں ہے **وحدت الوجود کہتے ہیں۔**

اگرچہ ذات مطلق مقید نہیں ہو سکتی لیکن کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ وہ سب میں جلوہ گر ہے اور سارا عالم اسی لاتعین کے تعین کی اشارت ہے

وحدت الوجود سمجھنے اور حسن تعین پر طاری کرنے کی چیز ہے نہ زبان سے کہنے کی یہی وہ مسئلہ ہے جس کا جاننا عین ایمان اور [illegible] ہمہ اوست [illegible] یہی معنے ہیں یعنی سب کچھ وہی

ایک ذات ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں اور یہ جو کچھ نظر آتا ہے ذات یکتا کے غیر نہیں ہے۔ بعض درویش نا جاہل لوگ آجکل کہتے پھرتے ہیں "در خدا" "دیو خدا" "تو خدا" "عین خدا" وغیرہ جو شخص ہمہ اوست کو جان جاتا ہے اور اپنے رب کو پہچان لیتا ہے اس کی زبان بند ہو جاتی ہے ان پر مقام حیرت طاری ہو جاتا ہے بلکہ انہیں مشاہدہ مزید میں کچھ کہنے سننے کی مہلت ہی نہیں ملتی اور بعض پر ایسی بیخودی چھا جاتی ہے کہ نماز تک کا ہوش نہیں رہتا۔ جو اپنے آپ کو پہچان کر خدا کو پہچان جاتا ہے اس کی زبان بند ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث نبوی صلعم موجود ہے مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ كَلَّ لِسَانُهٗ یعنی جو اپنے رب کو پہچان جاتا ہے اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔

دوسری حدیث شریف مَنْ سَكَتَ سَلِمَ۔ وَمَنْ سَلِمَ نَجٰی یعنی جو خاموش رہا وہ سلامت رہا اور جو سلامت رہا اس نے نجات پائی۔ بس جاننے والا اپنی زبان سے ایسی چیز توحید نہیں بیان کر سکتا۔ کیونکہ جو ظرف خالی ہوتا ہے وہی صدا دیتا ہے۔ الغرض جو لوگ ایسی بکواس کرتے پھرتے ہیں وہ سخت جاہل اور گمراہ ہیں اور وہ درویش بے علم مسخرہ شیطان کے مصداق ہیں ایسے ہی لوگوں کی شان میں جناب شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے۔

سر جاہلاں بر سر دار بہ | کہ جاہل بخواری گرفتار بہ
سر انجام جاہل جہنم بود | کہ جاہل نکو عاقبت کم بود
ز جاہل گریزندہ چوں تیر باش | نیامیختہ چوں شکر شیر باش

اَلْعِلْمُ - دانستن یعنی علم کے معنے جاننے کے ہیں کچھ یہی ضرورت نہیں ہے کہ کتابیں پڑھنے سے عالم ہو جائے بلکہ بعض ہستیاں ایسی بھی گذری ہیں کہ نبی اکرم صلعم کے علم لدنی کا پرتو پایا تھا اور باوجود مادرزاد اُمّی ہونے کے انہوں نے بیشمار کتابیں فقہ اور سلوک میں تصنیف کی ہیں اور ہزاروں علماء کو ان کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔ مثلاً حضرت مولانا احمد جام زندہ پیل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ اور اس وقت میں بھی بعض درویش ایسے موجود ہیں جنہیں مطلق کتابی علم نہیں ہے مگر اپنے شیخ سے انہوں نے مکمل تعلیم پائی ہے اور ان کی یہ پہچان ہے کہ وہ ہمہ اوست [illegible] ہی گفتگو نہیں کرتے

جو لوگ ان مسائل میں گفت و شنید کرتے ہیں وہ اپنی لاعلمی اور گمراہی کا ثبوت دیتے ہیں

نظم

جس پہ ہو جاتا ہے رازِ حق عیاں ۔۔۔ بند ہو جاتی ہے بس اس کی زباں

جس بشر پر رازِ حق کا ہو ظہور ۔۔۔ کہنے سننے سے وہ ہو جاتا ہے دور

بھید ہے یہ فہمِ انسانی سے دور ۔۔۔ چاہیئے خاموش رہنا ذی شعور

رازِ حق کا ہے جو طالب اے جواں ۔۔۔ نیست کر ہستی کو اپنی بے گماں

جس پہ ظاہر راز کا ہو اے عزیز ۔۔۔ پھر کہاں اس بات کی اس کو تمیز

لا و الا ہر دو لفظے ساختند ۔۔۔ خلق را اندر گماں انداختند

لا و الا سے بھی ہے نزدیک تر ۔۔۔ پر نہیں تجکو خبر اے بے خبر

جس نے کی گفتار اس میں اے حبیب ۔۔۔ وہ رہے گا زندگی بھر بے نصیب

کیونکہ یہ ہے خود پسندی ہوش کی ۔۔۔ یہ نہیں ہے بات اس کے جوش کی

الغرض **وحدت الوجود** اور **ہمہ اوست** یہ نہایت پیچیدہ مسئلے ہیں جو بغیر اعیان ثابتہ کے انسان کے حس باطن پر طاری نہیں ہو سکتے لہٰذا اعیان ثابتہ کا بیان **تخلیق عالم** کے بیان میں آئیگا کیونکہ جب تک اعیان ثابتہ کے تمام مراتب یا اعتبارات کا پورا پورا علم نہ ہو گا تو انسان ان مسائل میں پڑ کر گمراہ۔ ملحد اور زندیق ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کے چھوٹی مراتب کو کسی جاننے والے استاد کامل سے سمجھنا مناسب ہے۔ اس موقعہ پر صرف **تعینات** اور **تنزلات** کی تھوڑی سی وضاحت کرتا ہوں۔

تعینات کا یہ مطلب ہو کہ موجودات کی جس قدر شکلیں نظر آتی ہیں یہ سب ذات یکتا کی صفات اور ان کی تجلیوں کے جلوے ہیں۔ مگر ان کی اصلیت بغیر ذات و صفات کے پرتو کے کچھ بھی نہیں جب ایک اصلیت و حقیقت سے مختلف قسم کی چیزیں نمودار ہوتی ہیں۔ ان شکلوں کو **تعینات** کہتے ہیں۔ مثلاً [illegible] مختلف اوزار [illegible] بسولہ۔ بسولی۔ آری۔ رندہ وغیرہ

اور سیف۔ تلوار۔ خنجر۔ تیر۔ نشتر۔ چھری۔ کٹاری وغیرہ تو ان سب کو ان کی شکلوں کے اعتبار سے بسولہ۔ بسولی۔ آری۔ رنتی۔ سیف۔ تلوار۔ خنجر۔ تیر۔ نشتر۔ چھری۔ کٹاری کہیں گے حالانکہ ان تمام چیزوں میں لوہے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر لوہے کے نام سے نہیں پکار سکتے بس انھیں اشکال کو تعین کہیں گے۔ یا یوں سمجھنا چاہیئے مثلاً ایک ڈورے میں چند گرہیں لگی ہوتی ہیں۔ ان گرہوں کو ڈورہ نہیں کہتے بلکہ ان کی صورت و شکل کے اعتبار سے ان کو گرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں حالانکہ گرہ کے اندر سوائے ڈورہ کے اور کچھ نہیں ہو۔ بس اس گرہ کو تعین کہیں گے جب گرہ لگ گئی تو گرہ ہے۔ اور کھل گئی تو ڈورہ ہے۔ گرہ کو ڈورہ اور ڈورہ کو گرہ نہیں کہتے اس لئے موجودات کی ہر شکل و صورت اور ہر چیز کو تعینات کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔

تنزلات جب اعلیٰ حقیقتیں ادنےٰ درجوں میں تقسیم ہونے لگتی ہیں تو ان کو تنزلات کہتے ہیں مثلاً ہوا ایک اعلیٰ حقیقت ہے آفتاب کی حرارت زمین کے رطوبات کو ہوائی ابخرات کی صورت میں زمین سے فضائے آسمانی میں لیجاتی ہے اور پھر پانی بناکر زمین پر برساتی ہے اور وہ پانی بستی میں بھی برستا ہے اور جنگل میں بھی کھیتوں میں بھی جاتا ہے اور نالی نالوں بلکہ گندی موریوں میں بھی۔ بس ہوا کی اعلیٰ حقیقت نے جب شکل تعین اختیار کی یعنی ابخرات کی صورت تو اس سے پانی بننا اس کا تنزل ہے اور برسنا اور زمین پر بہنا اس کے دوسرے تنزلات ہیں۔ واہ واہ میں بھی عجب وارفتہ مزاج ہوں کتاب کی حمد لکھتے لکھتے کہاں سے کہاں پہنچگیا۔ آمدم بر سر مطلب۔ تو ہاں اے قادر مطلق! تو سر تا پا راز ہے مادیت کے پرستاروں کے لئے۔ تو ایک معمہ ہے شکی ایمان والوں کے لئے۔ تو نادیدہ خفیدہ ہے ان کے لئے جن کی آنکھیں تیری تجلیوں کی تاب نہیں لاسکتیں اور جن کے کان تیری سریلی اور دلکش صدائیں سننے سے مجبور ہیں مگر میری چشم بینا اور قوت محسوسہ تو کائنات کے ہر ذرہ میں تیرا مشاہدہ کرتی ہو اور تجھکو ہی جانتی ہے اور تیرے ہی دلکش نغمے سنتی ہے۔ میری چشم بینا تجھے لیلیٰ میں بھی دکھاتی ہے اور مجنوں میں بھی۔ میں تجھے حسن شباب کے پردہ میں بھی پاتا ہوں [illegible] بھی اور دل کو حضو

تیرا ہی نور پھیلا ہوا ہے۔ میری آنکھ ہر ذرہ میں تیری ہی تجلیاں دیکھتی ہے اور قوت شامہ ہر پھول میں تیری ہی خوشبو سونگھتی ہے۔

خداوندا! تیرا کرم عام اور فیض علی الدوام ہے۔ عنایت بے اور مروم۔ رحمت بے اندازہ۔ اس میں مذہب و ملت کی کوئی تخصیص نہیں ذات پات کا لحاظ نہیں۔ کالے گورے کا امتیاز نہیں۔ وقت و ساعت کا تعین نہیں۔ سن و سال کی قید نہیں۔ ملک و قوم کی خصوصیت نہیں۔ دوست دشمن کی تفریق نہیں۔ عابد۔ زاہد۔ فاسق۔ فاجر سب پر تیرا باران رحمت یکساں برستا ہے۔ تیری کرم پاشیاں اور عنایت ریزیاں کچھ ایسی عام و وسیع ہیں کہ تو گنا ہگاروں پر بھی رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ سب کی سنتا ہے اور سب کو دیتا ہے ؎ قطعہ

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب | گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم | تو کہ با دشمناں نظر داری

بار آلہا! جب تو سب کی سنتا ہو اور سب کو دیتا ہے تو اپنے اس بھکاری کی بھی سن لے۔ سن لے میرے مولا! سن لے۔ یا اللہ! تو سمیع و بصیر ہے۔ ذرا سن اور دیکھ تو تیرا گدا تجھ سے کیا چاہتا ہے۔ سن لے داتا سن لے۔ "من از تو ترا خواہم"۔ "من از تو ترا خواہم" (پورا شعر)

ہر کس بہوائے دل دارد ز تو مقصودے | اے جملہ طفیل تو من از تو ترا خواہم

(غزل)

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جز اینکہ بخوانیم | در دیگرے بنما کہ من بکجا روم چو برانیم
بکجاست ایقدرم بقا کہ تا مگرے کنم وفا | عرق خجالت فرصتم نم انفعال زبانیم
ز حضیض پیریم آنقدر اثر امتحان قبول شد | کہ رساند بر رہ ہستی خم پشت پائے جہانیم
نہ بفن بستہ سخن ختم نہ بحرف ساختہ سر خوشم | نفسے بیاد تو میکشم چہ عبارت و چہ معانیم
ز طپیدن دل بے نفس خجل است بیدل ناتواں | بجہانیم و چہ کیم کہ تو جز بنالہ ندانیم

بار آلہا! دیکھنے [illegible] سب [illegible] کہ جو کچھ دیکھے تجھی کو دیکھے۔ جو کچھ

جانے تجھی کو جانے جہاں کہیں ہو تیرے ہی ساتھ ہو۔ یا اللہ! اگر تو اپنے حیا کی دعا کو شرف اجابت عطا فرمائے تو کیا تیری کریمی کی شان سے کچھ بعید ہے۔ خداوندا! دعا ہے تو یہ ہے۔ واشعار

تجھ میں ایسا میں سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں
مجھ میں تو ایسا سمائے کہ تو ہی تو ہو جائے

پھر حیا ہے نہ کہیں منہ چھپے لے پردہ نشیں
ذرہ ذرہ میں نمودار اگر تو ہو جائے

دعائے منظوم

یارب از سودائے خود دل ریش دار
زندہ را مردہ بعشق خویش دار

عشق کو بے بال و پر طیران کند
عشق کو در لامکاں جولان کند

عشق کو تا درد را کامل کند
عشق کو تا عقل را زایل کند

عشق کو تا جام مدہوشی دہد
عشق باید تا فراموشی دہد

اے خوش آں مے تا رہاند از خودی
صاف گرداند ز نیکی و بدی

سالہا شد از تو می خواہم ترا
حاجتم را چوں نمی سازی روا

آنچناں باخود بگرداں آشنا
تا نہ گردم یک زماں از تو جدا

سوئے خویشم برکہ رہ گم کردہ ام
زندۂ جاوید گرداں مردہ ام

یا الٰہی چشم بینائے بدہ
در سرم از عشق سودائے بدہ

ہر کہ آید بر درت امید دار
شاہد مقصود یابد در کنار

اے خدائے من بحق مصطفےٰ
از طفیل حرمت آلِ عبا

روز محشر دار با آلِ رسول
از طفیل مقبلاں گرد قبول

آمین ربنا آمین

توجہ طلب لغت

قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِ [illegible] عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا

[illegible]

تنبیہاً: ترجمہ: تحقیق اللہ اور اس کے ملائکہ درود بھیجتے ہیں نبی اکرم پر۔ پس اے مسلمانو تم بھی آنحضرت پر درود و سلام بھیجو مگر نہایت ادب کے ساتھ:

حدیث نبوی: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم آنَا فِی لَوْ مَرَاءِ الْعَرْشِ اَحَدٌ وَفِی السَّمَاءِ اَحْمَدُ وَفِی الْاَرْضِ مُحَمَّدٌ وَفِی تَحْتِ الثَّرَاءِ مَحْمُوْدٌ ارشاد فرمایا نبی اکرم صلعم نے کہ میں عرش کے اوپر احد، آسمان پر احمد، زمین پر محمد اور تحت الثریٰ میں محمود ہوں۔ رباعی

اے ذات تو سرو فخر اسرار وجود — لطفے ز رقمت بر در و دیوار وجود
در پردۂ کبریا نہاں گشتہ ز خلق — بنشستہ عیاں بر سر بازار وجود

زینت نہیں تو کی زیبا لقب طٰہٰ تو ہی
صاحب معراج سبحان الذی اسریٰ تو ہی

غزل

یا محمد مصطفےٰ محبوب حق سلطان دیں — اَنْتَ مَوْلَا اَنْتَ ہَادِیْ اَنْتَ خَتْمُ الْمُرْسَلِیْن
تو نوازو مہر و عالم فیضیاب از رحمت — اِنَّکَ مَا جَاءَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْن
نور تو نور خدا حسن جبیں بدر الدجےٰ — روئے تو شمس الضحیٰ واللیل زلف عنبریں
یا رسول اللہ سوئے غریباں یک نظر — در طلب مائیم تو دریائے رحمت یا معیں

دیگر

اے قمر طلعت و کی مطلع — مدنی مہد و یمانی برقع
نقطۂ برقعۂ تو برق افروز — لمعۂ نور رخت برقع سوز
لیلۃ القدر ز مویت تارے — وحی منزل ز لبت گفتارے
نام طٰہٰ و لقب یٰسینی — جاں فدایت تو چہ با تمکینی
عاصیاں بے سر و ساماں تو اند — ہمہ خیمہ بداماں تو اند

دیگر

اے [illegible] — [illegible] ذوالجلالی

انوارِ تجلیِ قبہ مرا — رخسارِ تو احسن المجالی
درشانِ کمالِ تست نازل — آیات مکارم و معالی
جامی بوظائفِ تضرع — مشغول بود علے التوالی

غزل

تیرے کرم نے پھونک دی بزمِ نشاط کافری — رعشۂ خوف بن گئی شکلِ بتانِ آذری
گرمِ عرب کی ریت سے موجیں اٹھیں نیاز کی — قلزمِ حسنِ شوق میں اف رے تری شناوری
بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشکِ خضر بنا دیا — سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغِ رہبری
شان تیرے ثبات کی عزمِ شہیدِ کربلا — شرح ترے جمال کی حسنِ جبینِ حیدری
آئینہ تیرے سوز کا گریۂ عابدِ حزیں — عکس ترے گداز کا سوزِ دلِ ابا ذری
حد پہ پہنچ کے ایک بات کہتا ہوں تیری شان میں — دہر میں تیری ذات پر ختم ہوئی پیمبری

نظم

زبانم قابلِ حمد و ثنا شد — کہ با نامِ محمد آشنا شد
دل از تفسیرِ ایں اسم است آگاہ — ز رمزِ معنئ الحمد للہ
ز آغوشِ احد یک میم جوشید — کہ بیرنگی لباسِ رنگ پوشید
نہ کرد آن جلوہ جز بساز نگاہے — نبود آن میم جز برخود گواہے
زباں تا می کشائی موج پیداست — دگر خاموش باشی جملہ دریاست
نہ گنجد در احد غیر از احد ہیچ — یکے در یک گم است اینجا عدد ہیچ

غزل

محمد روحِ عشق و جانِ عشق است — چگویم جان کہ او جانانِ عشق است
محمد قطرۂ دریائے حقیقت — محمد گوہر از کانِ عشق است
محمد سید [illegible] — محمد [illegible] عشق است

محمد آفتاب چرخِ اعیاں | محمد نیّرِ تابانِ عشق است
محمد قبلۂ دل کعبۂ جاں | محمد دین و ہم ایمانِ عشق است

کون محمد؟ (صلی اللہ علیہ وسلم) روحی فداک۔ سید المرسلین محمد۔ انیس الغریبین محمد۔ راحتِ العاشقین محمد۔ مراد المشتاقین محمد۔ اور رحمۃ للعالمین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون محمد؟ تخت والے محمد تاج والے محمد معراج والے محمد۔ کل والے محمد۔ اور آج والے محمد۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون محمد؟ طٰہٰ محمد۔ یٰسین محمد۔ مزمل محمد مدثر محمد بشیر و نذیر محمد۔ سراج منیر محمد۔ خواجہ عالم محمد۔ شافعِ محشر محمد اور سب کے رہبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون محمد؟ اللہ کا نور محمد۔ قدرت کا ظہور محمد۔ وہ نور جس کی ہدایت کا مخاطب ہر ذرۂ کونین ہو۔ وہ ظہور جس کی تبلیغ کی گہرائی میں تمام دنیا سما جائے۔ کون محمد؟ اسلام کا آفتاب محمد۔ عرفان کا ماہتاب محمد۔ قبلۂ دل محمد۔ کعبۂ جان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون محمد؟ مسلمانوں کو بھائی بھائی بنانے والا محمد؟ اپنائیت پھیلانے والا محمد۔ غیریت مٹانے والا محمد۔ غریبوں سے محبت کرنے والا محمد۔ یتیموں کو کلیجہ سے لگانے والا محمد۔ ضعیفوں کے بوجھ اٹھا کر اپنے سر پر پہنچانے والا محمد۔ ہدایت کا چراغ روشن کرنے والا محمد۔ اپنے آپ کو پہچاننے والا محمد۔ اپنی پہچان کے ذریعہ خدا کی شناخت کرانے والا محمد۔ مسکینوں کا غمخوار۔ بیواؤں کا غمگسار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون محمد؟ درد بھرے دل کی پکار سن کر تڑپ جانے والا محمد۔ انسانوں کی بھلائی چاہنے والا محمد۔ فاقوں پر فخر اور تکلیفوں پر صبر کرنے والا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ محمد جس کے در سے کوئی بھکشک (یعنی سائل) کبھی محروم نہ پھرا۔

اشعار

جو وہ ہے بادۂ تسنیم نرالا تیرا | نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان | صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا
چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف | تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا
کیوں اپنی گلی [illegible] | [illegible] لئے راہ گدا دیکھ رہا ہو

آتا ہے فقیروں پہ انھیں پیار کچھ ایسا — خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو
ہیں اقرار کی عادت ہو معلوم — نہیں پھرتا ہے سائل ان کا محروم
کر دو تو عرض تم پھیلا کے دامن — وہ سب کچھ دینگے خالی پا کے دامن

کون محمدؐ؟ وہ رحمت عالم جس نے فتح مکہ کے دن اپنی پیاری بیٹی حضرت زینب خاتونؓ کے قاتل ہبار نامی کو قصاص معاف کر کے تمام عالم کو محو حیرت بنا دیا جس کی آج تک مثال نہیں اور وہ محمدؐ جو عرب دیس کا راج کمار تھا۔ وہ محمدؐ جس کی آمد کی بنسری گوکل والے سری کرشن جی نے بجائی جو سب سنسار کا کلنکی اوتار تھا جس کو خنبل وہپ (یعنی ملک عرب) میں تمام عالم کا اتیا چار روکنے کے کارن محمد روپ دھارن کرنا پڑا۔ وہ محمدؐ جس کا وجود سب سنسار کے لئے شانتی کا پیغام ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ جس کی آغوش رحمت ہندو، مسلمان عیسائی۔ موسائی۔ بدھ۔ اور جینی وغیرہ۔ بلکہ ہر مذہب اور ملت کے شخص کے لئے ہر دم کھلی رہتی ہے وہ محمدؐ جس کی لیلا اجودھیا والے رامچندر جی نے دکھائی۔ بلکہ انہوں نے دنیا میں رہنے اور اسی دنیا کو برتنے کے ایسے زرین اصول بتائے جن پر عمل کرنے میں نہایت شانتی ہے۔ آپ ہی کی پاکیزہ تعلیم کی بدولت عرب کے بت پرست خدا پرست ہو گئے اور روحانیت کا آفتاب نصف النہار پر چمکنے لگا۔ آپ ہی کی کرپا سے حجاز کے ظالم جاہل ڈاکو، رہزن قزاق اور ناخدا ترس اعلےٰ درجے کے سنتھ، ساد ہو، مہاتما، شوامی۔ اور پرم ہنس یعنی خدا رسیدہ ہو گئے اور ان کے اندر کچھ ایسی روح پھونکدی کہ وہ ایک ہی سمے میں انما سدھار کے .... بھی کرتے تھے اور سپاہی۔ جمعدار۔ صوبہ دار۔ میجر۔ کپتان۔ جرنیل۔ کرنیل۔ چپراسی۔ منصف۔ تحصیلدار۔ جج چیف جسٹس اور گورنر جرنل کی بھی ڈیوٹیاں نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے۔ وہ محمدؐ جس کی پوجا اس سمے سارے سنسار میں چالیس کروڑ بتائی جاتی ہو۔ وہ محمدؐ جو ہدایت کا آفتاب اور انسانی ہمدردی کا ماہتاب تھا اور جو مرنے کا آشانتی اور دنیا سے دکھ کلیش دور کرنے آیا تھا جو اپنے ایشور کا پیارا ہمارا آسمان [illegible] يَتَفَكَّرُوْنَ۔

وہ محمدؐ جس نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔ وہ محمدؐ جس کے جھالے سبزہ زاروں پر بھی برسے اور بنجر ٹیلوں وادیوں کو بھی سیراب کیا۔ تاجداروں کو بھی اس کی رحمت سے حصہ ملا اور غریب غربا نے بھی اسکی رحمت کے موتیوں سے اپنی جھولیاں بھر لیں۔ وہ پیکرِ رحمت محمدؐ جس کو جانوروں نے اپنے دردوُکھ کی داستانیں سُنائیں۔ کعبہ کی محرابوں نے جھک جھک کے سلام کئے۔ ایوان کسریٰ نے جس کی ولادت کی خبر سُنکر سجدے کئے یعنی ایوان کسریٰ کی رفعت نگاہوں سے گرگئی۔ جس کی اُنگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور غروب شدہ آفتاب پھر نکل آیا۔ درحقیقت زمین کے ذرّے آسمان کے تارے۔ عرش کے کنگرے۔ درختوں کے پتّے۔ پانی کے قطرے اُس رحمۃ اللعالمین کے سہارے ٹھیرے ہوئے ہیں۔ اور اس کی رحمت اُن کی بقا کی ضامن ہے۔ جو کونپل پھوٹتی ہے اس کی رحمت کا گیت گاتی ہے۔ جو دانہ اُگتا ہے اس کی پیشانی اُن کے نور سے منور ہوتی ہے اور جو کلی کھلتی ہے اس کی نشو و نما انھیں کی رحمت سے ہوتی ہے۔ وہ محمدؐ جس کے سامنے مصائب کے زہریلے جام پیش کئے گئے۔ اُس نے ان سب کو مسکرا کر صرف پی ہی نہیں لیا۔ بلکہ اُن کے جواب میں اس رحمتِ عالم نے ان کو شربتِ عفو کے ساغر عطا کئے۔ اور زخم کھا کھا کر دعاؤں کے پھول برسائے ؎

غزل

والضحیٰ شرحِ نورِ طلعتِ اوست ... لیلیٰ خلق وصفِ سیرتِ اوست
مصحفے را ورق ورق دیدم ... ہیچ سورت نہ مثلِ صورتِ اوست
شرفِ دو جہاں اگر خواہی ... ہمہ در بندگیِ حضرتِ اوست

وہ محمدؐ جو تاجدارِ مدینہ تھا مگر اس کی بیت پر روشنی کے لئے پڑوس سے روغن قرض لیا گیا تھا۔ وہ محمدؐ جس نے اپنی زبان مبارک سے کسی کو کبھی کوئی سخت لفظ نہ فرمایا۔ جس کو عمر بھر نرم بستر پر [illegible] ... [illegible] افزا راتوں کو اپنے مالک

کی یاد میں غار حرا میں بسر کیا۔ آپ کے عادات اور اخلاق کی روح سادگی اور اخلاص تھا اور نیکی و محبت کے ساتھ اخلاق آپ کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ آپکی جبلّیت میں انسانی ہمدردی داخل تھی۔ آپ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے اور خانہ داری کے کاموں میں اپنی بیویوں کو مدد دیتے تھے۔ آپ بادشاہ ہو کر بھی اپنا سودا بازار سے خود خرید لاتے۔ بلکہ بے ولی وارث بیواؤں کے بھی سودے خرید کر لاتے تھے۔ آپ نے اپنے کسی ملازم کو کبھی سزا نہ دی۔ خواہ اس سے کیسا ہی قصور ہوا ہو۔ اور نہ کبھی کسی اپنے غلام کو جھڑکا۔ اگر ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی بھی آپ کو دعوت دیتا تو کبھی رد نہ فرماتے۔ غلاموں کے ساتھ بیٹھکر کھانا کھا لیتے۔ اور کسی آدمی کی بات نہ کاٹتے۔ آپ اپنے دوستوں سے محبت فرماتے اور اُن سے نہایت وضعداری سے ملتے جب آپ کے احباب کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی شامل ہوتے اور اپنے احباب کی ہر حالت میں شگیری فرماتے تھے۔ آپ اس قدر واضح گفتگو فرماتے اور ایسے آہستہ بات چیت کرتے تھے کہ آپکے لفظ گنے جا سکتے تھے اور اس قدر تیز چلتے تھے کہ بعض اوقات آپ کے ساتھیوں کو دوڑنا پڑتا تھا آپ کے کھانے میں نہایت سادگی تھی اگر کسی کھانے میں کوئی نقص ہوتا تو بھی خوشی سے تناول فرماتے تھے اور اس کا نقص کبھی نہ بیان فرماتے۔ **جَو۔ کھجور۔ سَتّو۔ دودھ۔ گوشت** جو چیز ملتی بے تکلف کھا لیتے۔ اگر دعوت میں کوئی لطیف و لذیذ غذا پیش کرتا تو وہ بھی خوشی کے ساتھ تناول فرما لیتے تھے۔ عموماً ایک ہی کھانے کی طرف رغبت فرماتے تھے۔ آپ کسی میلے برتن میں کھانا پسند نہ کرتے۔ اور نہ کسی بدبودار چیز کے پاس جاتے۔ عطر و خوشبوئیں پسند فرماتے۔ حتیٰ کہ آپ کے جسد اطہر سے بھی خوشبو آتی تھی۔ جس گلی کوچہ سے نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا۔ آپ کو شہد اور لوکی یعنی کدو بہت زیادہ مرغوب تھا۔ آپ کھانا کھانے کے لئے جب ہاتھ دھوتے تو ہاتھوں کو نہ پونچھتے۔ لیکن کھانا کھانے کے بعد دست مبارک پونچھکر خوب صاف فرماتے تھے۔ آپ کے لباس میں بھی نہایت سادگی تھی۔ پیوند لگا کر کپڑا اور کمل بھی خوشی سے پہنتے تھے اور اگر کوئی اعلےٰ درجہ کا کپڑا ملتا تو اس سے بھی دریغ نہ فرماتے اور جس [illegible] کا کپڑا میلا ہو جاتا

تو اپنے ہاتھ سے دھو لیتے۔ آپ اپنے لباس و جسم کو نہایت پاک و صاف رکھتے تھے تاجدار
ہونے کے بعد بھی آپ کے مکان کی آرائش میں صرف ایک چارپائی ایک چھوٹا چمڑے کا فرش
اور ایک پانی کی مشکیزہ تھی۔ فتح خیبر کے بعد جب حضرت صفیہؓ سے شادی کی تو دعوت ولیمہ کے
وقت صحابہ سے فرمایا کہ جس کے گھر جو کچھ موجود ہو لے آؤ چنانچہ دستر خوان پر کچھ ستّو اور کچھ کھجوریں
جمع ہو گئیں وہ سب نے آقائے نامدار کے ساتھ تناول فرمائیں بس یہی دعوت ولیمہ تھی۔ آپ دن میں
کئی کئی دفعہ منہ کو صاف کرتے اور اکثر مسواک استعمال فرماتے تھے۔ آپ کے پسینہ سے خوشبو آتی
تھی آپ طہارت کے بعد دست مبارک مٹی سے مل مل کر صاف فرماتے اور اس کے بعد پھر پانی کر
دھوتے تھے آپ کے دوستانہ تعلقات اس قدر مستحکم تھے جن میں کبھی فرق ہی نہ پڑتا تھا آپ سب
نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور چہرہ مبارک ہمیشہ شگفتہ رہتا تھا۔ حالانکہ جب دندان
مبارک شہید ہوئے اور لبہائے نازنین سے خون جاری تھا تو اس وقت بھی آپ نے لوگوں کو
مسکرا مسکرا کر جواب دیئے بلکہ آپ کے ہونٹوں پر ہمیشہ ہی تبسم کے آثار نمودار رہتے تھے آپ
اپنے احباب سے نہایت بے تکلفی سے بات چیت کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی مزاح بھی کر لیتے تھے
آپ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کو یہ سبق دیا تھا کہ میرے سامنے کسی کی برائی نہ بیان کیا کرو۔
کیونکہ غیبت بڑا گناہ ہے۔ غیبت زناکاری سے بھی شدید تر ہے۔ جو غیبت کرتا ہے وہ اپنے سگے
مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ آپ ہمیشہ اپنے احباب سے سلام و مصافحہ میں سبقت فرماتے
تھے اور اپنے دوستوں کو عزت کے ناموں سے مخاطب کرتے تھے۔ اگر کسی سے کوئی خطا سرزد
ہو جاتی تو ہمیشہ چشم پوشی فرماتے اور معاف کر دیتے تھے۔ آپ احباب سے بلکہ سب سے حسن سلوک
سے پیش آتے تھے ہر انسان کی قدر کرتے تھے البتہ جھوٹ سے آپ کو بہت زیادہ نفرت تھی بلکہ
جو شخص جھوٹ بولتا تھا اس سے بھی آپ متنفر ہو جاتے تھے آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی
ہمیشہ مہربانیاں کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے جانی دشمن عبداللہ بن اُبی کے ساتھ بھی مہربانی کی
اور جب وہ فو[illegible] لیے دعا[illegible] اس کے کفن کے واسطے اپنا کرتا

تو اپنے ہاتھ سے دھو لیتے۔ آپ اپنے لباس و جسم کو نہایت پاک و صاف رکھتے تھے تاجدار
ہونے کے بعد بھی آپ کے مکان کی آرائش میں صرف ایک چارپائی ایک چھوٹا چمڑے کا فرش
اور ایک پانی کی مشکیا تھی۔ فتح خیبر کے بعد جب حضرت صفیہؓ سے شادی کی تو دعوت ولیمہ کے
وقت صحابہ سے فرمایا کہ جس کے گھر جو کچھ موجود ہو لے آؤ چنانچہ دستر خوان پر کچھ ستّو اور کچھ کھجوریں
جمع ہو گئیں وہ سب نے آقائے نامدار کے ساتھ تناول فرمائیں بس یہی دعوت ولیمہ تھی۔ آپ دن میں
کئی کئی دفعہ منہ کو صاف کرتے اور اکثر مسواک استعمال فرماتے تھے۔ آپ کے پسینہ سے خوشبو آتی
تھی آپ طہارت کے بعد دست مبارک مٹی سے مل مل کر صاف فرماتے اور اس کے بعد پھر پانی کر
دھوتے تھے آپ کے دوستانہ تعلقات اس قدر مستحکم تھے جن میں کبھی فرق ہی نہ پڑتا تھا آپ سب سے
نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور چہرہ مبارک ہمیشہ شگفتہ رہتا تھا۔ حالانکہ جب دندان
مبارک شہید ہوئے اور لبہائے نازنین سے خون جاری تھا تو اس وقت بھی آپ نے لوگوں کو
مسکرا مسکرا کر جواب دیئے بلکہ آپ کے ہونٹوں پر ہمیشہ ہی تبسم کے آثار نمودار رہتے تھے آپ
اپنے احباب سے نہایت بے تکلفی سے بات چیت کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی مزاح بھی کر لیتے تھے
آپ نے اپنے پاس بیٹھنے والوں کو یہ سبق دیا تھا کہ میرے سامنے کسی کی برائی نہ بیان کیا کرو۔
کیونکہ غیبت بڑا گناہ ہے۔ غیبت زناکاری سے بھی شدید تر ہے۔ جو غیبت کرتا ہے وہ اپنے سگے
مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ آپ ہمیشہ اپنے احباب سے سلام و مصافحہ میں سبقت فرماتے
تھے اور اپنے دوستوں کو عزت کے ناموں سے مخاطب کرتے تھے۔ اگر کسی سے کوئی خطا سرزد
ہو جاتی تو ہمیشہ چشم پوشی فرماتے اور معاف کر دیتے تھے۔ آپ احباب سے بلکہ سب سے حسن سلوک
سے پیش آتے تھے ہر انسان کی قدر کرتے تھے البتہ جھوٹ سے آپ کو بہت زیادہ نفرت تھی بلکہ
جو شخص جھوٹ بولتا تھا اس سے بھی آپ متنفر ہو جاتے تھے آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی
ہمیشہ مہربانیاں کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے جانی دشمن عبداللہ بن اُبی کے ساتھ بھی مہربانی کی
اور جب وہ فو[illegible] لیے دعا کی [illegible] اس کے کفن کے واسطے اپنا کرتا

پہنچا دیا۔ جس میں وہ دفن ہوا۔ آپ نے حاتم طائی کی لڑکی کو جب گرفتار ہو کر آپ کے سامنے لائی گئی، معاف کر دیا بلکہ اس کی سفارش پر اس کے چھ سو ساتھیوں کو معاف کر کے رہا کر دیا اور اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ لیکن شریعت کے احکام بھی جاری رکھے اور ایسے لوگوں کو سزائیں بھی دیں جو بنی آدم پر ظلم کرتے تھے اور جنہوں نے اسلام کو نیست و نابود کر دینا چاہا تھا۔ جہاں عفو سے اصلاح ہوتی وہاں عفو فرماتے اور جہاں سزا کی ضرورت ہوتی وہاں سزا بھی دیتے تھے۔ کیونکہ ؎ شعر

نکوئی با بداں کردن چناں است
که بد کردن بجائے نیک مرداں

درحقیقت ایک چور ایک ڈاکو ایک ظالم ایک رہزن پر رحم کرنا ایسا ہی ہے جیسا دوسرے نیک آدمیوں پر ظلم کرنا۔ فی الحقیقت افراطِ رحم کا دوسرا نام ظلم ہے ایسے لوگوں پر رحم کرنے کے معنے اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم بہت سے نیک اور اچھے آدمیوں پر ظلم کر رہے ہیں ایسے مجرموں کو سزا نہ دینا بدی کی اعانت کرنا ہے۔

آنحضرت عیسائی موسائی مشرک اور کافر کے ساتھ بھی اسی طرح فیاضی کا برتاؤ فرماتے تھے جس طرح ایک مسلمان کے ساتھ کرتے تھے خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتے تھے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں کی خبر گیری آپ کا شعار تھا۔ ہمیشہ مظلوم کی حمایت فرماتے۔ آپ نے عورتوں کے حقوق شوہروں پر، غلاموں کے حقوق آقاؤں پر محکوم کے حاکموں پر اور پرجہ کے حقوق راجہ پر قائم کر دیئے۔ آپ کے دل سے مخلوق خدا کی ہمدردی پھوٹ پھوٹ کر نکلتی تھی اور آپ کے سینہ اقدس میں ایک ایسا پاکیزہ دل تھا جس میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی آپ مخلوق کی خدمت کے مقابلہ میں اپنے تمام عیش و راحت کو قربان کر دیتے تھے آپ کو بچوں سے بہت زیادہ محبت تھی اور راستے میں بھی بچوں کو پیار کرتے چلتے تھے۔ آپ ہر بیمار دوست کی عیادت کو جاتے اس کی تسلی و تشفی فرماتے مریض سے زیادہ بات چیت نہ کرتے اور اس کی آسائش کا سامان فرماتے۔ اگر غریب [illegible] عزیز و اقارب [illegible] امداد فرماتے تھے۔

اگر کوئی فوت ہو جاتا تو دفن تک ساتھ جاتے۔ اور خود نمازِ جنازہ پڑھاتے تھے۔ آپ اپنے مہمانوں کی خود مدارات کرتے۔ خود بھوکے سو رہتے مگر مہمان کو ضرور کھلاتے۔ آپ سے جب کسی نے دریافت کیا کہ سب سے اچھا کون ہے جواب دیا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ دنیا میں زبان سے عفو کی تعلیم دینے والے بہت سے گذرے ہیں۔ مگر اس کا صحیح موقع پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ اگر کوئی ہستی ہو سکتی ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس ہے۔ اُحد کے تیر اندازوں نے جس قدر عدول حکمی کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور لڑائی کا رنگ بالکل پلٹ گیا۔ مگر اس رحمتِ عالم نے اُن خطاکاروں کو بھی معاف فرما دیا۔ قدرت نے آپ میں کوٹ کوٹ کر حیا بھر دی تھی اور آپ ہی نے حیا کو جزوِ ایمان ٹھیرایا ہے۔ آپ اپنے چھوٹوں کی بھی عزت کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی بیٹی کی بھی کھڑے ہو کر تعظیم دیتے تھے۔ آپ ہی نے تعلیم دی ہو کہ ماں باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ آپ ایسے بہادر اور دلیر تھے کہ آپ کے دل میں کبھی کسی دشمن کا خوف جاگزیں نہ ہوا۔ جب مکہ میں آپکو قتل کرنے کے کھلم کھلا مشورے ہوتے تھے تو بھی آپ مطلق پرواہ نہ کرتے تھے اور نہایت آزادی کے ساتھ رات دن تنہا گھر سے باہر آمد و رفت رکھتے تھے اور سخت سے سخت مایوس کن حالات میں بھی آپ کبھی مایوس نہ ہوتے تھے۔ بلکہ چاروں طرف کے مایوسانہ نظاروں نے بھی ایک لمحہ کے لئے آپ کی کامیابی کے یقین کو کبھی متزلزل نہ ہونے دیا۔ آپ ہمیشہ تدبیر سے کام لیتے اور نتیجہ کو تقدیر پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور خلافِ امید نتیجہ ہونے پر بھی آپ مایوس نہ ہوتے تھے آپ نے اپنے آخری خطبہ میں بھی غلاموں اور عورتوں سے حسنِ سلوک کی بہت زیادہ وصیت فرمائی ہو۔ آپ اپنا سارا دن اپنے پروردگار کی بڑائیاں بیان کرنے میں گذارتے۔

کون محمدؐ؟

اشعار

آں پیکِ نامور کہ رسید از دیارِ دوست — آوردہ حرزِ جان ز خطِ مشکبارِ دوست

خوش میدہد نشانِ جلال و جمالِ یار — [illegible] حکایتِ عز و وقارِ دوست

آپ اپنی ساری ساری راتیں اپنے اَن دیکھے مولا کی ذوقِ دید میں رکوعوں میں جھک جھک کر اور سجدوں میں گر گر کر بسر کرتے تھے۔ آپ غیر مذہب والے بیماروں کی بھی رات رات بھر جاگ کر خدمت کرتے تھے۔ آپ انسانی ہمدردی کی خاطر اپنے آرام و آسائش کو قربان کر دیتے تھے جس کے جواب میں ان کی طرف سے گالیوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ پتھروں کا مینہ برستا تھا۔ اس کے جواب میں بھی وہ رحمتِ عالم ان کے حق میں دعائے خیر فرماتا تھا۔ وہ محمدؐ جس کو اپنی آتما پر حکومت حاصل تھی جو بت پرستی کی مخالفت اور خدا پرستی کی تعلیم دینے کے جرم میں جلا وطن ہوا۔ خانہ کعبہ میں عبادت کرتے وقت جسکے گلوئے اطہر میں پھانسی ڈال کر کھینچی گئی۔ **کون محمدؐ**؟ دیا لو محمدؐ۔ دیا وان محمدؐ۔ بھگتی محمدؐ۔ اور بھگوان محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)، وہ محمدؐ جو اپنی معاش کے لئے خود محنت اور تجارت کرتا تھا، اور دوسروں کو بھی کما کر کھانے کی تعلیم دیتا تھا۔ **کون محمدؐ**؟ وہ محمدؐ جسکے گھر کئی کئی دن چولہا روشن نہ ہوتا تھا۔ وہ محمدؐ کہ فاقوں میں جسکے پیٹ پر بندھنے کے لئے پتھر پیدا ہوئے تھے۔ وہ محمدؐ جو ایک کھجور سے روزہ افطار نے کے بعد دوسرا روزہ رکھ لیا کرتا تھا۔ وہ محمدؐ جس نے انسانی ہمدردی یا بخشش شدہ بار کے کارن بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ وہ محمدؐ جس نے عورتوں کو مساوات کا تاج پہنا دینے کے علاوہ ان کے شوہر، ان کے ماں باپ۔ اور ان کی اولاد کے مال و جائداد میں ان کے حقوق مقرر فرمائیے **کون محمدؐ**؟ جو دعائے خلیلؑ۔ اور نویدِ مسیحؑ کا ظہور تھا۔ کون محمدؐ؟ جمیل محمدؐ جمال محمدؐ خوش رو محمدؐ خوشخصال محمدؐ۔ بے مثل محمدؐ۔ بے مثال محمدؐ۔ عبد اللہ اور آمنہ کا لال محمدؐ۔ وہ ایسا آفتاب ہدایت تھا جس کا نور نہ صرف عرب ہی میں چمکا بلکہ اس کی ضیا پاشیوں سے تمام دنیا جگمگا اٹھی۔ قدرت نے آمنہ کی گود میں ایسا پھول کھلایا جسکی خوشبوئیں نہ صرف وادیٔ فاران ہی میں مہکیں بلکہ اس کی شمیم توحید سے سارا عالم معطر ہو گیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا نورٌ من نور اللہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا محمد بن عبد اللہ۔

تخلیقِ عالم

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِيّاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ

مثنوی

یارِ من باکمالِ رعنائی — محوِ تماشا و خود تماشائی
شد چو حبِّ نظارہ دامنگیر — گشت مطلق بدامِ قید اسیر
از تقاضائے حبِّ جلوہ گری — آمد اندر حصارِ شیشہ پری
خواست آں حسنِ بےنظیر و مثال — متجلی شدن باین اشکال

اس وجود مطلق نے تمام کائنات کو اپنے وجود سے پیدا کیا اور اپنی اطلاقیت کے ساتھ تقیدات کی تہمت سے مستغنی ہوکر سب کو مقید کر دیا ہے

در مقید آیتِ مطلق نگر — ہم ز چشم حق ببوئے حق نگر
ذوقِ نظارے نے مطلق کو مقید کر دیا — میں تری ہر شان کے قربان کیا تھا کیا ہوا

اور ان قیود کا **تجلی** ۔ **تعین** ۔ اور **اعتبار** نام رکھا۔ کائنات کے وجود سے پہلے ذات مطلق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اشعار:۔

خموشی تھی دنیائے امکاں پہ طاری — سکوت آشنا تھی یہ سب بزم کاری
نہ گل تھا نہ غنچہ نہ برگ و ثمر تھے — نہ دنیائے فانی کے زیر و زبر تھے
نہ ایسی زمیں تھی نہ اتنے فلک تھے — نہ انسان تھا اور نہ جن و ملک تھے
خدا جلوہ گر تھا خدائی نہیں تھی — کوئی روح قالب میں آئی نہیں تھی

خموشی تھی دنیائے امکاں پہ طاری

[illegible] آشنا تھی [illegible]

غزل

آن پری از دیدهٔ خود خویشتن مستور بود — لیک میلِ دیدنِ حسنِ خویش منظور بود

عشق را آئینہ کرد و خویش را در وے پدید — شد عیاں ہر آنچہ اندر پردہا مستور بود

چوں نظر کردہ درویِ آئینہ خود را پدید — زانکہ او از عکسِ حسنِ آن پری مسرور بود

اضطرابِ دل نقاب از روئے جاناں بر کشود — گشت پیدا آنچہ اندر پردہا مستور بود

مگر یہ زمین۔ آسمان۔ دریا۔ پہاڑ۔ شجر، حجر۔ گل۔ بوٹے۔ وحوش۔ طیور۔ جن۔ انسان۔ فرشتے۔ عرش کرسی لوح۔ قلم۔ ریل۔ تار۔ بے تار کا تار۔ موٹر۔ ٹریموے۔ جہاز۔ ہوائی جہاز۔ گراموفون۔ ریڈیو وغیرہ وغیرہ غرض ہر چھوٹی سے چھوٹی اور ہر بڑی سے بڑی چیز علم آلہی میں ایسی ہی موجود تھی جیسی آج موجود ہے۔ پس حق تعالےٰ کے علم میں جو کچھ تھا اُسے منقوش فرمالیا۔ اور جب **علمِ آلہی**۔ نے نقوش کی صورت اختیار کی تو اُسے **لوحِ محفوظ** کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ اور جب الفاظ کی شکل میں ظاہر ہوا تو **اعیانِ ثابتہ** کہلایا۔

اعیانِ ثابتہ

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ سرورِ کائنات صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وجودِ حق تعالےٰ کے مراتب و اعتبارات اعیانِ ثابتہ سے شروع ہوتے ہیں۔ اعیانِ ثابتہ کے معنی حقیقت الحقائق یا حقیقت الاشیا کے ہیں۔

اعیان صورِ علیہ حق جل مجدہ کو کہتے ہیں یعنی علم آلہی میں حقائق عالم کی صورتیں قرار پانے کو۔ اور حقائق اشیا کو بھی صورِ علیہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اعیان کو معلومات و معدومات حق بھی کہتے ہیں۔ معلومات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے حقائق عالم کو اپنے علم میں معلوم کر لیا۔ اور معدومات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ فقط علم آلہی میں اعیان کی صورت قرار پائی نہ ظاہر میں اسی وجہ سے متکلمین **معدوم** کہتے ہیں اور صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم **مراتب داخلی** میں صورِ تعینات [illegible] **[illegible]ان** کہتے ہیں چنانچہ

جناب امام المحققین سلطان العارفین حضرت مولانا **محی الدین** ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔ وَقَدْ كَانَ الْحَقُّ اَوْجَدَ الْعَالَمَ كُلَّهُ وُجُوْدَ شَبَحٍ مُسَوًّى لَا رُوْحَ فِيْهِ فَكَانَ كَمِرْاٰةٍ غَيْرِ مَجْلُوَّةٍ وَمِنْ شَاْنِ الْحُكْمِ الْاِلٰهِيِّ اَنَّهٗ مَا سَوّٰى مَحَلًّا اِلَّا وَ بُدَّ اَنْ يَقْبَلَ رُوْحًا اِلٰهِيًّا عَبَّرَ عَنْهُ بِالنَّفْخِ فِيْهِ وَمَا هُوَ اِلَّا حُصُوْلُ الْاِسْتِعْدَادِ مِنْ تِلْكَ الصُّوْرَةِ الْمُسَوَّاةِ لِقُبُوْلِ الْفَيْضِ التَّجَلِّي الدَّائِمِ الَّذِيْ لَمْ يَزَلْ وَمَا بَقِيَ اِلَّا قَابِلٌ وَالْقَابِلُ لَا يَكُوْنُ اِلَّا مِنْ فَيْضِهِ الْاَقْدَسِ فَالْاَمْرُ كُلُّهُ اِبْتِدَاؤُهٗ وَاِلَيْهِ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ كَمَا ابْتَدَأَ مِنْهُ۔ (ترجمہ) اور حال یہ ہے کہ پیدا کیا حق تعالیٰ نے تمام عالم کو مانند ایک وجود کالبدی کے۔ کہ معتدل بنا ہوا تھا جس میں روح نہ تھی۔ پس تمام عالم آئینہ بے جلا کی طرح تھا۔ اور شان سے حکم الٰہی کے یہ ہے کہ تحقیق حق تعالیٰ نے کسی محل کو معتدل نہیں بنایا مگر اس حال میں کہ ضرور یہ ہے کہ وہ محل روحِ الٰہی کو قبول کرے۔ کہ تعبیر کی گئی اس قبولِ روح سے نفخِ روح اسی محل میں۔ اور نہیں ہے وہ نفخِ روح مگر استعداد و قابلیت کا حاصل ہونا ہے اس بنائی ہوئی معتدل صورت کو فیضِ مقدس قبول کرنے کے لئے۔ جو دائمی تجلی ہے۔ وہ ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی غیر مستعد چیز باقی نہ رہی بجز **اعیانِ ثابتہ** کے۔ اور اعیان ثابتہ کا علم نہیں حاصل ہوتا ہے مگر فیضِ اقدس سے۔ پس وجودِ عالم کے تمام امور حق تعالیٰ ہی سے ہیں۔ یعنی اسی سے ابتدا ہے اور اسی سے ان کی انتہا ہے۔ لہٰذا تمام عالم کے امور وجود کو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے وجود سے ان کی ابتدا ہوئی ہو۔ پھر فرماتے ہیں (اصل عربی کا اردو ترجمہ) علم اعیان ثابتہ کی تحقیق کا شوق اسی بندے کو ہوتا ہے جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت ہوتی ہے۔ اور وہی ان تمام مراتب اور تمام اعتبارات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ اس پر کرم فرما کر کشف کے ذریعہ سے مطلع فرما دے۔ تحقیق کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے وجود کی اور علم کی حقیقت یعنی اعیان ثابتہ سے آگاہی بخشے۔ مگر خلیفۃ اللہ یعنی آدم کو اسی طرح [illegible] مطلق [illegible] سے قبل وہ ذات محض جیسی

اور جہاں تھی اُس سے بھی آگاہ کر دیا۔ بس تیری ذات کا آئینہ حق تعالےٰ ہے اور حق تعالےٰ کی ذات کا آئینہ تو ہے۔ بعض عرفا ایسے بھی ہوئے ہیں کہ اس امرِ مبہم کے علم میں متحیر ہو گئے پس دریافت کرنے سے دریافت کے عاجز ہونا نہایتِ دریافت ہے۔ اور جیسا کہ علم نے عاجز کو عجز عطا کیا ہے۔ اسی طرح ساکت کو علم ہی نے سکوت بخشا ہے۔ تو یہ سکوت کمالِ ادراک ہے۔ اور عجز سے برتر فضل ہے۔ اور عارف کی شناخت خاموشی ہی سے ہو سکتی ہے ع خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

اور اسی مقام پر چند شعر فرماتے ہیں۔ ؎

فَاِنْ قُلْتَ بِالتَّنْزِیْہِ کُنْتَ مُقَیِّدًا ۔۔۔ وَاِنْ قُلْتَ بِالتَّشْبِیْہِ کُنْتَ مُحَدِّدًا

پس اگر تو صرف تنزیہ کہیگا تو ذات کو مقید کرنیوالا ہوگا ۔۔۔ اور اگر صرف تشبیہ کہیگا تو حق تعالیٰ کو محدود کرنیوالا ٹھیریگا

وَاِنْ قُلْتَ بِالْاَمْرَیْنِ کُنْتَ مُسَدَّدًا ۔۔۔ وَکُنْتَ اِمَامًا فِی الْمَعَارِفِ وَسَیِّدًا

اور اگر تو تنزیہ اور تشبیہ دونوں کہیگا تو راہِ راست پر ہوگا ۔۔۔ اور عرفان میں سردار اور بادشاہ ٹھیریگا

فَمَنْ قَالَ بِالْاَشْفَاعِ کَانَ مُشْرِکًا ۔۔۔ وَمَنْ قَالَ بِالْاِفْرَادِ کَانَ مُوَحِّدًا

پس جو شخص خلق اور خدا کو دو کہیگا وہ مشرک ہوگا ۔۔۔ اور جو شخص خلق اور خدا کو ایک کہیگا وہ موحد ہوگا

فَمَا اَنْتَ هُوَ بَلْ اَنْتَ هُوَ وَتَرَاهُ فِیْ ۔۔۔ عَیْنِ الْاُمُوْرِ مُسَرَّحًا وَمُقَیَّدًا

پس تو حق تعالیٰ نہیں ہے بلکہ تو حق تعالیٰ ہے کہ تو اسے اندر دیکھتا ہے ۔۔۔ عین اشیا کے جو حال میں وہ مطلق اور مقید ہے

اگرچہ مخلوق خالق سے تمیز کی جاتی ہے پس خالق اور مخلوق ایک ہی شئے ہے۔ اور ایک ہی شئے مخلوق و خالق ہے۔ وہی ایک ذات تمام صفاتِ عالم میں جاری اور ساری ہے۔ چنانچہ وجودِ حق تعالےٰ کے مراتب کو **اعیانِ ثابتہ**۔ تنزلاتِ ستہ۔ تعینات ستہ۔ اور اعتبارات ستہ کہتے ہیں۔ اور صاحب **جواہرِ غیبی** فرماتے ہیں۔ ۔ بدانکہ **اعیانِ ثابتہ** آئینۂ وجود حضرت حق تعالیٰ اند و عالم عکس آن وجود است کہ بواسطہ مقابل در آئینہ ظاہر گشتہ۔ و ایں عکس را نیز ظل خوانند۔ چنانچہ ظل بنور ظاہر است و بغیر نور عدم است۔ پس تمام عالم بنورِ حق تعالےٰ ظاہر و روشن است۔ و خاصیتِ آئینہ آنست کہ عکس در و ظاہر شود بمقتضائے [illegible] در آئینہ بزرگ [illegible] و آئینہ کوچک کوچک

ودر آئینہ طولانی طولانی عکس ظاہر میشود۔ پس ایں اختلاف از ہمہ آثار و احکام آئینہ حاصل شدہ۔ و آئینہ اصلاً مرئی نمیشود۔ چنانچہ صورت در آئینہ می بینی و صورتیکہ در آئینہ می نماید آئینہ بآں صورت متصف نمی شود۔ نمی گویند آئینہ آں صورت است یا آں صورت آئینہ است بلکہ آئینہ سبب ظہور آں شدہ۔ ہمچنیں **اعیانِ ثابتہ** کہ صورِ علمیہ حق تعالےٰ اند حکم آئینہ دارند۔ کہ وجودِ حق تعالےٰ باحکامِ ایشاں ظاہر شدہ و بصورتِ ایشاں جلوہ گر شدہ است۔ و آں اعیان متصف بوجود خود نہ شدہ اند و ہمچناں معدوم اند۔ مگر اعیان بوجودِ حق تعالےٰ ظاہر شدہ اند۔

لہٰذا اعیانِ ثابتہ کے چھ مراتب یا چھ تنزلات ہیں۔ **احدیت**۔ **وحدت**۔ **واحدیت**۔ ان ہر سہ اعتبارات کو مراتب داخلی کہتے ہیں۔ **عالمِ ارواح**۔ **عالمِ مثال**۔ اور **عالمِ شہادت** یعنی عالمِ اجسام: ان کو مراتب خارجی کہتے ہیں۔

احدیت۔ وجودِ مطلق اطلاق کی حیثیت میں نہیں معلوم ہو سکتا ہے۔ نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ اس پر کچھ حکم لگایا جا سکتا ہے۔ سوا اس کے کہ وہ موجود ہے۔ اُس کے لئے تنزلات ہیں۔ جن کے باعث وہ معلوم اور مشاہدہ کیا جا سکتا ہو۔ اور اُس کے اعتبار سے تمام اشیاء برابر ہیں کہ اُن کی ترتیب میں کچھ تقدیم و تاخیر نہیں ہو۔ پس وجودِ مطلق کی نسبت آخر موجودات کے ساتھ بھی اسی طرح ہے جیسی کہ اول موجودات کے ساتھ ہے۔ پس وجودِ مطلق پر حدوث کا توہم نہیں ہو سکتا۔ حضرت اطلاق کے لئے جو تعینات ہیں وہ علم اپنی ذات کا ہے مع نسبتوں کے۔ اور اعتبارات الٰہیہ کونیہ ازلیہ ابدیہ کے۔ مجملاً بغیر تفصیل اور تمیز کے۔ کوئی نسبت نسبتوں میں سے اور کوئی حکم احکام میں سے اُن کے احاطہ علم اجمالی سے خارج نہیں ہے۔ پس یہ اوّل پردہ ہے جو اطلاق کے چہرہ پر ڈالا گیا ہے اور اسی واسطے اُس کو تعین اوّل کہتے ہیں۔ پس سب سے پہلا مرتبہ **احدیت** یعنی لاتعین کا ہے جس کو وجودِ مطلق۔ وجودِ محض۔ ذات صرف۔ ذاتِ بیرنگ۔ ذاتِ بحت۔ ذاتِ لااظہور۔ ذات ہویت۔ ذاتِ ہُو ہُو۔ عدم العدم۔ قدم القدم۔ غایت الغایات۔ نہایت النہایات۔ معدوم الاشارہ اور بیچون و بے چگون ... کنز مخفی ... ذات ہی ذات تھی اور کچھ نہ تھا۔

زبے رنگی اسیرِ رنگ باشد — خود از خلوت بروں آمد خدا شد

وحدت۔ اس مرتبہ میں ذاتِ باری نے مقامِ احدیت سے تنزل فرمایا۔ اور لباسِ تعین پہنکر حقیقتِ محمدیہ صلعم کہلائی۔ چنانچہ اس مرتبہ کو علمِ ذاتی۔ علمِ مجمل۔ تجلی اوّل۔ تعین اوّل۔ ظہورِ اوّل غیب الغیوب۔ ابوالارواح۔ اور حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ اس مرتبہ میں ذات نے اپنے آپ کو لفظِ انا سے تعبیر کیا ہے۔ یہ مرتبہ ظہورِ ذات کا پہلا مرتبہ ہے۔ کائنات کی جملہ حقیقتیں اس مرتبہ میں اسی طرح موجود ہیں جیسے تخم میں درخت۔ پھل پھول اور پتے۔

نظم

یکایک فضا میں ہوئی ایک جنبش — ہوا حسنِ مطلق کو شوقِ نمائش
زمانہ میں تھا اک تجلی کا دریا — یمِ نور میں اک تلاطم تھا برپا
یکایک تجلی وہ دُنیا میں چھائی — جو تخلیقِ عالم کا پیغام لائی
پھر اُس نورِ کامل سے اک نور نکلا — سراپا تجلی سے معمور نکلا
جمال و محبت نے جلوے دکھائے — خدائی کے جلوے پرستش میں آئے

غزل

ایکدن تھا حُسن جب خود ہی محبت کوش تھا — عشق تھا لیکن کسی احساس میں روپوش تھا
فیضِ روح القدس ہر سو بکدہ بردوش تھا — آسماں کا ہر ستارہ محوِ نائے و نوش تھا
ناگہاں اعلانِ آئینِ تعین کا ہوا — جس کو دیکھا داغِ تحصیلِ عقل و ہوش تھا
فتنہ سامانی پہ آمادہ تھے جلوے حُسن کے — ہوش جتنا تھا جسے آتنا ہی وہ بیہوش تھا
لحن سے معمور تھا یہ سب نظامِ کن فکاں — عالمِ امکاں کا ہر ذرہ ہمہ تن گوش تھا
دیکھتا تھا کوئی یہ جلوے بصد کیف و سرور — سامنے سارا جہاں آئینہ خاموش تھا

نظم

زندگی مردہ تھی روحِ زندگی افسردہ تھی — خامیٔ تخلیق اپنے آپ سے آزردہ تھی
جلوے افسردہ تھے اپنی نا[illegible] — حُسن تھا [illegible] عشق کی قندیل کو

سازِ فطرت تھا ابھی مضراب سے نا آشنا | نغمہ تھا اک لذتِ جنباں سے نا آشنا
سو رہی تھی کامیابی خواب کے آغوش میں | آرزوئیں دم بخود تھیں حسرتِ خاموش میں
روح نے رنگت صداؤں کے مزے پائے نہ تھے | خامشی نے التجاؤں کے مزے پائے نہ تھے
عالمِ ایجاد تھا کچھ اس طرح یعنے نہ تھا | آفرینش لفظ تھا شرمندۂ معنی نہ تھا

واحدیت۔ شعر۔ سوئے تشبیہ مائل گشت تنزیہ تو ۔ مسمے صورتِ اسما بر آمد۔ پھر ذات مرتبۂ وحدت سے تنزل فرما کر واحدیت کہلائی۔ اس مرتبہ میں ذات کو اپنے تمام اسماء و صفات کا علم ہے۔ **حقیقت آدم**۔ **تعین ثانی**۔ **حقیقت انسانیہ**۔ اور **تجلی صفاتی** بھی اسی مرتبہ کو کہتے ہیں۔ پس ذات نے اس مرتبہ میں اپنے اجمال کی اس طرح تفصیل فرمائی۔

نظم

یکایک تجلی وہ دنیا میں چھائی | جو تخلیق عالم کا پیغام لائی
جمال و محبت نے جلوے دکھائے | خدائی کے جلوے پرستش میں آئے
خدا کا وہ نائب وہ محبوب یزداں | ہوا بزمِ ہستی میں جب جلوہ فرما
مسرت کے دریا میں ہر چیز ڈوبی | زمانہ میں گویا نئی زندگی تھی
کہ انساں نے بارِ امانت اٹھایا | فرشتوں نے سجدہ کیا سر جھکایا

درحقیقت واحدیت اپنے غیر میں یعنی کمالاتِ انفعالیہ میں ظاہر ہوتی ہے اور اسماء و صفات کے ساتھ نامزد ہے۔ اور حقائق اسماء و صفات بھی اس کو کہتے ہیں۔ یعنی جب کمالاتِ فعلیہ ایسی چیز کے یقین میں اعتبار کئے جائیں جو تمام تعیناتِ فعلیہ کو بالاجمال جمع کرنے والی ہو بس یہی **الوہیت** ہے۔ اور اگر تفصیل و فرق میں اعتبار کئے جاویں تو **ربوبیت** کے نام سے تعبیر کئے جاتے ہیں ۔ ع

ناگہاں کرد امر کن فیکون | نقش بستہ جہان بوقلمون
خود بر آید بشکل [illegible] | [illegible] خواست حضرتِ اعیان

ط۔ نہ تنہا اینکہ رانی وارآت   جز یکے نے چگونیست ہیہات

عالمِ ارواح۔ یہ ایک لطیف عالم ہے جو نہ تحت میں ہو نہ فوق میں۔ نہ یمین میں ہے نہ یسار میں۔ نہ آگے ہے نہ پیچھے۔ نہ قریب ہے نہ بعید۔ اور نہ خارجِ عالم ہے نہ داخلِ عالم۔ اس عالم کو **عالمِ بسیط**۔ **عالمِ الطف**۔ **ممتنع الوجود** اور **روح الروح** بھی کہتے ہیں۔ اور افرادِ عالم کے ہر فرد میں اس کی استعداد کے موافق متصرف ہے۔ یہ عالم بحرِ ذخار ناپیداکنار ہے۔ ایکطرف ذاتِ بیچون سے بکیفیت بیچونی متحد ہے دوسری طرف عالمِ اجسام سے متصل ہے۔ روحِ جارِی بھی اسی سے عبارت ہے۔ اور ہر جسم کی صورت اس کی صورت پر پیدا ہوتی ہو۔ **عالمِ مثال** کو عالمِ برزخ اور روحِ جاری بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک جسمِ لطیف قابلِ طَیر و سیر ہے۔ جو نظر تو آتا ہے مگر قابلِ لَمس یعنی چھونے کے قابل نہیں ہو۔ اور اسی کے مطابق عالمِ اجسام کا ظہور ہوتا ہے۔

عالمِ اجسام یعنی عالمِ شہادت یہ عالم انتہائے ظہورِ ذات ہے جو دیکھنے اور چھونے میں آتا ہے۔ جیسے ہمارا تمہارا جسم۔ **مثنوی**۔

بود عالم تمام مِزآتش   کاندرو ظاہر است آثارش

لیک اندر جہان کُہنہ و نو   جستجوئے نمود ہا تک و دَو

ہیچکس را ندید آں قابل   کہ ظہورش بود درو کامل

آخرالامر سوئے آدم دید   بہتر و خوب تر ز عالم دید

متصف با صفات تنزیہی   ہم درو وصفِ نعت تشبیہی

زیں سبب شد خلیفہ اش انساں   دیگرے کس نبود لائقِ آن

اوست آئینہ صاحبِ تعیین   گر بہ بینی تو با حقیقتِ عین

روئے سوئے خصائصِ ربی   وجہہ طرفِ نقائصِ عبدی

سجدہ اش بانقائصِ عبدی   جانبِ آن خصائصِ ربی

بس ہموں ساجداست [illegible] نیست [illegible] او موجود

لیکن یہ چھ مراتب جن کو اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں یہ سب کے سب ہر اعتبار سے عین ذات ہیں۔ ان تعینات میں صرف اعتباری غیریت ہے ورنہ در اصل غیریت نہیں۔ مگر ذاتِ باری باوجود تعینات و تنزلات کے جوں کی توں بیچون و بیچگون ہے۔

تخلیقِ عالم کا صحیح عہد مقرر کرنا بہت مشکل ہے۔ تمام مورخ ایک نقطہ پر متحد نہیں ہیں اختلاف کی کشمکش نے تعینِ وقت دشوار کر دیا ہے۔ بعض کے نزدیک زمین کی عمر چار ارب بتیس کروڑ برس کی ہے اور کہتے ہیں کہ یہ کرۂ زمین کروڑوں برس تک جمی ہوئی زمین کی طرح پڑا رہا۔ اس کے بعد نباتات و حوش طیور پیدا ہوئے۔ بعض کا مقولہ ہے کہ تخلیقِ عالم کو ایک کروڑ چھ لاکھ ستر ہزار برس ہوئے۔ اور بعض کچھ کہتے ہیں بعضے کچھ۔ مگر ہمیں قرآن شریف سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تبارک تعالٰے نے تمام کائنات کو صرف چھ روز میں پیدا کیا ہے۔ جس کا ہر روز آجکل کے ایک ہزار برس کی برابر تھا لہٰذا یہ سب کائنات چھ ہزار برس میں بن بنا کر تیار ہو گئی۔

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے مروی ہے فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور اس نور کو بارہ ہزار برس مقامِ قرب میں رکھا (یعنی عمار میں جس کے تحت بھی خلا تھا اور فوق بھی خلا) وہاں وہ نور مشاہدہ ذات کے باعث عرصہ دراز تک متحیر رہا پھر تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوا تب حق تعالٰے نے اس نور سے ایک گوہر پیدا کیا ؎

محمد دُرِ دریائے حقیقت … محمد گوہرے از کانِ عشق است

اور اس پر توجہ فرمائی تو وہ ہیبتِ الٰہی سے پانی ہو کر بہنے لگا۔ اور ہزار برس تک بہتا رہا۔ بس اسی سے عالمِ آب کا ظہور ہوا۔ بعدہٗ اسی نور سے عرش۔ حاملانِ عرش۔ کرسی۔ لوح۔ قلم۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ بہشت و دوزخ۔ فرشتے۔ نورِ محمدی صلعم اور دونوں کو پیدا کیا۔ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ حق تعالٰے نے سات روز پیدا کئے جن کو یکشنبہ۔ دوشنبہ۔ سہ شنبہ۔ چہار شنبہ۔ پنجشنبہ۔ جمعہ۔ اور شنبہ کہتے ہیں۔ یعنی اتوار۔ پیر۔ منگل۔ بدھ۔ جمعرات۔ جمعہ۔ اور سنیچر یعنی ہفتہ بھی کہتے ہیں۔ اتوار کو حاملانِ عرش بنائے اور کرسی کو قائم کیا۔ پیر کو آسمان کے طبقے پیدا کئے منگل کو زمین کے سات طبقے بنائے

چہار شنبہ یعنی بدھ کو رات نباتی جمعرات کو زمین کی پیداوار کی پیدائش ہوئی۔ جمعہ کو آفتاب ماہتاب پیارے ستارے بنائے۔ اور آسمانوں کو گردش دی۔ ہفتہ کو یعنی سنیچر کو تخلیقِ کائنات سے فراغت پائی۔

اس کے بعد اطراف قائم ہوئے یعنی مشرق۔ مغرب۔ شمال۔ اور جنوب ان کو پورب پچھم اُتر اور دکھن بھی کہتے ہیں اور ان اطراف کو حکم دیا کہ تم پانی پر چاروں طرف موج کرو اور کف نکالو

غزل

ز دریا موجِ گوناگوں بر آمد	ز بیچونی برنگِ چوں بر آمد
چو آں دریائے بیچوں موجزن شد	حباب آسمان بیروں بر آمد
ازیں دریائے بے امواجِ ہر دم	ہزاراں گوہرِ مکنوں بر آمد
چو یار آمد ز خلوت خانہ بیروں	ہموں نقشے دروں بیروں بر آمد

پھر موجِ دریا سے ہوا کا ظہور ہوا۔ ہوا کی تیزی سے جزر و مد شروع ہوا۔ اور جزر و مد سے کف کی پیدائش ہوئی بس کف پیدا ہو کر پانی کی سطح پر تیرنے لگا۔ اس کے بعد آگ پیدا ہو گئی (جیسے آجکل پانی سے بجلی) آگ نے پانی میں ہیجکر شور مچایا جس سے دھواں نکلا اور وہ دھواں پانی اور کرسی کے درمیان ہوا پر معلق ہو رہا۔ بس اس دھوئیں کے سات حصے کئے اور ان سے سات قسم کے سات آسمان بنائے۔ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی بلندی پانچ سو برس کی راہ بتائی جاتی ہے ادھر کفِ دریا کے ڈھیر لگ گئے اور اس کے بڑے بڑے پشتے سطحِ آب پر نظر آنے لگے جو آفتاب کی حرارت سے سرخ اور سخت ہو گئے۔ لہروں کی تحریک نے کف کے پشتوں یا تودوں کو پانی کے ایک خاص مقام پر جمع کر دیا تھا جہاں اس وقت خانہ کعبہ ہے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سب پشتوں کو جمع کر کے پانی کی چوتھائی سطح پر پھیلا کر سات طبقے بناؤ جس کے پھیلتے ہی اس زمین کا ظہور ہوا بس زمین کے سات طبقے بنائے اور ان طبقوں کو پہاڑوں سے دبا دیا تاکہ زمین کو جنبش نہ ہونے پائے۔

دوزخ کے سات طبقے

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمین کے ساتویں طبقے کے نیچے تحت الثریٰ ہے۔ جس میں دلدل ہی دلدل ہے۔ اور تحت الثریٰ کے نیچے دوزخ ہے۔ جس کے سات طبقے ہیں۔ جہنم۔ لظیٰ۔ حطمہ۔ سعیر۔ سقر۔ جحیم۔ اور ہاویہ۔ آسمان کے بھی سات طبقے ہیں ہر طبقے میں بےشمار فرشتے ہیں۔ جن کا شمار اللہ تبارک تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ فرشتے جوہر مجرد اور بسیط ہیں۔ اور اللہ کے بندے ہیں۔ اُن کا جسم لطیف و نوری ہے۔ جیسی شکل چاہیں بنا سکتے ہیں۔ کبھی ہوا بنجاتے ہیں۔ کبھی انسانی جامہ پہن لیتے ہیں۔ کبھی پرند بنجاتے ہیں۔ کبھی چرند۔ کبھی بہت بڑی شکل کے پرند ہو جاتے ہیں۔ کبھی نہایت چھوٹے اور حسین طائر بنکر جہاں میں طیر و سیر کرتے ہیں۔ مگر اُن سب کا اصل مقام آسمان ہے۔ ادائے خدمات کی وجہ سے زمین پر آتے جاتے ہیں۔ بعض فرشتے مقرّب بارگاہ الٰہی ہیں۔ بعض ہمیشہ ہیں جس وقت سے پیدا ہوئے ہیں عالم استغراق میں مستغرق ہیں۔ انھیں یہ بھی خبر نہیں کہ کائنات میں کیا ہو رہا ہے۔ انھیں کو کروبی کہتے ہیں۔ بعض بندوں کے اعمالنامے لکھتے ہیں۔ بعض انسانوں کی حفاظت پر مقرر ہیں۔ اور اُن کو بدی سے بچاتے ہیں۔ نیک کاموں کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہر انسان کے دونوں شانوں پر دو فرشتے مقرر ہیں۔ سیدھے کندھے والا نیکی لکھتا ہے۔ اور بائیں کندھے والا بدی۔ اُن کے نام کرامًا کاتبین ہیں۔ اور جو فرشتے قبر انسان میں داخل ہو کر سوال و جواب کرتے ہیں۔ انھیں منکر نکیر کہتے ہیں۔ وہ فرشتے جو بارگاہ الٰہی میں مقرّب کہلاتے ہیں اُن کے نام **حضرت جبرئیل۔ حضرت میکائیل۔ حضرت اسرافیل۔ اور حضرت عزرائیل** علیہم السلام ہے۔

حضرت جبرئیل تمام انبیا کے پاس وحی و احکام حق لانے پر مقرر ہیں۔ توریت میں ناموس اور انجیل کی زبان میں روح القدس انھیں کو کہتے ہیں۔ **حضرت میکائیل** بندوں کی روزی

رزق پہنچاتے ہیں اور بارانِ رحمت کا اہتمام کرتے ہیں۔ حضرت اسرافیل ؑ قیامت کے دن صور پھونکیں گے جس سے تمام آسمان و زمین کے ٹکڑے ہو جائینگے۔ اور حضرت عزرائیل ؑ مرنے کے وقت جسم سے جان نکالتے ہیں۔ فرشتے گناہ سے پاک ہیں۔ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ کچھ کھاتے پیتے بھی نہیں ہیں۔ اور نہ سوتے ہیں۔ اُن کی غذا تسبیح و تہلیل اور ذکرِ الٰہی ہے ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ اللہ کی عبادت سے نہ گھبراتے ہیں۔ اور نہ تھکتے ہیں۔ کوئی قیام میں۔ کوئی رکوع میں۔ کوئی قاعدے میں۔ اور کوئی سجدے میں ہے۔

تخلیقِ اجنّہ

پھر حق تعالےٰ نے قوم بنی جان یعنی اجنّہ کو آتشِ بے دود سے زمین پر پیدا کیا۔ اور انھیں عبادت کا حکم دیا جس کے عرصہ تک وہ کاربند رہے۔ جنوں کا جسم آتشی ذرات اور ہوائی جزئیات کا خلاصہ ہے۔ جن کو قرآن شریف میں مَارِجٍ مِّنْ نَّارٍ اور کہیں مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ فرمایا ہے۔ اجنّہ کا جسم بھی فرشتوں کی طرح نسیمی ہے۔ جو دیکھنے میں نہیں آتا۔ جنوں میں مرد و عورت بھی ہوتے ہیں۔ اور اُن کا عورات سے صحبت کرنا بھی ثابت ہے۔ وہ تنگ سے تنگ جگہ میں بھی گھس کر نکل جاتے ہیں۔ اور انسانی اجسام میں مسامات کے ذریعہ سرایت کرتے ہیں۔ جیسے وبائی امراض کے جراثیم۔ جنّات عالم ملائکہ اور عالم حیوانات کے درمیان ایک برزخ ہیں۔ جس طرح عقل و طبیعت کے درمیان وہم و خیال یہی وجہ ہے۔ کہ اُن میں دونوں طرف کے حکم پائے جاتے ہیں۔ اور جنوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ جس قسم کا چاہیں قالب اختیار کر لیں۔ اور وہ انسان کے جسم میں مسامات کے ذریعہ اس طرح سرایت کرتے ہیں جیسے طاعون و جذام وغیرہ کے جراثیم مسامات کے ذریعہ سے انسانی جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جناب سرور کائنات صلعم کے زمانہ میں بھی ایک عورت پر ایک جن عاشق ہو گیا تھا۔ جس کو آنحضرت نے دفع کر دیا تھا۔ (تفسیر عزیزی سورۂ جن صفحہ) الغرض جنوں کی غذا زمین کی روئیدگی قسم اربائی اور حیوانات یعنی چرند پرند بھی ان کو عرض

کا اختیار دیا گیا۔ جن عرصہ دراز تک عبادت مقررہ کرتے رہے۔ بعدہٗ گمراہ ہو گئے تو ان کی ہدایت کے لئے انھیں میں سے ایک پیغمبر مقرر فرمایا جس کا نام حضرت یوسف علیہ السلام تھا۔ اور وحی کے ذریعہ احکام الٰہی اُس پر نازل ہوا کئے۔ جنوں میں آتشِ عشق۔ فسق و فجور، فتنہ و فساد، قتل و خونریزی جب حد سے زیادہ تجاوز کر گئے تو حضرت یوسفؑ نے انھیں بجبر روکنے کی کوشش کی تو جنوں نے اپنے پیغمبر کو بھی قتل کر دیا۔ اس پر حضرت اسرافیلؑ کو حکم ہوا کہ مع چند فرشتوں کے زمین پر جاؤ اور ان کی آلائش سے زمین کو پاک کر دو مگر اس طرح کہ بوڑھے اور بچے محفوظ رہیں۔ اور وہ چھوٹے چھوٹے جزیروں میں کر دیئے جائیں۔ تب حضرت اسرافیلؑ نے زمین پر آکر حکم باری کی تعمیل کی۔ اور جنوں کے وجود سے زمین کو پاک کر دیا۔ بوڑھے اور بچوں کو چھوٹے چھوٹے جزیروں میں پہنچا دیا۔ مگر ایک بچہ عزازیل نامی جسکے والدین مع تمام عزیز و اقارب کے اس ہنگامے میں کام آچکے تھے۔ تو حضرت اسرافیلؑ نے اس کی بابت درگاہ باری میں عرض کی کہ اس کی بابت کیا حکم ہے۔ اس کی پرورش کیونکر ہوگی۔ حکم ہوا کہ یہ ملائکہ کی زیر نگرانی پرورش پائے گا۔ پس عزازیل یعنی ابلیس نے فرشتوں میں پرورش پائی اور بڑھکر اس قدر عبادت الٰہی میں مشغول ہوا کہ فرشتوں سے بھی بازی لے گیا اور معلم الملکوت مقرر ہوا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سورہ جن کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس طرح انسانوں میں مذاہب کا اختلاف ہے اسی طرح اجنہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ بعض ان میں سے جبریہ ہیں۔ بعض قدریہ۔ بعضے ہندو ہیں۔ بعضے مسلمان۔ بعض رافضی ہیں۔ بعض خارجی۔ بعضے معتقد ہیں۔ بعضے غیر مقلد۔ بعضے نصرانی ہیں۔ بعضے یہودی۔ اور بعضے آتش پرست بھی ہیں۔ (تفسیر عزیزی سورہ جن صفحہ ۱۱۰)

پھر فرماتے ہیں کہ ہندی بولی میں جنوں کو بھوت (یعنی بھوت) کہتے ہیں۔ جو اجنہ بندگان خدا کی ایذا رسانی پر قصداً مستعد ہیں ان کو ذاتیت یا ذینیت کہتے ہیں۔ فارسی زبان میں شریر اور بروں کو دیو۔ اور اچھوں کو پری کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ عربی میں شریر قسم کے جنوں کو شیطان و خبیث کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور اچھوں کو جن کہتے ہیں۔ حدیث نبوی سے

ثابت ہے کہ اجنہ جو صورتیں اختیار کر لیتے ہیں ان کی شکلوں میں بہت اختلاف ہو۔ بعضوں کے پر ہوتے ہیں جو ہوا میں پرواز کرتے ہیں۔ بعض سانپ اور کتے بلی کی شکل میں پھرتے ہیں بعضے آدمیوں کی صورت ہوتے ہیں اور گھر بار بھی رکھتے ہیں۔ مقام و کوچ بھی کرتے ہیں لیکن اکثر ویرانوں جنگلوں اور پہاڑوں میں ان کے مقامات ہوتے ہیں جو آدمیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ان میں سے اکثر ہمارے علما و فقرا سے علم ظاہر و باطن کی تعلیم پاتے ہیں اور بعض بیعت طریقت بھی اختیار کرتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی صفحہ ۱۰۲)

تخلیق آدم علیہ السلام

تاریخی لحاظ سے یہ ایک بڑے ڈھب اور ٹیڑھا سوال ہو کہ انسان فانی اس دنیا میں کب اور کیونکر پیدا ہوا۔ بعض کا مقولہ ہے کہ آدمی سے پہلے اس دنیا میں انسان کا گروہ اولین موجود تھا مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اپنا دور پورا کر کے کب ختم ہو گیا۔ بعض یورپین اور عربی سیاحوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ انڈومن کے دور افتادہ جزیروں میں۔ افریقہ کے صحرا میں۔ خلیج بنگال میں۔ ہمالیہ کے بعض حصوں میں۔ اور ڈلہاوزی پہاڑ کے اکثر کھنڈروں میں انسان نما حیوان اب تک پائے جاتے ہیں۔ جو انسان سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ اُن کی خوراک جنگلی پھل۔ شہد۔ نباتات کی جڑیں اور چرندوں پرندوں کا گوشت ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہو کہ وہ آدمی سے بہت زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ بعض یورپین مورخ کا بیان ہے۔ کہ بندر ترقی کرتے کرتے انسان ہو گیا۔ اور یہ سب موجودہ انسان میمونی یعنی بندر کی نسل سے ہیں۔ مگر ہمیں اُن کی اس رائے سے بالکل اتفاق نہیں ہو۔ ہمیں تو قرآن پاک یہ بتاتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (ترجمہ) اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد کیا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ کیا تو زمین پر ایسے لوگوں کو پیدا کریگا جو جنوں کی طرح زمین پر خونریزی فتنہ و فساد کریں گے۔ اور ہم تو برابر تیری تسبیح و تعریف کرتے ہیں۔ اور

پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے
خواجۂ عالم صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو روئے زمین کی
مٹی کے ست سے بنایا جس میں ہر قسم کی نرم۔ سخت۔ اچھی۔ بری۔ کالی۔ اور پیلی مٹی شامل تھی۔

آدم علیہ السلام کا خاکی پتلہ کس جگہ بنایا گیا

معتبر روایات حضرت شیث علیہ السلام سے ثابت ہے کہ حضرت آدمؑ کا قالب خاکی مکہ معظمہ
اور طائف کے درمیان کی زمین پر بنایا گیا۔ غرضیکہ حضرت عزرائیلؑ نے ہر طرح کی مٹی اس زمین
پر جمع کر دی اس پر ساقی رحمت نے بارش کی جس سے مٹی کا گارا بن گیا۔ لہذا پانی اور مٹی کے گارے
سے حضرت آدمؑ کا خاکی پتلہ قدرت کے سانچہ میں ڈھل کر اس زمین پر تیار ہو گیا۔ اور وہ خاکی پتلہ
چالیس برس تک اسی زمین پر پڑا رہا۔ حضرت آدم کا قالب خاکی وجود میں آنے سے دو ہزار برس
قبل عالم ارواح وجود میں آچکا تھا یعنی وہ تمام روحیں پیدا ہو چکی تھیں۔ جو قیامت تک ان کی
نسل سے پیدا ہونے والی تھیں۔ اس وقت بھی خواجۂ عالم صلعم کی روح مقدس تمام ارواح
انبیاء کی تربیت میں مصروف تھی۔ یعنی آپ کی روح عالم ارواح میں بھی تمام ارواح انبیاء
کی نبی تھی۔ جب چالیس برس کے بعد ذات باری نے آدمؑ کے قالب خاکی کی طرف توجہ
فرمائی اور ارادہ کیا کہ اس میں جان ڈالی جائے۔ روح کو حکم ہوا کہ اس خاکی پتلہ میں داخل ہو جا۔
تو وہ بہت گھبرائی اور داخل ہونے سے تامل کیا۔ سے سرتابی۔

روزیکہ بروح پاک آدم بہ بدن
شد حکم درآئی در آمد در تن
گفتند فرشتگان بلحنِ احسن
در تن در تن در آ در آمد در تن

پس اسی وجہ سے روح کو خوش لحنی سے علاقہ ہے۔ لہذا اشعار اور نغموں کے ذریعہ ذات مطلق نے
اس میں اپنا دم پھونک دیا۔ اس خاکی پتلہ میں رجہ گن گن بجتا تھا۔ جہاں جہاں روح سرایت
کرتی جاتی تھی وہ گوشت پوست سے بدلتا جاتا تھا جب سینہ تک روح پہنچی تو حضرت آدمؑ نے

اٹھنے کا قصد کیا۔ مگر اٹھتے ہی گر گئے تو ارشاد باری ہوا وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا ترجمہ یعنی انسان بڑا جلد باز ہے۔ اور جب سارے جسم میں روح سرایت کر گئی تو آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور چلنے پھرنے لگے۔ حضرت آدمؑ کا پتلہ خاکی کی ساخت کے ساتھ ساتھ قدرت نے چند کھجور کے درخت پیدا کر دیئے تھے۔ ان میں بالکل گٹھلی نہ تھی اور وہ کھجوریں زیادہ ملائم تھیں۔

حضرت آدمؑ کی پہلی غذا

کیونکہ حضرت آدمؑ کے منہ میں کوئی دانت نہ تھا اس لئے آپ نے جو سب سے پہلے غذا کھائی وہ کھجور تھی جو نہایت ملائم اور بے گٹھلی کی تھی پھر بتدریج آپ کے دانت نکلے۔ مگر یہ صاف پتہ نہیں چلتا کہ آپ اس زمین پر کب تک مقیم رہے۔ توریت سے صرف اس قدر پتہ چلتا ہے۔ "خدا نے آدم کو مٹی اور پانی کے گارے سے اپنی صورت پر بنایا۔ وہ فضل و کرم میں خدا کی مانند ہے۔ آدم و حوا کو زمین پر پیدا کر کے ان کو باغ عدن عطا کیا۔" جب حضرت آدم زمین پر رہنے بسنے لگے تو انہوں نے اپنے گرد و پیش سوا وحوش و طیور کے کچھ نہ پایا اس سبب سے دل بہت گھبراتا تھا۔ ذات باری نے آدمؑ کی اس پریشانی کو محسوس فرما لیا چنانچہ ایک دن ان پر گہری نیند طاری کر دی اور حق تعالے نے ایک فرشتہ کو حکم دیا۔ کہ آدمؑ کے بائیں پہلو میں شگاف دو۔ بس شگاف ہوتے ہی آپ کے پہلو سے حضرت حوّا برآمد ہوئیں۔ اور قدرت الٰہی سے آناً فاناً جوان ہو گئیں۔ جب آدم چونکے یعنی نیند سے بیدار ہوئے۔ تو انہوں نے اپنے پہلو میں ایک حور وش خاتون کو پایا۔ تو اس سے دریافت کیا۔ کہ تو کون ہے؟ حوا نے کچھ جواب نہ دیا۔ تب آدمؑ نے عرض کی کہ بار الٰہا! یہ کون ہے۔ ندا آئی۔ کہ تیرے جسم کا ٹکڑا میری بندی۔ اور تیرا جوڑا ہے۔ یہ سنکر آدمؑ سجدہ شکر بجا لائے۔ اسی دن حاملان عرش نے آدم و حوا کا نکاح پڑھا۔ جب مہر دریافت کیا تو ارشاد ہوا کہ ہمارے حبیب حضرت محمد صلعم پر دس بار درود پڑھو تو مہر ادا ہو جائیگا پس انہوں نے جبرئیل امین کی حسب خواہش درود شریف پڑھا۔

چونکہ تخلیق آدم سے پیشتر فرشتوں نے فساد اور خونریزی کا حضرت آدم پر الزام لگایا تھا اور اپنے علم اپنی تسبیح و تہلیل پر فخر کیا تھا اس لئے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔ اور اللہ تعالےٰ نے آدم کو کل اسماء و صفات کا علم عطا فرما دیا۔ كُلَّهَا کا لفظ کچھ اس قدر وسیع ہے جس کی سمائی کونین میں نہیں۔ غرض جب تمام اسماء اور کل ذات و صفات کا حضرت آدم کو علم دیدیا گیا تو پھر اور کیا باقی رہ گیا۔ پھر آدم کے سامنے ان تمام فرشتوں کو طلب کیا جنھوں نے اعتراض کیا تھا۔ اور ان سے ان چیزوں کے اسماء و خواص اور حقیقت الخالق دریافت کی اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو ان کے نام مع صفات و حقیقت کے بتاؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ بار الٰہا! ہم قطعی لاعلم ہیں کچھ بھی نہیں بتا سکتے ہم کو تو صرف اسی قدر علم ہے۔ جتنا تو نے بتا دیا ہے۔ تو بیشک پاک ہے بڑے علم والا۔ اور بڑی حکمت والا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ اے آدم! تم تو ان سب کے اسماء و صفات مع خواص و حقیقت کے بتاؤ۔ پس انھوں نے فرفر بیان کر دیئے تو اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ "میں تم سے کہتا تھا کہ میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ چیزیں جانتا ہوں جو تم ظاہر کر دیتے یا اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہو" وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ ترجمہ (یعنی جب ہم نے فرشتوں (اور جنوں) کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے اس نے تکبر کی وجہ سے حکم عدولی کی اور کافروں میں سے ہو گیا (یہ واقعہ حوا کی پیدائش سے پہلے کا ہے) جس روز حضرت حوا عالم وجود میں آئیں اور ان دونوں کا حاملانِ عرش کے سامنے نکاح بھی بندھ چکا تو اسی روز ایک فرشتہ آدم و حوا کے پاس زمین پر آیا اور جنت سے دو حلے لایا جو ان دونوں کو پہنا کر جنت الفردوس میں لے گیا اور وہاں خلیفۃ اللہ کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ خلیفہ کا تخت پر بیٹھنا تھا کہ نیابت کے تمام فرمان جاری ہو گئے ۔ شعر

اگر بر صورت او نیست آدم ۔ خلافت را چگونہ تاب آدم

اور حضرت آدمؑ سے ارشاد باری ہوا وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۵ (ترجمہ) اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! اب تم اور تمہاری بیوی جنت ہی میں سکونت اختیار کرلو اور ہر شئے کھاؤ پیو، جس جگہ چاہو تفریح کرو کیونکہ تمام جنتوں کے تم مالک اور ہمارے خلیفہ ہو اور اس درخت (گندم) کے ہرگز نزدیک نہ جانا (جو بیچوں بیچ جنت میں ہے) ورنہ تم بھی ظالموں میں شمار کیے جاؤ گے۔

آٹھوں جنتوں کے نام

جنتیں آٹھ ہیں۔ جنت الفردوس۔ جنت العدن۔ جنت الخلد۔ جنت نعیم۔ جنت الماویٰ۔ دار السلام۔ دار القرار۔ دار المقامہ۔ **جنت کا بیان صرف قرآنی الفاظ میں۔** اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ”جو شخص اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے، اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ وہ دونوں گنجان درختوں والی ہیں (یعنی جن کے ہر درخت میں بہت سی سرسبز شاخیں ہیں) جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اُن دونوں جنتوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ (وہ لوگ جن کو جنتیں عطا کی جائیں گی) وہ استبرق و کمخواب (یعنی نہایت خوبصورت ریشمی کپڑوں) کے فرش پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اور میوہ جات جن کی اُن کو خواہش ہوگی خود بخود اُن کے نزدیک یعنی منہ کے قریب ہوجائیں گے۔ اور محلوں میں نیچی نظر رکھنے والی حوریں ہوں گی۔ جن کے قریب تک (اُن جنتیوں سے پہلے) کوئی جن و بشر نہ گیا ہوگا۔ اور وہ محل یاقوت و مرجان کے ہوں گے۔ اور سوا اُن کے اور جنتیں ہیں جو نہایت سرسبز و شاداب ہیں (یعنی جن کی سبزیاں بےمثل ہیں) جن میں آبشاروں اور چشموں کے مناظر اُن میں اور چار چاند لگائے ہوئے ہیں۔ اُن میں قسم قسم کے میوے کھجوریں اور انار ہیں۔ اُن میں بھی خوبصورت خوب سیرت حوریں ہیں۔ جو خیموں میں بٹھائی گئی ہیں جن کو کسی جن وانس نے ہاتھ نہیں لگایا ہوگا قبل جنتیوں کے۔ اور وہ لوگ سبز مشجر یعنی بےنظیر قالینوں پر تکیہ لگائے بیٹھیں گے۔“ بس قرآن شریف کے مضامین ختم ہوئے۔ لہٰذا جو متقی و پرہیزگار ہوگا اللہ پاک اُسے جنت عطا کرے گا جس میں عجیب و غریب مکانات ہیں۔

مسدس جنت

مہر کی طرح سے ہر خانۂ ذیشاں پُر نور — رُخ ہر اک حور کا مثلِ مہِ تاباں پُر نور
صورتِ انجمِ فلک ہر گُلِ خنداں پُر نور — سرو ہر اک صفتِ سروِ چراغاں پُر نور
شب ہوئی روز سے خالق کی عجب قدرت ہے
ماہ کی اور نہ خورشید کی واں حاجت ہے

گُلِ شبّو کی سحر کو وہ بہار ایک طرف — جلوہ گر ایک طرف برگ تو بار ایک طرف
روشوں پر وہ صنوبر کی قطار ایک طرف — ڈالیاں پہنے ہوئے پھولوں کے ہار ایک طرف
خرم و تازہ و تر صحن بھی گلزار بھی ہے
تر زباں ذکرِ الٰہی میں ہر اک خار بھی ہے

شمع پروانے کا وہ سوز و گداز اک طرف — بلبل و گل میں نئے راز و نیاز ایک طرف
طوطیِ تیز زباں نغمہ طراز ایک طرف — چمنستان کے حسینوں کا وہ ناز ایک طرف
نور ہنگامِ طرب دیکھ کے خورسند کوئی
کوئی خنداں رہے ہر اک دم تو شکر خند کوئی

واں کے ہر پھول کی خوشبو میں ادنیٰ یہ اثر — کھنچی موت فراموش ہو سونگھے جو بشر
دل شگفتہ ہو جو دیکھے طرفِ غنچۂ تر — گُلِ لالہ کے قریں جا کے مٹیں داغِ جگر
دیکھے بیمار جو نرگس کو تو صحت ہو جائے
کور آنکھوں سے لگائے تو بصارت ہو جائے

جھومے جنت کے درختوں کا نرالا جوبن — ہر طرف رقص کناں پھرتے ہیں طاؤسِ چمن
جب چٹکنے میں ہنسے غنچۂ نسرین و سمن — جاگ اٹھا سبزۂ خوابیدہ میانِ گلشن
پھول کو جانتی ہے آنکھ کا تارا نرگس

کر رہی ہے چمنستاں کا نظارا نرگس

مدح فردوس بریں کس کی زباں سے ہو ادا
جس کی خود کرتا ہے قرآن میں تعریف خدا

واں کے آرام کا ہر اک کو تصور جو رہا
عمر بھر تارکِ دنیا رہے سارے فقرا

دُکھ نہیں، درد نہیں، گردشِ ایام نہیں
عیش و راحت کے سوا رنج کا واں نام نہیں

پیری و خستگی و ضعف و نقاہت معدوم
رشک و کینہ و حسد و بغض و عداوت معدوم

اس طرح آفت و تکلیف و مصیبت معدوم
جیسے دنیا میں بشر کیلئے راحت معدوم

مختصر عرض کروں طول کا ہنگام نہیں
مرگ و آزار و غم و درد کا واں نام نہیں

پھل جو اس باغ میں ہیں انکی بھلا کیا تعریف
انتہا یہ ہے کہ خود کرتا ہے خالق توصیف

وہ فرح کہ جو اک دم میں ہو سو گنے جو ضعیف
پاک و خوش ظاہر و خوش باطن و بے مغز و لطیف

اُن کے نزدیک جو مشتاق چلے جاتے ہیں
نظرِ شوق کی گرمی سے ڈھلے جاتے ہیں

پھل میں جو ہوتے مگر بڑھ کے ہو خوشبو انہیں
بند ہوں دیکھ کے لب، ہو وہ حلاوت انہیں

آبِ کوثر کے حبابوں کی لطافت انہیں
ہے گراں رنگ بھی ایسی ہو نزاکت انہیں

ذائقہ وہ ہے جو بہتر ہے کہیں بہتر سے
جلد وہ صاف کہ سب تخم عیاں باہر سے

جانور واں کے وہ خوش وضع خوش انداز حسیں
آنکھیں ہر ایک کی یاقوت و زمرد کے نگیں

گل نگر پر ہیں کسی کی تو بساند پر دیں
صورتیں بہتر و خوشتر تو صدائیں رنگیں

نغمے بھی ہیں ترانے بھی ہیں آہنگ بھی ہیں
ہیں اگر مختلف اللون تو یکرنگ بھی ہیں

غول سوا اُڑ کے کوئی جانبِ در جا بیٹھا — سب سے اونچا کوئی بالائے شجر جا بیٹھا
کوئی آیا اِدھر اور کوئی اُدھر جا بیٹھا — خوف میں کوئی قریبِ گلِ تر جا بیٹھا

سب نے اُڑ کر کبھی چکر کیا گلزاروں پر
پر چھا آئے کبھی خلد کی دیواروں پر

اُنکی خوش خلقیاں دلکش تو ادائیں پیاری — ہیئتیں وہ کہ عیاں شانِ جنابِ باری
سرخ کوئی کوئی زرد، اور کوئی زنگاری — تن پہ بعضوں کے عجب حسن کی میناکاری

عاشق اصحاب کے شیدا شہِ لولاک کے ہیں
نام سینوں پہ رقم پنجتنِ پاک کے ہیں

وہ اُڑتا جائے اگر اوجِ ہوا پر طائر — اور مشتاق کوئی رغبت سے اُدھر ہو ناظر
ہو کے بریاں اُسی دم سنکے قرینِ خاطر — اُسکی لذت کا بیاں کیا کہ زباں ہو قاصر

سیر ہو کر جو ذرا آنکھ اُدھر سے مڑ جائے
کہئے یا قادر و قیوم وہ طائر اُڑ جائے

جا بجا نیلم و یاقوت و زبرجد کے محل — ہیں بلند ایسے کہ ہوں پست مقابل میں جبل
جلوۂ نور سے روشن ہو ہر اک دل کا کنول — حسن میں اُن سے وہ اعلیٰ تو یہ اُس سے افضل

کس قرینے سے ہیں اشیائے ضروری اُن میں
فرش سندس کا ہے اور تخت بلوری اُن میں

اُن مکانوں کی ثنا کیا ہو جو ایسے ہوں حسیں — جنمیں ہو مشک تو عنبرِ خالص کی زمیں
نقرئی ہیں کہیں دیواریں طلائی ہیں کہیں — نصب کس حسن سے ہیں اُنمیں جواہر کے نگیں

لطف ہر چیز کا واں خارجِ اندازہ ہے
ایک موتی کا کسی قصر کا دروازہ ہے

حوریں وہ غرفوں میں بیٹھی ہوئی با قامتِ سرو — عطر کی تن میں مہک پہنے ہوئے خلعتِ نو

چاند سے عارض تو ہر اک عضو بدن رشکِ بلور — خیرگی چشم کو ہو حسن کا اس درجہ وفور

ماسوا حسن کے خوش باطن و بے کینہ ہیں

موئے تن پیشِ نظر جوہرِ آئینہ ہیں

نازو انداز تو کہیے وہ کرشمے وہ جمال — نشۂ وجامِ مئے حسن کا مستانہ وہ چال

سرنگوں جن سے مہ نو بھی ہوا ابرو ہلال — حسرتیں قتل ہوں لاکھوں کی وہ آنکھیں قتال

گم ہے جاں اپنی اگر دیکھے کوئی پائے انہیں

مرگ جا ہے تو بشر خواب میں دیکھ آئے انہیں

جب شیطان نے آدم کو سجدہ نہ کیا تو حق تعالےٰ نے اُس سے دریافت کیا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ اور میری حکم عدولی کیوں کی؟ جواب دیا کہ بھلا میں اور آدم کو سجدہ کرتا جس کو تو نے سڑی ہوئی مٹی کے گارے سے بنایا ہے۔ اور میں جوہر لطیف یعنی آگ سے بنا ہوں۔ پھر بھلا میں کیونکر سجدہ کرتا۔ تو ارشاد ہوا کہ اے مردود تو یہاں سے یعنی آسمان سے نکل جا۔ تجھ پر قیامت تک میری لعنت رہے گی۔ یہ سُنکر اُس نے دعا کی کہ بارالٰہا! مجھے قیامت تک موت نہ آئے اور آدمؑ اور بنی آدم کے بہکانے کی بھی طاقت عطا فرما۔ حکم ہوا کہ اچھا تیری یہ دعا بھی قبول کی گئی۔ تو اس نے حق تعالےٰ کے عزت وجلال کی قسم کھا کر کہا کہ جب تک میری جان میں جان ہے آدمؑ اور بنی آدم سے بُرے کام کرانے میں کوتاہی نہ کروں گا۔ اس پر حق تعالےٰ نے بھی اپنے عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا۔ کہ جب تک تیرے بہکائے ہوئے گنا ہگار مجھ سے توبہ کئے جائینگے میں بھی انھیں بخشتا ہی جاؤں گا۔ اور جو تیری پیروی کرینگے اُن سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ بس یہ سُنکر شیطان آدمؑ اور اولاد آدم کا دشمن ہوگیا۔ اور حضرت آدم کو بہکانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ ادھر حضرت آدمؑ و حوا جنت کے مناظر سے باغ باغ تھے اور بہت اچھی طرح سے اپنی زندگیاں بسر کرتے تھے۔ کہ معلم الملکوت کی ایک تدبیر کارآمد ہوئی اور وہ سانپ بنکر مور کے ذریعہ جنت میں جا پہنچا۔ اور حضرت حوا و آدم کو دھوکے سے گیہوں کھلا ہی دیا۔ بس گیہوں کے دانے

کھاتے ہی حلہائے جنت اُن کے جسموں سے اُتر پڑے۔ اور دونوں برہنہ ہو گئے۔ وہ بہشتی لباس اس قدر لطیف تھا جس کی نشانی ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخنوں پر اس وقت تک باقی ہے۔ غرض آدمؑ و حوا برہنہ ہو گئے۔ یعنی دونوں کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں۔ اس شرمندگی سے وہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے تو ارشادِ ربّی ہوا کہ اے آدمؑ! کیا مجھ سے دور بھاگتے ہو۔ عرض کی۔ بار الہا! تجھ سے مجال گریز کہاں ہے۔ اپنی غلطی پر نادم ہوں۔ اور برہنگی سے شرماتا ہوں پس انھوں نے انجیر کے پتّوں سے اپنے جسم چھپائے پھر حق تعالےٰ نے ارشاد کیا۔ کیا میں نے تم کو منع نہ کیا تھا؟ کہ اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ اور کیا یہ نہ کہہ دیا تھا؟ کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ تب وہ گڑگڑا کر عرض کرنے لگے۔ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تو رحم فرما کر نہ بخشے گا تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو۔ ارشاد ہوا کہ تم زمین پر جاؤ ایک مدت تک زمین پر تمہاری جگہ ہے۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اور ارشاد ہوا کہ تم میں سے بعض بعض کے دشمن رہیں گے۔ یہ بھی فرمایا کہ تم زمین ہی پر زندگی بسر کرو گے اور وہیں جیو مرو گے۔ قیامت کے دن زمین سے نکالے جاؤ گے۔ پھر حکم ہوا۔ اچھا اب تم جنت سے باہر جاؤ۔ چونکہ گیہوں میں غذائیت تھی۔ اور غذائیت سے خوائج ضروریہ کا صادر ہونا لازم تھا۔ اسی بنا پر بعض درویش دنیا کو حضرت آدمؑ کا بیت الخلا کہتے ہیں۔ یہ کہکر حضرت آدمؑ۔ حضرت حوّا۔ اور ابلیس کو جنت سے خارج کر کے زمین پر بھیجدیا۔ جنّت سے نکلتے وقت آدمؑ و حوّا ساتھ ساتھ تھے۔ جب زمین پر بھی دونوں ساتھ آئے تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اے آدمؑ! خدا کا حکم ہے کہ اب تم دونوں ساتھ نہ رہ سکو گے۔ بس یہ کہتے ہی دونوں دفعتاً جدا کر دیئے گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام آن واحد میں سراندیپ پہنچا دیئے گئے اور حوّا سمندر کے اس کنارہ پر جسکو جدّہ کہتے ہیں۔ حضرت آدمؑ کے گیہوں کھانے میں جو مصلحتیں مخفی تھیں انھیں حق تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ مگر میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ جنت دارالسلام تھا اس میں دارالسلام کی لذتیں معدوم تھیں کیونکہ وہاں تو سے

دُکھ نہیں۔ درد نہیں۔ لذتِ آلام نہیں ۔۔۔ عیش و راحت کے سوا رنج کا وہاں نام نہیں

بس اُن کے جنت میں رہنے سے اُن کی تخلیق کی علّت غائی مفقود ہوئی تھی۔ یعنی عشق و درد عشق۔ سوز و سازِ عشق۔ سازِ عجز و نیاز عشق۔ بیقراری عشق۔ جانگدازی عشق۔ دلخراشی عشق۔ الغرض جدا ہوتے ہی دونوں طرف آتشِ عشق بھڑک اٹھی۔ دونوں بیقرار ہو گئے۔ لہٰذا حضرت آدم اپنی خطا پر اور حوّا کے عشق میں اتنا روئے کہ اُن کی آنکھوں سے چشمے جاری ہو گئے جن سے جانور پانی پیکر سیراب ہوتے تھے۔ اُن دونوں میں پورے تین سو برس تک علیحدگی رہی۔ ایک روز آدم نے نہایت بے چین ہو کر آنحضرت صلعم کا واسطہ دیکر جناب باری کی بارگاہ میں سر بسجود ہو کر دعا مانگی کہ الٰہی محمد الرسول اللہ صلعم کے طفیل میں تو میری توبہ قبول فرمالے اور میری خطا و نسیان کو معاف کر دے۔ بس جناب باری نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ ہم نے آدم کی توبہ قبول فرمائی اور اُن کی بریت کا یہ قطعی فیصلہ سُنا دیا۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا۔ (ترجمہ) ہم نے اِس سے پیشتر آدم سے ایک عہد لیا تھا وہ اُسے بھول گیا۔ اُس میں اُس کا قصد شامل نہ تھا جو اُس کا قصور مانا جائے۔"

عرفہ و عرفات

بس اے جبرئیل! تم آدم کو بشارت دو کہ تمھاری توبہ قبول ہوئی۔ اور جس طرح وہ دونوں ناگہاں جُدا کئے گئے تھے اُسی طرح فوراً ان دونوں کو ملا دو۔ چنانچہ حضرت جبرئیل کو نویں ذی الحجہ کو علی الصباح یہ حکم ملا تھا۔ لہٰذا اُنھوں نے ان دونوں کو اس پہاڑ پر جس کو اب **جبل عرفات** کہتے ہیں لاکر ملا دیا۔ مگر تین سو برس کی مفارقت کی تکالیف کی وجہ اور گیہوں کھانے کی غلطی کے باعث آدمؑ و حوّا کی صورتیں اس قدر بدل گئی تھیں کہ نہ آدمؑ نے حوّا کو پہچانا۔ اور نہ حوّا نے آدمؑ کو۔ تو جبرئیل نے دونوں کا باہم تعارف کرایا۔ تعارف ہوتے ہی وہ دونوں لپٹ کر بیہوش ہو گئے۔ چنانچہ تین سو برس کی جدائی کے بعد پھر جس تاریخ آدمؑ نے حوّا کو۔ اور حوّا نے آدمؑ کو پہچانا نہ ۹ ذالحجہ تھی۔ پس اسی وجہ سے ۹ ذالحجہ کو **عرفہ** کہتے ہیں۔ اور جس پہاڑی پر پہچان

ہوئی تھی اس کو جبلِ عرفات کہتے ہیں۔

حجرِ اسود کی اصلیت

جب آدمؑ و حواؑ ہوش میں آئے تو اس وقت وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ ہ (ترجمہ۔ اور جب پروردگار نے آدم کی پشت سے اولاد نکالی۔ اور اُن سے اُن کی اولاد کو نکالا۔ (یعنی جو روحیں اُن کی صلب سے قیامت تک پیدا ہونے والی تھیں) اور انھیں کو ان کے اقرار پر گواہ کیا۔ پھر اُن سے حق تعالےٰ نے کہا۔ "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں"؟ تو سب نے بالاتفاق کہا۔ بیشک تو ہمارا رب ہے۔ "بلیٰ" کا اقرار متفق علیہ تمام ارواح نے ہمزبان ہو کر لیا۔ لیکن سلطان المشائخ حضرت محمد بن احمد بن علی بخاری بدایونی رحمتہ اللہ علیہ یعنی خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ راحت القلوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب شمس دبیرؒ نے حضرت بابا گنج شکر فریدؒ سے دریافت کیا کہ جب سب روحوں نے "بلیٰ" کا اقرار کیا تھا تو پھر یہ مومن و کافر کیسے نظر آتے ہیں؟ حضور شیخ الاسلامؒ نے جواب دیا کہ ہاں "بلیٰ" کا اقرار تمام روحوں نے متفقہ کیا تھا۔ مگر جس وقت أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی صدا بلند ہوئی تو تمام روحوں کے چار حصے ہو گئے تھے۔ ایک حصے نے دل اور زبان دونوں سے اقرار کیا تھا اور متواتر دو سجدے کئے تھے۔ وہ گروہ انبیا۔ اولیاء صدیقوں اور پارسا لوگوں کی ارواح کا تھا۔ دوسرے حصے نے دل اور زبان دونوں سے اقرار کیا اور سجدہ کیا۔ وہ حصہ مسلمانوں کی ارواح کا تھا۔ لیکن جنھوں نے "بلیٰ" کہا اور دل سے کہا مگر زبان سے نہ کہا۔ اور سجدہ کیا۔ چونکہ دل سے انھوں نے یقین کر لیا تھا۔ وہ ارواح ان لوگوں کی ہیں۔ جو اوّل کافر وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تیسرے حصے نے زبان سے تو کہا لیکن دل سے نہ کہا اور سجدہ بھی کیا پھر دل سے کراہت کی کہ کیوں سجدہ کیا۔ وہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جو شروع میں تو مسلمان ہوتے ہیں اور آخر میں کافر ہو

مرتے ہیں۔ چوتھے حصے نے صرف زبان سے "بلیٰ" کہا، نہ کہ دل سے۔ اور نہ سجدہ کیا۔ یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جو اوّل و آخر کافر ہی رہتے ہیں۔

میثاق

بس جب تمام ارواح نے متفقہ "بلیٰ" کا اقرار کیا تو اللہ تبارک تعالےٰ نے فرمایا۔ فَاِنِّیْ اُشْهِدُ عَلَیْکُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وَاُشْهِدُ عَلَیْکُمْ اَبَاکُمْ اٰدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِهٰذَا۔ اِعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ غَیْرِیْ وَلَا رَبَّ غَیْرِیْ وَلَا اِلٰهَنَا وَلَا تُشْرِکُوْا بِیْ شَیْئًا اِنِّیْ اُرْسِلُ اِلَیْکُمْ رُسُلِیْ یُذَکِّرُوْنَکُمْ عَهْدِیْ وَمِیْثَاقِیْ وَاُنْزِلُ عَلَیْکُمْ کُتُبِیْ ۝ (ترجمہ) میں تمہارے اس اقرار (بلیٰ) پر ساتوں آسمانوں ساتوں زمینوں اور تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ قیامت کے روز تم یہ نہ کہنے لگو۔ کہ ہمیں اس عہد و پیمان کی بالکل خبر نہ تھی۔ یاد رکھو کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور نہ بجز میرے کوئی پروردگار ہے کسی چیز کو میرا شریک نہ بنانا۔ میں تمہاری طرف پیغمبر بھی بھیجتا رہوں گا۔ جو تم کو اس عہد کی یاد دہانی کراتے رہیں گے۔ اور ان پر میں کتابیں بھی نازل کروں گا۔" یہ سنتے ہی بنی آدم کی کل ارواح میں جوابی شور بلند ہوا جس سے سارا میدانِ عرفات گونج گیا وہ یہ اقرار تھا شَهِدْنَا بِاَنَّکَ رَبُّنَا وَاِلٰهُنَا لَا رَبَّ لَنَا غَیْرُکَ وَلَا اِلٰهَ لَنَا غَیْرُکَ (ترجمہ) ہم خود گواہ ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے اور ہمارا برحق معبود ہے۔ تیرے سوا ہم کسی کو اپنا معبود اور پروردگار نہ جانیں گے۔" بس کل ارواح بنی آدم اور اللہ تعالےٰ کے درمیان ان زوردار الفاظ میں یہ عہد و پیمان ہوئے۔ مندرجہ بالا ارشاداتِ ربّی اور ذریاتِ آدم کی تمام روحوں کے روحانی عہد و پیمان ایک سفید پتھر پر منقوش ہوئے۔ اس کے بعد اس اقرار نامہ پر تمام ارواحِ بنی آدم کے روحانی دستخط ہوئے پھر تمام ارضی و سماوی مخلوقات کی گواہیاں ثبت ہونے کے بعد آدم و حوّا کی بھی اس پر مہریں ہوئیں۔ چونکہ آدم و حوّا، عالمِ وجود میں آ چکے تھے لہٰذا انہوں نے اپنا انگوٹھا اس

پتھر پر لگا دیئے جیسے آجکل نشان انگوٹھا یعنی تھمب امپریشن لگائے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ سب کی سب روحیں آدم کی پشت میں داخل کر دی گئیں۔ اور وہ پتھر آدم کے حوالہ کر دیا گیا۔ زمانہ قدیم کے عہد نامے، اقرار نامے، اور کتبے۔ فرمان شاہی پتھروں پر۔ تانبے پیتل کے موٹے موٹے پتھروں پر اور لوہے کی چادروں پر۔ اس وقت تک موجود ہیں۔ اگر آہنی اور سنگی عہد نامے کسی صاحب کی نظر سے نہ گذرے ہوں تو اس وقت دہلی جا کر قطب مینار کے ...... نزدیک ایک لوہے کا ستون ہے جسے عام طور پر کیلی کہتے ہیں۔ (جو زمانہ قدیم کے کسی راجہ کی صناعی بیان کی جاتی ہے)۔ اُسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور اس کے نقوش بھی نظر آسکتے ہیں۔ جو کسی خاص زبان میں تحریر ہیں۔ اگرچہ حجر اسود کے مقابل میں یہ ایک ناقص مثال ہے۔ اور اس مثال کو ناقص ہی ہونا چاہیئے کیونکہ کہاں خالق کونین کی کارسازی اور کہاں مخلوق کی دستکاری۔ مگر سنگ اسود کی روحانی تحریر کے سمجھنے کے کام میں لانے کے لئے صرف ایک مثال ضرور ہے۔ پس خانہ کعبہ میں کسی پتھر کی پرستش نہیں ہوتی بلکہ روحانی اقرار نامے کی سنگ اسود کو بوسہ دیکر تصدیق کی جاتی ہے۔ بعض مورخ کا مقولہ ہے۔ کہ سنگ اسود بیت اللہ میں نصب ہونے کے بعد بھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس تک حجر ابیض کہلایا گیا۔ اور وہ نہایت دھیمی رفتار سے رفتہ رفتہ مائل بسیاہی ہوتا گیا۔ چنانچہ اب وہ بالکل سیاہ تاب ہے۔ اس میں برائے نام سفیدی باقی ہے۔ ایک یورپین مورخ کا قول ہے کہ سنگِ اسود بھی انھیں پتھروں میں سے ہے جو رنگ بدلتے ہیں۔ یعنی فیروزہ۔ دانہ فرنگ۔ تامڑہ۔ لہسنیہ۔ وغیرہ۔

ان پتھروں کے رنگ بدلنے کا ہر وہ شخص جس نے اُن کو انگشتری میں رکھوا کر پہنا ہے بخوبی واقف ہے۔ پس سنگِ اسود کی تبدیلی رنگ کے لئے یہ ایک کافی ثبوت ہے۔

حقیقت الحج

جب ۹۔ ذالحجہ کو آدمؑ و حوا جبرئیلؑ کے ساتھ ساتھ منٰی ہوتے ہوئے ایک خاص مقام پر پہنچے۔ (کیونکہ اس وقت تک ان دونوں کی شرم گاہیں صرف درختوں کے پتّوں سے ڈھکی ہوئی تھیں)، وہاں پہنچکر جبرئیلؑ نے ایک درخت کے موٹے تنے سے چھال نکالی جو ایک مٹیلے رنگ کے کپڑے کے مانند تھی جس کی شال میں اس وقت بہو وجہ تر موجود ہے۔ جناب شیث علیہ السلام بیان فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو اُن کا عرض طول بیان فرمایا ہے وہ اس زمانہ کے اعتبار سے ہر ایک ٹکڑہ دو گز چوڑا اور ۴ گز لانبا تھا۔ چنانچہ وہ دونوں چھالیٹن یعنی چھال کے کپڑے حضرت آدمؑ اور حوّا کو دیئے گئے۔ اول دونوں نے اپنے اپنے جسم پر نصف نصف باندہی اور نصف اوڑھنے کے بعد پتے اتار کر پھینکدیئے۔ اُن کے باندھنے کی ایسی صورت تھی جیسے آجکل احرام باندھتے ہیں۔ لہذا آدمؑ و حوا سر و پا برہنہ حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ اُس مقام پر پہنچے جہاں اس وقت کعبۃ اللہ موجود ہے۔

تعمیر کعبہ

بس جبرئیلؑ نے وہاں پہنچکر کہا کہ اے آدمؑ یہاں پر بیت اللہ بناؤ۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ مگر اکیلے آدمؑ کے لئے ایک مکان تعمیر کرنا نہایت دشوار تھا۔ اس لئے ملائکہ کو حکم ربّی ہوا کہ تم آدمؑ کے ساتھ جاکر زمین پر میرا گھر بناؤ لیکن اس مکان کی تعمیر میں اس قدر عجلت ہو کہ آناً فاناً تیار ہو جائے۔ بس حضرت آدم اور فرشتوں نے مل کر فوراً بیت اللہ تیار کر لیا۔ اور اس میں حضرت آدمؑ نے اپنے ہاتھ سے سنگ اسود نصب کر دیا یعنی وہ سفید پتھر جس پر کل اولاد بنی آدمؑ کا عہد میثاق منقوش تھا۔ تین سو برس کی متواتر پریشانیوں اور مفارقت کی بےچینیوں کے

باعث چہروں کی رنگتیں بالکل متغیر ہو گئی تھیں۔ حتیٰ کہ عرفات پر ایک دوسرے کو نہ پہچان سکے تھے۔ جب بیت اللہ شریف بنکر تیار ہو گیا تو جبرئیل نے ان دونوں کو مناسک حج تعلیم کئے۔ آدمؑ نے سب سے پہلے سجدہ ہائے شکر ادا کئے۔ اس کے بعد بیت اللہ شریف کے سات طواف کئے پہلے ہی طواف میں ان دونوں کی رنگتوں میں تبدیلی ہونی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ ساتویں طواف کے بعد ان کے ویسے ہی خوبصورت چہرے ہو گئے جیسے کہ جنت میں تھے۔ بس سب سے پہلے حج کی حقیقت ہی اور تعمیر کعبہ کی یہ اصلیت ہے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل نے آدمؑ و حواؑ کو رخصت دی۔ اور وہ دونوں کوہ ابوقبیس کی طرف روانہ ہوئے جہاں ایک کھوہ میں انہوں نے رہائش اختیار کی۔ حضرت حواؑ بیس دفعہ حاملہ ہوئیں۔ اور ان کے بطن سے کل انتالیس اولادیں پیدا ہوئیں۔ یعنی بیس لڑکے اور انیس لڑکیاں۔ ترتیب ولادت یہ تھی کہ ہر دفعہ دو بچے ساتھ پیدا ہوتے تھے ان میں سے ایک لڑکا ہوتا تھا اور ایک لڑکی۔ معتبر روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت آدمؑ و حواؑ اپنے اہل و عیال کے سالانہ حج بیت اللہ کو جایا کرتے تھے۔ حضرت آدمؑ پر جو صحیفہ نازل ہوا تھا اس میں اس وقت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ احکام شریعت تھے۔ کہ جو لڑکا لڑکی ایک ساتھ پیدا ہوں ان کی باہم شادی حرام ہے۔ اور ایک حمل کے لڑکے سے دوسری حمل کی لڑکی منسوب ہو سکتی ہے۔ حضرت آدمؑ کی انتالیس اولادوں میں سے پانچ ہستیاں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں یعنی **ہابیل۔ قابیل۔ مسماۃ اقلیمہ۔ الیوذہ۔ اور حضرت شیثؑ**

قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اس کا نام اقلیمہ تھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھی۔ اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ الیوذہ کے نام سے موسوم تھی۔ الیوذہ بھی اوسط درجہ کا حسن رکھتی تھی۔ مگر اقلیمہ جیسی نہ تھی۔ چنانچہ ان دونوں کے بالغ ہوتے ہی الیوذہ قابیل کے نامزد ہوئی اور اقلیمہ ہابیل کے۔ مگر قابیل نے اس تجویز سے قطعی انکار کر دیا اور کہا۔ کہ میری بہن جو حمل میں میرے ساتھ رہی ہے اس کا میں زیادہ حقدار ہوں نہ کہ ہابیل۔ اس پر حضرت آدمؑ نے فرمایا۔ شرع الٰہی ہرگز بدل نہیں سکتی جو لڑکا لڑکی ساتھ ساتھ پیدا ہوں گے وہ حکم الٰہی کے موافق حقیقی بہن

بھائی قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ان دونوں کا نکاح باہم حرام ہے۔ خدا کے احکام میں رد و بدل کا مجھے اختیار نہیں ہے۔ یہ سنکر قابیل نے سرکشی اختیار کی۔ اور باپ سے کہنے لگا کہ اے باپ! تو ہابیل کو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ جو اقلیمہ جیسی حسین لڑکی اس سے نامزد کی ہے۔ اور الیوذہ کو میرے لئے تجویز کیا ہے۔ اس وجہ سے قابیل۔ ہابیل کا دشمن ہو گیا۔ اور موقع پا کر قابیل نے ہابیل کا پتھر سے سر کچل کر مار ڈالا۔ اول تو حضرت آدمؑ ہابیل کی عدم موجودگی سے بہت زیادہ بیقرار رہے۔ اس کے بعد جب ایک وحی کے ذریعہ سے حضرت آدمؑ کو معلوم ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا تو ان کو از حد صدمہ ہوا۔ اور اس قدر الفت پدری نے بے چین کیا کہ عرصہ تک از خود رفتہ رہے اور غذا بھی مفقود رہی۔ بعدہ ایک وحی کے ذریعہ سے قصاص کا حکم صادر ہوا۔ یعنی جو کسی کو قتل کریگا وہ اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اور ہابیل کے قتل کی سزا میں قابیل سے قصاص لیا جائے گا۔ یہ خبر سنتے ہی قابیل روپوش ہو کر بھاگ گیا اور اس مقام پر پہنچا جسے آجکل یمن کہتے ہیں۔ اس نے خدا سے ناراض ہو کر آگ کو اپنا معبود مقرر کیا۔ بس قابیل ہی سے آتش پرستی شروع ہوئی۔ اور اسی نے سب سے پہلے دنیا میں کفر کا سنگ بنیاد رکھا۔ حضرت آدمؑ کو عرصہ دراز تک ہابیل کا صدمہ رہا۔ لیکن جب حضرت شیثؑ تنہا پیدا ہوئے تو ان کا غم غلط ہونا شروع ہوا۔ کیونکہ وہ ہابیل سے بہت زیادہ اشباہ تھے ان کے چہرہ پر انوار نبوت چمکتے تھے۔ بس اس وجہ سے حضرت آدمؑ کو ان سے زیادہ محبت بڑھ چلی۔

حضرت شیث علیہ السلام

جب حضرت شیثؑ جوان ہوئے۔ تو بذریعہ ایک وحی کے آدمؑ نے شیثؑ کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا۔ اور وہ تمام اسماؤ صفات کا علم اور حقیقت الحقائق بتا دیئے اور صحائف سے بھی مطلع کر دیا جو ان پر نازل ہوئی تھی۔ حضرت آدمؑ کی وفات تسبیح و تہلیل میں ہوئی اور ان کا کفن۔ خوشبو از بہشتی میوہ سے حضرت جبرئیلؑ معہ چند فرشتوں کے جن میں حضرت عزرائیلؑ

بھی شامل تھے زمین پر لائے۔ آپ کے واقعات وفات بہت طول طویل ہیں اگر تشریح کیساتھ بیان کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بنجائیگی۔ لہٰذا اس کتاب کے طول ہوجانے کے خیال سے انھیں نظرانداز کیا جاتا ہے۔ الغرض حضرت جبرئیلؑ نے آپ کی اولاد سے فرمایا کہ اب تم اس جگہ کو ہٹ جاؤ صرف شیثؑ کو یہاں چھوڑ دو بس یہ کافی ہیں۔ یہ سنتے ہی جناب حواؑ اور ان کی سب اولاد سوائے حضرت شیثؑ کے اس مقام سے علیحدہ ہو گئے۔ حضرت شیثؑ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کچھ عرصہ سے علیل تھے۔ ان کو بہشتی پھلوں کی خواہش تھی۔ لہٰذا حضرت جبرئیلؑ نے سب سے پہلے بہشتی پھل پیش کئے۔ جن کو کھاتے ہی آپ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ اور خوشبو کے سونگھتے ہی اس قدر بشاش نظر آنے لگے گویا وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوئے تھے۔ تب حضرت عزرائیلؑ نے قریب جاکر ایک بہشتی پھول حضرت آدمؑ کے ہاتھ میں دیا۔ آپ اس پھول کو دیکھتے ہی جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پس حضرت جبرئیلؑ و دیگر ملائکہ اور کل اولاد آدمؑ نے مل جل کر تجہیز و تکفین کی۔ اور جبل ابو قبیس کے نزدیک حضرت آدمؑ کو دفن کر دیا جہاں اس وقت ان کا مزار مقدس ہے۔ آپ کی عمر ایک ہزار برس کی ہوئی۔ حضرت آدمؑ کا سب سے پہلا بیٹا قابیل تھا اور سب سے آخر حضرت شیث علیہ السلام۔ جو حضرت آدمؑ کے بالکل ہمشکل تھے۔ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت شیثؑ نبی مبعوث ہوئے۔ آپ پر بھی متعدد صحیفے نازل ہوئے۔ آپ نے تمام بنی آدم کی ہدایت کا کام بخوبی انجام دیا۔ یہانتک کہ بعض گمراہ بھی راہ راست پر آ گئے۔ آپ نے نو سو پچاس برس کی عمر پائی اور جناب آدمؑ کے مزار کے نزدیک دفن ہوئے۔ لہٰذا آپ کا مزار مقدس بھی جبل ابو قبیس کے دامن میں موجود ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریسؑ کو ابرانی زبان میں اخنوخ کہتے ہیں۔ جب قابیل کی اولاد میں حد سے زیادہ گمراہی بڑھ گئی۔ تو اللہ تعالےٰ نے مضافات یمن میں آپ کو مبعوث فرمایا۔ قابیل کی اولا

نے خدا کو بالکل بھلا دیا تھا۔ آتش پرستی۔ بت پرستی اور زناکاری ان میں اس قدر عام ہو گئی تھی۔ کہ ماں۔ بہن۔ بیٹی کا بھی امتیاز نہ رہا تھا۔ الغرض جب اس قدر زمانہ تاریک ہو گیا تو اللہ تعالےٰ نے حضرت ادریسؑ کو اُن کی ہدایت کے لئے منتخب کیا۔ آپ کی تبلیغ سے اکثر کافر راہ راست پر آگئے۔ آپ سب کو توحید۔ عدالت اور عبادت الٰہی کی تعلیم دیتے تھے۔ خود چالیس چالیس روز کا روزہ رکھتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی روزہ رکھکر ذکر الٰہی کی تعلیم فرماتے تھے۔ خلق اللہ کی ہدایت کے بعد جس قدر وقت ملتا تھا وہ سب ذکر الٰہی میں صرف کرتے تھے۔ اور اتنے بڑے عابد تھے کہ فرشتے بھی آپ کے ساتھ ذکر الٰہی میں شامل ہوتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت عزرائیل بھی آپ کے حلقہ ذکر میں شریک ہوتے۔ اسی وجہ سے اُن سے اور حضرت ادریسؑ سے دوستانہ تعلقات کچھ اس قدر بڑھ گئے کہ ان کی بدولت وہ جنت میں جا پہنچے۔ اور اب تک زندہ ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت آدمؑ سے سولہ سو بیالیس (۱۶۴۲) برس کے بعد ان کی دسویں پشت میں حضرت نوحؑ پیدا ہوئے آپ کا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت آدمؑ سے۔ حضرت شیثؑ۔ اُن سے انوشؑ اُن سے۔ قینانؑ۔ اُن سے مہلائیل۔ ان سے یردؑ۔ اُن سے حضرت اخنوخ یعنی حضرت ادریسؑ اُن سے متوشلخ۔ اُن سے ملکؑ۔ اور ان سے حضرت نوحؑ۔ جب حضرت ادریسؑ کی وفات کے بعد دنیا میں گمراہی پھیل گئی۔ تو حق تعالےٰ نے حضرت نوحؑ کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا۔ اور اسّی برس کی عمر میں آپ پر وحی نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ تم اپنی قوم کو ہدایت کرو۔ چنانچہ انھوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ مگر وہ لوگ اس قدر گمراہ تھے۔ کہ اُن پر آپ کی ہدایت کا کسی طرح اثر نہ ہوتا تھا۔ آپ کے ہر قول کا مضحکہ اڑاتے۔ اور آپ کو اتنا مارتے تھے کہ آپ بیہوش ہو جاتے تھے۔ بعض مرتبہ آپ کو اس قدر زخمی کرتے کہ آپ میں طاقت نشست و برخاست نہ رہتی تھی۔ تب جبرئیل امین آپ کے جسم سے اپنا پَر مَس کرتے تھے۔ جس کے باعث آپ تندرست

ہوجاتے تھے۔ اور پھر قوم کی ہدایت میں مصروف ہوجاتے تھے۔ لیکن وہ قوم اس قدر گمراہ تھی کہ آپ کی تعلیم کو بالکل ٹھکراتی تھی۔ اور کسی طرح سے کہنا ہی نہیں مانتے تھے۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ یعنی حام۔ سام۔ یافث۔ اور کنعان۔ جب حضرت نوحؑ عاجز ہوگئے۔ تو درگاہِ خدا میں اس قوم کے لئے بددعا کی۔ حکم ہوا کہ اچھا ہم سب سے پہلے اُنھیں ایک سزا دیتے ہیں۔ بس ایکدم ان کا سلسلۂ تناسل منقطع کردیا گیا۔ لیکن جب اس پر بھی باز نہ آئے۔ تو ارشادِ ربی ہوا۔ کہ اے نوحؑ تم ایک کشتی بناؤ کہ میں سب انسانوں اور حیوانوں کو جو زمین پر موجود ہیں نیست و نابود کردوں گا۔ اور صرف تم کو اور تمہارے اہل و عیال کو۔ اور جو تم پر ایمان لائے ہیں ان کو۔ اور ہر جانور کے ایک ایک جوڑہ کو کشتی کے ذریعہ بچاؤں گا۔ حضرت نوحؑ کی نو سو پچاس برس کی عمر میں صرف اسّی آدمی اُن پر ایمان لائے تھے۔ اور آپ کا بیٹا کنعان بھی اُنھیں گمراہوں کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ اس وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوگیا تھا۔ جب حضرت نوحؑ نے خدا کے حکم سے کشتی بنانی شروع کی۔ تو اُس قوم نے طرح طرح کے مذاق اڑانے شروع کردیئے۔ کوئی آپ کو نجّار یعنی بڑھئی کا خطاب دیتا تھا۔ کوئی دیوانہ کہتا تھا۔ کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ نام رکھتا تھا۔ الغرض جب کشتی بنکر تیار ہوگئی تو اللہ تعالےٰ نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا کہ سب سے پہلے اس کشتی میں اپنے اہل و عیال کو بٹھاؤ۔ پھر جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں اُن کو۔ اُن کے بعد ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا رکھو۔ تو آپ نے فوراً تعمیلِ حکم کی۔ حام۔ سام۔ یافث کو مع اُن کے قبیلوں کے کشتی میں بٹھایا۔ اور جو تھے بیٹے کنعان کو کشتی میں بٹھانے کی بلیغ کوشش کی۔ قہرِ الٰہی اور طوفان سے ڈرایا۔ مگر وہ کشتی میں بیٹھنے کو کسی طرح راضی نہ ہوا۔ اور اپنے والد کا مضحکہ کیا کہ آپ تو سٹھ گئے ہیں جو خشکی میں کشتی بنائی ہے اس پر سوار ہونے کو مجھ سے کہتے ہیں۔ الغرض کنعان اور حضرت نوحؑ کی بیوی دونوں کشتی کے نزدیک تک نہ گئے۔ بعدہ ان اسّی آدمیوں کو بلا کر کشتی میں بٹھلایا۔ جو آپ پر ایمان لائے تھے۔ اور ہر جانور کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے زمین کی سوتیں کھولدیں۔ اور آسمان سے بھی پانی برسایا۔ یہانتک کہ مخلوق ڈوبنا شروع ہونے لگی۔ اور آپ کا بیٹا کنعان بھی مع اپنی والدہ

کے ڈوبنے لگا تو مہرِ پدری نے جوش مارا۔ اور حضرت نوحؑ نے درگاہِ باری میں عرض کی بارِ الٰہا! تو نے وعدہ فرمایا تھا کہ تو میرے اہل وعیال کو محفوظ رکھیگا۔ لہٰذا میرے بیٹے کو ڈوبنے سے بچالے۔ ارشاد ہوا کہ یہ نااہل تیرا بیٹا نہیں ہو۔ اب اس گمراہ کے متعلق کچھ نہ کہنا۔ لہٰذا کنعان بھی ان موذیوں کے ساتھ غرق ہوگیا۔ شعر۔

پسرِ نوح با بداں بنشست   خاندانِ نبوتش گم شد

الغرض ایک سو پچاس دِن یعنی پانچ مہینے تک متواتر بارش جاری رہی۔ (طبری) یہانتک کہ اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں سے پندرہ ہاتھ اونچا پانی تھا۔ خدا نے اپنے فضل وکرم سے سات مہینے کے بعد وہ کشتی کوہِ جودی پر ٹھیرائی۔ (ابن جوزی) جب طوفان ختم ہوگیا۔ تو کوہِ جودی کے دامن میں سب سے پہلے اُن اَسی آدمیوں نے ایک گاؤں بناکر آباد کیا جس کا نام سُوقِ ثمانین رکھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ لوگ بھی گمراہ ہو چلے اور جب طوفان کے خوف سے ایک بہت بلند مینار بنانے کا قصد کیا۔ تو ایک ایسی وبا پھیلی۔ کہ سُوقِ ثمانین میں نوحؑ۔ حام۔ سام۔ یافث اور اُن کے قبیلوں کے سوا کوئی بھی نہ بچا۔ پھر حضرت نوحؑ نے ملکِ شام۔ جزائرِ فارس۔ خراسان۔ اور عراق۔ سام کو عنایت کئے۔ ملکِ مغرب۔ حبش۔ ہند۔ اور سندھ۔ حام کو مرحمت کئے۔ چین۔ ترکستان۔ شقلاب۔ یافث کو بخشے۔ حضرت نوحؑ کی اولاد میں خدا نے اس قدر برکت دی۔ کہ چالیس برس میں ہزاروں شہر اور بیشمار گاؤں اُن سے آباد ہوئے۔

حضرت نوحؑ کے بیٹوں کی اولاد

ابن اسحاق کا بیان ہے۔ کہ سام کی اولاد میں پانچ لڑکے پیدا ہوئے۔ ارفخشند۔ لاؤذ۔ ارم۔ آشوذ۔ اور علیم۔ لاؤذ سے طسم۔ عملیق۔ جرجان۔ اور فارس چار لڑکے پیدا ہوئے عملیق سے جاسم کا گروہ ہے۔ جن میں سے فرعنہ مصر۔ کنعانی۔ برابرہ شام۔ بنی لف۔ بنی ہزال۔ بنی مطر۔ بنی ارزق۔ بذیل۔ راحل۔ اور ظفار کی قومیں پیدا ہوئیں۔ اور ارم سے عبلیل۔ عبد ضخم۔ عوض۔ کاثیر۔

ماش۔ اور حول پیدا ہوئے۔ پھر عوص سے عاد پیدا ہوا جس کی اولاد زمین احقاف میں حضر موت کے گرد آباد تھی۔ کاثر سے اقوام ثمود۔ جدیس۔ جرموک پیدا ہوئیں جو شام اور حجاز کے درمیان زمین حجر میں آباد تھیں۔ مگر ارفخشد ابن سام کی نسل سے انبیا پیدا ہوئے۔ ارفخشد سے شالخ پھر ان سے عابد۔ ان سے فالغ پیدا ہوئے جنکی نسل سے نمرود کے زمانہ میں حضرت ابراہیم شہر بابل میں پیدا ہوئے۔

یافث بن نوحؑ کی اولاد۔ یافث کی اولاد سے اقوام ترک۔ چین۔ صقالی۔ یاجوج ماجوج پیدا ہوئے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ یاجوج ماجوج سے منچوریہ کے لوگ مراد ہیں۔ جو ترکستان اور چین کے درمیان وسیع علاقوں میں آباد ہیں۔

حام کی اولاد۔ ان کی اولاد سے اقوام سوڈان ہیں۔ ان سے ہند اور سندھ کا کچھ حصہ اور بعض حصص کنعان کے آباد ہوئے۔ توریت میں بھی ان کے چار لڑکے۔ مصر۔ کنعان۔ کوش اور فوط کا ذکر ہے۔ قوط کا ایک لڑکا قبط قبطیوں کا جد اعلیٰ ہے۔ ہشام بن محمد بیان کرتے ہیں کہ کوش ابن حام کی نسل سے نمرود تھا جو بابل کا بادشاہ تھا۔ جس کے زمانہ میں بمقام بابل حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

آپ کے والد کا نام آذر تھا۔ آپ نمرود کی بادشاہت کے زمانہ میں شہر بابل میں پیدا ہوئے۔ شیطان نے نمرود کو گمراہ کر دیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدا کہلاتا تھا۔ اس نے اپنی صورت کے بت ترشوا کر بتخانوں میں رکھوا دیئے تھے۔ اور سب سے ان بتوں کی پرستش کراتا تھا۔ ایک دن نجومیوں نے اُس سے یہ پیشگوئی کی۔ کہ اس سال اس شہر میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک و دین کو نیست و نابود کر دیگا اس وجہ سے اس نے منادی کرا دی تھی۔ کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستر نہ ہونے پائے۔ اور امسال اس شہر میں

جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر۔ بُت تراش بھی تھے اور بُت پرست بھی۔ اتفاقاً سفر میں گئے ہوئے تھے۔ کہ آپ کی والدہ کو وضع حمل کے آثار محسوس ہوئے۔ تو خیال آیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو گا تو مارا جائے جائیگا۔ اس خوف سے انہوں نے جنگل کی راہ لی اور ایک خشک نہر کے کنارہ پر جا پہنچی۔ وہاں ایک گہرا غار نظر آیا جسمیں وہ آسانی سے پہنچ گئیں۔ غار میں پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت ابراہیمؑ تولد ہوئے۔ آپ کا چہرہ کچھ ایسا خوبصورت تھا۔ کہ والدہ نے اپنے کلیجہ سے لگا لیا۔ آپ کی والدہ آپ کے چہرہ سے اپنی آنکھیں ملنے لگیں۔ اور بہت پیار سے آپ کو دودھ پلایا۔ ماں کی ممتا نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ وہ اپنے لخت جگر کو بابل میں لیکر داخل ہوں۔ جہاں آپ کی جان کا خطرہ تھا۔ لہذا آپ کو ایک کپڑے میں چھپا کر نہایت احتیاط سے اس غار میں چھوڑ آئیں۔ اور صبح ہوتے شہر بابل میں واپس آگئیں دوسرے روز شام کے وقت جب اس غار میں پہنچیں تو آپ کو جیتا جاگتا دیکھکر خوش ہوئیں۔ لیکن یہ دیکھکر سخت تعجب ہوا کہ آپ اپنے انگوٹھے کو چوس رہے ہیں جن سے دودھ جاری ہے۔ بالآخر آپ کی والدہ نے آپ کی پیشانی پر بوسے دیئے۔ اور پھر دودھ پلایا۔ پھر اسی طرح اس غار میں چھوڑ گئیں۔ بس ان کا کچھ عرصہ تک یہی معمول رہا۔ دودھ پینا پلانا تو عالم اسباب کا ایک بہانہ تھا۔ وہ چونکہ خلیل تھے وہی ان کا نگہبان حقیقی تھا۔ جس کی عنایت اور قدرت سے آپ محفوظ اور سیراب رہتے تھے۔

حدیث نبوی۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ حضرت ابراہیمؑ ایک دن میں اتنا بڑھتے تھے جتنا دوسرے بچے ایک ہفتہ میں۔ اور ایک ہفتہ میں آپ اس قدر بڑھتے تھے جتنا اور ایک مہینہ میں اور ایک مہینہ میں اس قدر بڑھتے تھے جتنا دوسرے بچے ایک برس میں۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی شیر خواری کا زمانہ ختم ہوا۔ اور آپ کی رشد و دانائی کے آثار نمایاں ہوئے تو حسب معمول آپ کی والدہ غار میں آئیں۔ تب آپنے کہا۔ کہ اے ماں! کیا اس مکان کے علاوہ اور کوئی جہان بھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا بیٹا

دشمنوں کے خوف سے اس تاریک غار میں تجھے پوشیدہ رکھا ہے۔ خدا کی زمین بہت زیادہ چوڑی چکلی ہے جس پر بیشمار قصبے۔ گاؤں اور شہر آباد ہیں۔ آسمان بھی بہت زیادہ بلند ہے۔ اس پر بھی لاکھوں قندیلیں روشن ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے ماں مجھے اس غار سے باہر نکال میرا اس اندھیرے میں جی گھبراتا ہے۔ آپ کی والدہ نے فرمایا۔ آؤ بیٹا! باہر آؤ۔ چونکہ رات کا وقت تھا آپ نے سب سے پہلے ایک تارے کو دیکھا اور کہا۔ کیا یہ میرا خدا ہے؟ جب وہ چھپ گیا تو کہا۔

---------- میں غائب ہونے والے کو نہیں چاہتا۔

پھر چاند کو دیکھا۔ تو فرمایا کیا یہ میرا ----------

خدا ہے؟ جب وہ بھی غائب ہو گیا تو کہا۔ اگر میرا رب میری رہنمائی نہ کرے گا تو میں بیشک گمراہ ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو فرمایا۔ کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے لیکن لیکن جب وہ بھی غائب ہو گیا تو فرمایا۔ غائب ہو جانے والی چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد آپ اپنی والدہ کے ہمراہ گھر آئے اور اب گھر ہی میں رہنے سہنے لگے۔ آپ کا والد آذر بھی آپ سے رفتہ رفتہ مانوس ہو گیا۔ جب آپ نے آذر کو بت پرستی میں مبتلا پایا تو نہایت زور دار الفاظ میں کہا۔

کہ اے باپ! تو کیوں ان چیزوں کی پرستش کرتا ہے جو نہ سنتے ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں۔ اور نہ کچھ تیری مدد کر سکتے ہیں۔ اس پر آپ کے باپ ناخوش ہو گئے۔ مگر حق کے مقابلہ میں آپ نے اپنے والد کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اور اپنی قوم سے علی الاعلان کہدیا۔ اے قوم! میں بت پرستی اور شرک سے بیزار ہوں میرا دل۔ میرا منہ۔ دلی یقین کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے میں مشرک نہیں ہوں جو بت پرستی کروں۔ سنو اور سمجھو۔ خالق کونین ایک ہے تم لوگ اکیلے خدا کی پرستش کرو۔ بتوں کی پوجا تم کو کیا نفع پہنچا سکتی ہے۔ بس ہم میں اور تم میں کھلم کھلا دشمنی قائم ہو گی اور یہ دشمنی اس وقت تک رہے گی جب تک تم معبود حقیقی پر ایمان نہ لاؤ گے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کو بہت سمجھایا۔ اس نے جواب دیا کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے؟ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آئیگا۔ تو سنگسار کر دوں گا اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو میرے سامنے سے

بادشاہ! ابراہیمؑ کو آگ میں جلاکر ہمارا دل ٹھنڈا کر۔ اس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ بے حد گستاخی کی ہے اور ان کو توڑ کر ہمارے دل جلا دیئے ہیں۔ یہ سنکر نمرود نے ۴۰ گز کا آتشکدہ تیار کرایا۔ اور اس میں بےشمار لکڑیاں بھروادیں۔ جب سارا آتشکدہ لکڑیوں سے بھر گیا تو اس میں آگ لگوا دی گئی۔ آگ لگی اور ایسی لگی جس کے شعلے سر بفلک اٹھنے لگے۔ اور اس قدر بلند ہوئے کہ چرند و پرند دور دور بھاگ گئے۔ بلکہ طیور کو اس نواح میں مجال پرواز نہ تھی اور نہ کوئی انسان اس بھڑکتی ہوئی آگ کے نزدیک جاسکتا تھا۔ پھر بھلا حضرت ابراہیمؑ کو اس کے اندر ڈالنے کی کس کو طاقت تھی۔ نمرود اور اس کے بندے سخت حیران تھے۔ اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے تھے کہ آپ کو کیونکر اس آتشکدے میں ڈالیں۔ اتنے میں ابلیس نے آدم کی صورت میں آکر کہا کہ ایک منجنیق بناؤ اور ہنڈولہ کے مانند پہاڑیں کھمبے گڑوادو۔ اور منجنیق میں بٹھاکر ابراہیمؑ کو جھولا جھلاؤ۔ جب پینگ زیادہ بڑھ جائے تو رسیوں کو چھوڑ دو۔ اس طرح ابراہیمؑ آتشکدہ میں گر جائینگے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو زنجیر میں باندھکر منجنیق میں بٹھایا تو سارے فرشتے لرزنے لگے۔ اور درگاہ باری میں عرض کرنے لگے۔ بار الہا! تیرے خلیل پر اور کفار اس طرح ظلم ڈھائیں۔ ہمیں تو اس کے دیکھنے کی تاب نہیں۔ اگر حکم ہو تو خلیل کو اس مصیبت سے چھڑائیں۔ کہا اگر میرا خلیل تم سے مدد مانگے۔ لہٰذا وہ فرشتے جو ہوا اور بادل کے موکل تھے۔ انھوں نے منجنیق میں آکر آپ سے کہا۔ اے خلیل اللہ! اگر آپ چاہیں تو ہم ابھی اس آگ کو بارش اور ہوا کے ذریعہ ٹھنڈا کردیں۔ مگر آپ نے ان کی مدد قبول نہ فرمائی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل ہوا کی فضا میں ظاہر ہوکر کہنے لگے۔ اے ابراہیم! اگر کچھ حاجت ہو تو بولو کہ تمھیں ان شعلوں سے بچاکر ان سب کفار کو آگ میں جلاکر خاک کردوں۔ آپ نے جواب دیا۔ میں تم سے مدد نہیں چاہتا اگر میرے خدا کی یہی مرضی ہے۔ اور یہی خوشی ہے کہ میں جلایا جاؤں تو۔ (مصرعہ)

کا فرم گر بسوی آتشِ سوزاں نروم۔ اگر اس کی یہی خوشی ہے تو میری بھی یہی تمنا ہے۔ شعر

گر اختیار مرگ بدستم دہد خدا | روزے ہزار بار بسوزم برائے او

دور ہو جا۔ آپ نے فرمایا میرا سلام ہے۔ میں نے تم کو اور تمہارے معبودوں کو چھوڑا۔ بس اب میں اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کی مذمت اور پروردگار حقیقی کی تعریف شروع کی۔ تو اکثر آدمی بت پرستی سے تائب ہو کر خدا پرست ہو گئے لہذا اس وقت سے اس مذہب کا نام اسلام ہوا۔ جب رفتہ رفتہ نمرود کو اس کی خبر پہنچی۔ تو اس نے آپ کو بلا بھیجا۔ آپ بے دھڑک اس کے دربار میں چلے گئے۔ نہ اُسے سجدہ کیا۔ اور نہ اس کے سامنے سر جھکایا تو اس نے برافروختہ ہو کر دریافت کیا۔ اے ابراہیم! تو نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ فرمایا میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ اس نے کہا۔ تیرا پروردگار کیسا ہے؟ اور کیا کھاتا پیتا ہے۔ جواب دیا۔ وہ ہے جو سب کو کھانے پینے کو دیتا ہے۔ اور خود کھانے پینے سے مبرا ہے۔ سب کی موت و زیست اس کے اختیار میں ہے۔ جس کو چاہتا ہے مارتا ہے اور جسکو چاہتا ہے جلاتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی موت و زیست کا مختار ہوں۔ اور سب کو کھانے پینے کو دیتا ہوں۔ لہذا میں ہی پروردگار ہوں۔ یہ کہکر جیلخانہ سے دو قتل کے مجرموں کو طلب کیا۔ ایک کو قتل کر دیا۔ اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ بھی میرے خدا نے ہی کیا ہے۔ تیری کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ اگر تو خدا ہے۔ تو آفتاب کو مغرب سے نکال دے۔ میں بھی دیکھوں تو کیسا قادر مطلق ہے۔ میرا خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ یہ سنکر نمرود ساکت ہو گیا۔ اور اس کے سارے دربار میں سناٹا پڑ گیا۔ بعض درباریوں پر آپ کے ارشاد کا اتنا اثر ہوا۔ کہ وہ اپنے دل میں آپ پر ایمان لے آئے۔ آپ وہاں سے بیدھڑک اٹھکر چلے آئے۔ اور تبلیغ کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ایک دن جب بابل کے سب لوگ عیدگاہ کو چلے گئے آپ بت خانہ میں چھپ رہے۔ آپ نے نہایت سلیقہ کے ساتھ بت شکنی فرمائی۔ عیدگاہ سے واپس آکر ان لوگوں نے اپنے بتوں کو ٹوٹا پایا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو وہاں موجود پاکر یقین کر لیا کہ ان بتوں کو توڑنے والی یہی ہستی ہے۔ لہذا آپ کو لیجا کر نمرود کے سامنے پیش کیا اس نے بت شکنی کے جرم میں آپ کو قید کر دیا۔ مگر کفار کا جوش کسی طرح کم نہ ہوا۔ سب نے بالاتفاق کہا آپ

بادشاہ! ابراہیمؑ کو آگ میں جلاکر ہمارا دل ٹھنڈا کر۔ اس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ بے حد گستاخی کی ہے اور ان کو توڑ کر ہمارے دل جلا دیے ہیں۔ یہ سنکر نمرود نے ۴۰ اگز کا آتشکدہ تیار کرایا اور اس میں بے شمار لکڑیاں بھروا دیں۔ جب سارا آتشکدہ لکڑیوں سے بھر گیا تو اس میں آگ لگوا دی گئی۔ آگ لگی اور ایسی لگی جس کے شعلے سر بفلک اٹھنے لگے۔ اور اس قدر بلند ہوئے کہ چرند و پرند دور دور بھاگ گئے۔ بلکہ طیور کو اس نواح میں مجال پرواز تھی اور نہ کوئی انسان اس بھڑکتی ہوئی آگ کے نزدیک جا سکتا تھا۔ پھر بھلا حضرت ابراہیمؑ کو اس کے نار میں ڈالنے کی کس کو طاقت تھی۔ نمرود اور اس کے بندے سخت حیران تھے۔ اور طرح طرح کی تدبیریں سوچتے تھے کہ آپ کو کیونکر اس آتشکدے میں ڈالیں۔ اتنے میں ابلیس نے آدم کی صورت میں آکر کہا کہ ایک منجنیق بناؤ اور ہنڈولہ کے مانند پہاڑ میں کھنبے گڑوا دو۔ اور منجنیق میں بٹھا کر ابراہیمؑ کو جھولا جھلاؤ۔ جب پینگ زیادہ بڑھ جائے تو رسیوں کو چھوڑ دو۔ اس طرح ابراہیمؑ آتشکدہ میں گر جائینگے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو زنجیر میں باندھکر منجنیق میں بٹھایا تو سارے فرشتے لرزنے لگے۔ اور درگاہ باری میں عرض کرنے لگے۔ بارالہا! تیرے خلیل پر اور کفار اس طرح ظلم ڈھا رہے ہیں۔ ہمیں تو اس کے دیکھنے کی تاب نہیں۔ اگر حکم ہو تو خلیل کو اس مصیبت سے چھڑائیں کہا اگر میرا خلیل تم سے مدد مانگے۔ لہذا وہ فرشتے جو ہوا اور بادل کے موکل تھے۔ انھوں نے منجنیق میں آکر آپ سے کہا۔ اے خلیل اللہ! اگر آپ چاہیں تو ہم ابھی اس آگ کو بارش اور ہوا کے ذریعہ ٹھنڈا کر دیں۔ مگر آپ نے ان کی مدد قبول نہ فرمائی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل ہوا کی فضا میں ظاہر ہو کر کہنے لگے اے ابراہیم! اگر کچھ حاجت ہو تو بولو کہ تمھیں ان شعلوں سے بچا کر ان سب کفار کو آگ میں جلا کر خاک کر دوں۔ آپ نے جواب دیا میں تم سے مدد نہیں چاہتا اگر میرے خدا کی یہی مرضی ہے۔ اور یہی خوشی ہے کہ میں جلایا جاؤں تو۔ (مصرعہ)

کافرم گر بسوی آتشِ سوزاں نروم۔ اگر اس کی یہی خوشی ہے تو میری بھی یہی تمنا ہے۔ شعر

گر اختیار مرگ بدستم دہد خدا ۔۔۔ روزے ہزار بار بسوزم برائے او

حضرت ابراہیم کی استقامت دیکھکر دریائے رحمت الٰہی جوش میں آگیا۔ ارشاد ہوا۔ قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ہ یہ سنتے ہی وہ سلا آتشکدہ ٹھنڈا ہوگیا منجنیق سے گرتے ہی فرشتوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ زمین پر پہنچایا۔ اور اسی وقت بہشت سے خلعت کا خلعت لاکر آپ کو پہنایا۔ آپ کی چاروں طرف رحمت الٰہی کا گلشن کھل گیا۔ اور ایک شیریں چشمہ بھی پیدا ہو گیا۔ اسرافیل کو حکم ہوا کہ جنت کے میوے برابر میرے خلیل کے پاس لیجایا کرو۔ آپ ایک ہفتہ تک اسی جگہ رہے۔ جب اس واقعہ کو سات روز گذر گئے تو نمرود نے ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے گرداگرد ایک نہایت عمدہ گلشن لگا ہوا ہے۔ جسمیں قسم قسم کے تروتازہ پھول کھلے ہیں اور اُن پھولوں کی تازگی نظر کو خیرہ کرتی ہے آگ کی جگہ نہایت شفاف چشمہ جاری ہے۔ اُس نے آپ سے متحیر ہوکر پوچھا۔ اے ابراہیم اتنے بڑے آتشکدہ میں تو کیونکر سلامت رہا۔ اور بجائے انگاروں کے یہ پھول کہاں سے آئے؟ فرمایا۔ یہ میرے اللہ کی قدرت کا ظہور ہے۔ نمرود نے کہا جس کی قدرت کا یہ اثر ہے واقعی وہی پروردگار ہے۔ پھر اُس کے بلانے سے آپ آتشکدہ کی حد سے باہر تشریف لائے۔ اور ازسرنو نمرود کو تعلیم و تلقین فرمائی۔ اُس نے اسلام لانے کے لئے کچھ مہلت مانگی۔ اور اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کیا تو ہامان نے اس کے خیالات یہ کہکر تبدیل کر دئے۔ کہ اتنی مدت تک خدائی کی۔ اور اب ابراہیمؑ کے خدا کا بندہ بنے گا۔ یہ کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے کچھ عرصہ کے بعد اسلام لانے کا تقاضا کیا۔ تو نمرود نے عرض کی۔ میں مجبور ہوں۔ ہاں تیرے پروردگار کے واسطے ایک عظیم الشان قربانی کے لئے تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ قربانی بغیر ایمان کے قبول نہیں ہوتی۔ مگر اُس نے چار ہزار گائیں۔ بہت سے اونٹ۔ اور بکریاں ایک وسیع میدان میں ابراہیم والے خدا پر قربان کئے۔ لیکن جب نمرود اپنے آپ کو برابر سجدے کرواتا رہا تو آپ نے اُسے پھر نصیحت فرمائی۔ اُس نے جواب دیا۔ میں نہیں چاہتا کہ روئے زمین پر میرے سوا اور کوئی بادشاہ یا خدا کہلایا جائے اگر تیرے آسمانی خدا کے ہاں کوئی فوج ہو۔ تو وہ میری فوج کا مقابلہ کرے۔ آپ کو وحی کے

ذریعہ سے اطلاع ہوئی۔ کہ اے ابراہیمؑ! نمرود سے کہدو اپنی فوج کو لڑائی کے واسطے تیار کرے ہماری فوج آتی ہے۔ یہ سنکر اس نے تین روز کی مہلت مانگی۔ اور تیسرے روز لاکھوں پیدل جیتا سوار ایک میدان میں لا کر جمع کر دیئے۔ چوتھے روز حضرت ابراہیمؑ تنہا اس کی فوج کے مقابل ہوئے نمرود نے کہا تیرے خدا کی فوج کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا ہوشیار ہو جا۔ آیا ہی چاہتی ہے۔ اثنا گفتگو مچھروں کی فوج ٹیری دل کی طرح آن پر چھا گئی۔ زمین پر اندھیرا ہو گیا یہ دیکھکر وہ گھبرایا۔ اور کہنے لگا کہ نقارے بجا کر مچھروں کو ڈراؤ لیکن وہ تو قہر الٰہی تھا کس طرح فرو ہوتا ایک ایک آدمی کو لاکھوں مچھر چمٹ گئے اور ان کے جسم میں گوشت پوست کچھ نہ چھوڑا اور نہ کوئی جانور بچا یہ دیکھکر نمرود اپنے محل میں جا چھپا۔ لیکن ایک لنگڑا مچھر اس کے ساتھ محل میں بھی جا پہنچا۔ اور اس کی ناک کے راستہ سے دماغ میں چڑھ گیا اور اس کے بھیجے میں اپنی سونڈ جما دی۔ نمرود اپنے ہاتھ سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ اور شدتِ دردِ سر کی وجہ سے اس قدر بے چین ہوا کہ دوسروں سے بھی اپنے سر کو کٹوایا کیا۔ جو سر معبودِ حقیقی کے سامنے نہیں جھکا تھا۔ وہ زمین پر ٹکرانے لگا۔ بس اس کو جھوٹا خدا بننے کی یہ سزا ملی۔ نمرود چالیس روز تک اس غضب الٰہی میں مبتلا رہکر واصلِ جہنم ہوا۔ اُس کے ڈر سے جو لوگ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ اب کھلم کھلا مسلمان ہو گئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد کفار کے ایک بہت بڑے گروہ نے جب حضرت ابراہیمؑ کی سخت مخالفت انتہا کی تو ایک وحی کے ذریعہ آپ نے اپنے قبیلہ سمیت ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ آپ کی بیوی سارہ خاتونؓ بہت زیادہ خوبصورت اور باعصمت تھیں جب آپ مصر پہنچے تو مصر کا بادشاہ حضرت سارہ خاتونؓ کے حسن و جمال کی تعریف سنکر نادیدہ عاشق بن گیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو مع ان کی زوجہ کے طلب کیا۔ آپ مع اپنی بیوی کے تشریف لے گئے تو وہ حضرت سارہ خاتونؓ کے حسن و جمال کو دیکھکر ان پر فریفتہ ہو گیا۔ باوجودیکہ اس کی محل سرا میں بہت زیادہ خوبصورت عورتیں موجود تھیں۔ لیکن وہ اس قدر فریفتہ ہو گیا تھا کہ ہوش و حواس صحیح نہ تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ آپ مہمان سرائے میں قیام فرمائیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ مع اپنی بیوی

کے وہاں پہنچے تو تھوڑی دیر کے بعد اُس نے سارہؓ خاتون کو طلب کیا۔ جب آپ وہاں پہنچیں تو اُس نے بے ادبی کے خیال سے دست درازی کرنی چاہی۔ مگر محافظ حقیقی نے اس معصومہ کی حفاظت فرمائی۔ اور اس بادشاہ کے دونوں ہاتھ شل کر دیئے۔ بس تین مرتبہ متواتر یہی حالت ہوئی۔ تو شاہِ مصر نے جناب سارہؓ خاتون اور حضرت ابراہیم سے بیحد اعتقاد ظاہر کیا۔ اور اپنی تین مرتبہ کی صحت یابی کے انعام میں ایک نہایت حسین و جمیل نوجوان لڑکی جو بچپن سے پروردگار عالم کی یاد میں مشغول تھی اور اس کا نام ہاجرہ خاتون تھا، وہ انعام میں بخشی۔ جب سارہؓ خاتون ہاجرہ خاتونؓ کو اپنے ہمراہ لیکر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی خدمت میں پہنچیں تو انہوں نے شاہ مصر کے واقعات کو دوہرانا چاہا۔ آپ نے فرمایا اے سارہ! حق تعالےٰ نے میری نظروں کے سامنے سے تمام حجاب اٹھا دیئے تھے۔ تجھ پر جو جو معاملے گذرے۔ وہ سب میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اللہ تعالےٰ اپنے دوستوں کے ناموس کا ہر دم نگہبان رہتا ہے۔ اور حاجرہ خاتون کی طرف اشارہ فرما کر کہا کہ ایسی معصوم لڑکی شاہ مصر کے محل میں رہنے کے قابل نہ تھی۔ اللہ تعالےٰ نے تم جیسی عفیفہ کو یہ پارسا بخشی ہو۔ چنانچہ مصر سے حضرت ابراہیمؑ نے ملک شام کا قصد کیا۔ اور فلسطین میں قیام فرمایا۔ جب ابراہیمؑ پر خداوند عالم کی رحمت اور برکت نازل ہوئی۔ تو وہاں بہت سا سامان زراعت بکریاں بھیڑیں۔ اور جملہ اسباب راحت مہیا ہو گئے۔ حضرت سارہؓ خاتون کی عمر اسّی برس سے تجاوز ہو چکی تھی۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کو ایک بیٹے کی تمنا تھی۔ اس وجہ سے آپ اکثر دعا مانگا کرتے تھے۔ کہ یا اللہ میرے صلب سے ایک فرزند عطا فرما جو نبوت کا وارث اور اس مال و اسباب کا مالک بنے سارہ خاتون اپنی کبر سنی کی وجہ سے اولاد کی طرف سے قطعی ناامید ہو گئی تھیں۔ بدیں وجہ حضرت ابراہیمؑ کو مجبور کیا۔ کہ وہ حضرت ہاجرہ خاتون سے شادی کر لیں۔ بس شادی کے نو مہینے بعد حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ایک وحی کے حکم پر اپنے پیارے بیٹے اور اپنی بیوی کو خانہ کعبہ کے جوار میں مقیم فرمایا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں اور بیت اللہ شریف طوفان نوحؑ کی وجہ سے بالکل منہدم ہو گیا تھا۔ صرف اس کی بنیاد کے کہیں کہیں آثار

پائے جاتے تھے۔ بس اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی کہ "اے کعبہ والے خدا! میں تیرے گھر کے قریب اپنے پیارے بیٹے اسمٰعیلؑ اور اپنی بیوی کو تیری حفاظت میں چھوڑتا ہوں۔ تو ہی ان کا محافظ حقیقی ہے۔" اور خدا کی حفاظت میں اپنے بچے بیوی کو وہاں چھوڑ گئے جناب ابراہیمؑ اس مقام پر تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا بھی رکھ گئے تھے۔ لیکن جب وہ کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ پر تشنگی غالب آئی تو حاجرہؑ اپنے لخت جگر کی پیاس بجھانے کے لئے تلاش آب میں دوڑ کر کبھی کوہ صفا پر جاتی تھیں اور کبھی کوہ مروہ پر اور العطش العطش کہہ کر جناب باری میں فریاد کرتی تھیں سات بار بدستور سعی اور کوشش آب میں ان دونوں پہاڑوں پر دوڑ دوڑ کر آتی جاتی رہیں۔ اور اپنے اُس شہزادہ عالم کو بھی دیکھ جاتی تھیں۔ کہ مبادا کوئی درندہ میرے لخت جگر کو نقصان نہ پہنچائے۔

چاہِ زمزم

حضرت اسمٰعیلؑ اس میدان میں گرمی اور پیاس کی شدت سے بچوں کی طرح زمین پر ایڑیاں مارتے تھے کہ ارحم الراحمین نے اُن کے قدموں کے نیچے ایک چشمہ پانی کا پیدا کر دیا۔ جب حضرت حاجرہؑ خاتون پھر واپس آئیں اور اس چشمۂ حیات کو دیکھ کر سربسجدہ ہو گئیں اور ساقی رحمت کا شکر یہ ادا کیا۔ دیکھا کہ پانی زمین سے اُبلتا چلا آرہا ہے۔ اور بہنے لگا ہے۔ تو آپ نے چند پتھر اُس چشمہ کے اردگرد رکھ کر بند باندھ دیا۔ لیکن اس پر بھی اس کا پانی بند کے باہر جانے لگا۔ تو جناب حاجرہؑ خاتون نے فرمایا زم۔ زم یعنی ٹھہر ٹھہر حضرت حاجرہؑ خاتون فرماتی ہیں کہ اگر میں زم زم نہ کہتی۔ تو خدا معلوم کہ یہ چشمہ یہاں سے بہکر کہاں تک پہنچتا۔ چنانچہ اس چشمہ سے حضرت حاجرہؑ خاتون کو بے حد اطمینان ہو گیا۔ اور اپنے لخت جگر سمیت خوشی سے زندگی بسر کرنے لگیں۔ اگرچہ وہ مقام غیر مزروعہ تھا۔ لیکن کہیں کہیں کھجور کے درخت بھی موجود تھے جن کو آپ بطور غذا استعمال فرماتی تھیں۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے رخصت کے وقت جو دعا مانگی

تھی اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ۔ یعنی اے رب میں اپنی ذریت کو سکونت کے لئے اس وقت وادی غیر مزروع میں تیرے محترم گھر کے پاس لایا ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حرم محترم کے کچھ کچھ آثار اس وقت بھی موجود تھے۔ جرہم کا قبیلہ یمن میں رہا کرتا تھا۔ اس قبیلہ کے اکثر اشخاص مکہ کی راہ سے تجارت کے لئے ملک شام کو جایا کرتے تھے۔ اتفاقاً جرہم کے ایک قافلہ نے مکہ کے میدان میں مقام کیا۔ جب صبح ہوئی تو ان لوگوں نے دیکھا کہ تھوڑی دور پر بہت سے پرندے پرواز کرتے ہیں۔ پرندوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو گمان ہوا کہ اس مقام پر کوئی پانی کا چشمہ نکل آیا ہے۔ ایک اعرابی نے آکر دیکھا کہ ایک نہایت مصفا چشمہ موجود ہے۔ جو اس سے بیشتر اس مقام پر کبھی نہ تھا۔ اور اس چشمہ پر ایک حور وش بی بی معہ ایک صاحبزادے کے رونق افروز ہیں۔ وہ اعرابی اس لق ودق صحرا میں ان کو دیکھکر سخت حیران ہوا۔ اور ان سے پوچھا کہ تم از قسم جنات ہو یا انسان؟ حضرت ہاجرہؓ نے جواب دیا کہ ہم انسان ہیں جنات نہیں ہیں۔ پروردگار عالم نے مجھے اپنے فضل و کرم سے یہ خوش نصیب فرزند عطا فرمایا ہے۔ اس فرزند کی وجہ سے خدا نے رحم فرما کر اس کے قدموں کی برکت سے یہ چشمہ آبحیات جاری کیا ہے۔ میں اور میرا بچہ اس چشمہ کے مالک ہیں۔ اس اعرابی نے واپس جا کر اپنی قوم کو یہ مژدہ سنایا۔ لہذا اس قبیلہ کا سردار بیوی صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ اگر حکم ہو تو ہماری قوم یہاں آکر آباد ہو جائے۔

ذکر مکہ معظمہ آباد ہونے کا

اور آپ کی بھی وحشتِ تنہائی کم ہو جائیگی۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا اگر میری تولیت اس چشمہ پر قبول ہو تو جاؤ اور شوق سے اپنے اہل وعیال کو لے آؤ۔ وہ قبیلہ مع اپنے اہل وعیال اور مواشی کے حاضر خدمت ہو گیا۔ اور اس مقام پر عالیشان مکانات تعمیر کئے اور اس کا نام مکہ رکھا گیا اور ان

لوگوں نے سات بکریاں بیوی حاجرۂ خاتون کی نذر کیں۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی پرورش اور بیوی حاجرہؑ کی امداد کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔ اس قبیلہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی نشو و نما ہوئی۔ اور پروردگار عالم نے اُن سات بکریوں میں اس قدر برکت فرمائی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کی بہت جلد نسل بڑھ گئی۔ حضرت حاجرۂ خاتون اور جناب اسمٰعیلؑ اب نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ حضرت جبرئیلؑ نے جناب ابراہیمؑ خلیل اللہ کو اس واقعہ کی خوشخبری سنائی۔ اسی قبیلے نے ایک نہایت عمدہ مکان حضرت حاجرۂ خاتون کی رہائش کے لئے بھی تعمیر کر دیا تھا جس میں آپ معہ حضرت اسمٰعیلؑ کے امن چین سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ مژدہ جانفزا سنا تو بحد خوش ہوئے۔ اور پروردگار عالم کا شکر بجالائے۔ اور ملک شام سے آپ سرزمین مکہ پر آکر اپنے لخت جگر یعنی حضرت اسمٰعیلؑ اور حاجرۂ خاتون سے ملے۔ مکہ کی آبادی کو دیکھ کر آپ کو سخت تعجب ہوا اور کچھ عرصہ مکہ میں مقیم رہ کر پھر حضرت سارہؑ کے پاس ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ جب بی بی حاجرہ کو خلاق قدرت نے حضرت اسمٰعیلؑ عطا فرما دیئے تو حضرت سارہؑ کو بھی فرزند کی تمنا پیدا ہو گئی۔ ایک روز حضرت جبرئیلؑ نے معہ چند فرشتوں کے اُن کو خوشخبری سنائی کہ تمہارے بطن سے دو فرزند یعنی حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ پیدا ہوں گے۔ یہ سنکر جناب سارہؑ کو تعجب ہوا کہ میں بوڑھی بانجھ عورت ہوں۔ مجھ سے کیونکر اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کی عمر پورے سو برس کی تھی۔ اور حضرت سارہؑ کی ننانوے برس کی۔ اس خوشخبری کے پورے نو مہینے بعد حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ ادھر مکہ معظمہ میں حضرت اسمٰعیلؑ بالغ ہو چکے تھے تو اس قبیلہ جرہم نے ایک شریف خاندان لڑکی سے آپ کی شادی کر دی تھی۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی یہ منکوحہ ناپسند ہوئی۔ تو آپ نے اسے طلاق دیدی۔ چنانچہ آپ کی دوسری شادی سردار قبیلہ کی لڑکی سے ہوئی۔ جو خوبصورت اور خوب سیرت تھی۔ جسے حضرت ابراہیمؑ نے بہت زیادہ پسند فرمایا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ وحی لائے جس میں یہ حکم تھا کہ جس مقام پر پہلے بیت اللہ شریف تعمیر ہوا تھا۔ (جو حضرت نوحؑ کے طوفان سے منہدم ہو گیا تھا) اسی مقام پر

حضرت جبرئیل کی نشان دہی پر پھر بیت اللہ شریف تعمیر کیا جائیگا۔ سب سے پہلا بیت اللہ جو حضرت آدمؑ نے فرشتوں کے ساتھ مل جل کر بنایا تھا وہ حضرت جبرئیلؑ کے سامنے ہی تعمیر ہوا تھا۔ آپ نے شام سے مکہ میں پہنچکر حضرت اسمٰعیلؑ سے اس وحی کا ذکر کیا اور حضرت جبرئیلؑ کی نشان دہی سے اسی مقام پر بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر شروع کر دی۔ حضرت ابراہیمؑ دیوار بناتے تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ پتھر پہنچاتے تھے۔ جب خانہ کعبہ کی دیواریں قدِ آدم بلند ہو گئیں۔ تو آپ نے ایک پتھر پر پاؤں رکھکر بنانا شروع کیا۔ آپ کے قدم کی برکت سے وہ پتھر بھی واجب التعظیم ہو گیا۔ چنانچہ کلام اللہ شریف میں اس پتھر کے متعلق یہ آیت شریف موجود ہے وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی۔ دوران تعمیر میں ایک وحی کے ذریعہ سے آپ کو یہ خبر دی گئی۔ کہ سنگ اسود طوفان نوحؑ کے زمانہ میں بہکر جبل ابو قبیس کے ایک غار میں جا پہنچا ہے اس کو وہاں سے نکال کر خانہ کعبہ میں از سرِ نو نصب کر دو۔ لہذا حضرت ابراہیمؑ نے تعمیل ارشاد کی۔ اور اس وحی کی نشاندہی پر اس پہاڑ کے غار سے سنگِ اسود نکالا۔ اور خانہ کعبہ میں لا کر نصب کر دیا۔ اور حج و طواف بیت اللہ کی منادی عام کر دی۔ حضرت سارہؓ معہ حضرت اسحاقؑ کے سالانہ حج کعبہ کے لئے شام سے مکہ معظمہ آیا کرتی تھیں۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ ان کی بہت زیادہ مدارات کرتے تھے۔ جس سے وہ بیحد خوش رہتی تھیں۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ اپنے چھوٹے بھائی حضرت اسحاقؑ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جس وقت ایک بشارت پر حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنے کا قصد فرمایا تھا۔ اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ کا سن صغیر تھا اور آپ ہی سب سے پیارے اکلوتے بیٹے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ کے واقعات قربانی محتاج بیان نہیں ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نسب نامہ

(از تاریخ ابن اسحاق رح)

حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم بن آذر۔ بن ناحو۔ بن شاروح۔ بن راعو۔ بن فالخ۔ بن عیبر۔

بن شالخ۔ بن ارفخشند۔ بن سام۔ بن نوحؑ بن ملک۔ بن متوشلخ بن اخنوخ۔ بن یرد۔ بن مہلائیل
بن قینان۔ بن انوش۔ بن شیث۔ بن حضرت آدمؑ۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد:۔ اسمٰعیلؑ سے قیدار۔ ان سے نابت۔ ان سے یشجب۔ ان سے یعرب
ان سے یرحا۔ ان سے ناحز۔ ان سے مقوم۔ ان سے اود۔ ان سے عدنان۔ ان سے معد۔ ان
سے نزار۔ ان سے مضر۔ ان سے الیاس۔ ان سے مدرکہ۔ ان سے خزیمہ۔ ان سے کنانہ۔ ان
سے نضر۔ ان سے مالک۔ ان سے فہر۔ ان سے غالب۔ ان سے لوی۔ ان سے کعب۔ ان سے
مرہ۔ ان سے کلاب۔ ان سے قصی۔ ان سے عبد مناف۔ ان سے ہاشم۔ ان سے عبد المطلب۔
ان سے عبد اللہ ان سے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسلام کا آفتاب

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب دنیا میں لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں۔ اور زمانہ تاریک ہو جاتا ہے گمراہی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو قدرتِ الٰہی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتی ہے چونکہ اسلام کا آفتاب عالمتاب عرب میں چمکا۔ اسلئے عرب کے حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

عرب۔ عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق لغت والوں کا بیان ہے کہ عرب اور اعراب کے معنے فصاحت اور زبان دانی کے ہیں۔ عرب والے اپنی زبان کے مقابلہ میں تمام دنیا کی زبانوں کو ہیچ جانتے تھے لہٰذا اپنے آپ کو عرب فصیح البیان اور تمام اقوام کو عجم (یعنی ژولیدہ بیان) کہکر پکارتے تھے بعض کی رائے ہے۔ کہ عرب اصل میں عربۃ تھا۔ اور سامی زبان میں عربۃ کے معنے دشت و صحرا کے ہیں۔ لہٰذا عرب کے بہت بڑے حصہ میں ریگستان لق و دق دشت و صحرا ہیں۔ اس لئے تمام ملک کو عرب کہتے ہیں۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے وسط میں ایک ملک ہے۔ جو عرب کے نام سے موسوم ہے دنیا کے آخری مذہبی رہبر حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اسی ملک میں ہوا۔ عرب کے جنوب

ہیں بحرِ ہند، مشرق میں خلیج فارس اور دریائے دجلہ و فرات جو شمال تک چلے گئے ہیں۔ بس اس کو عرب کا جزیرہ نما کہتے ہیں۔ یا جزیرۃ العرب کہلایا جاتا ہے۔ جزیرۃ العرب کے مشرق میں خلیج فارس اور بحرِ عمّان ہے۔ جنوب میں بحرِ ہند، شمال میں ملک شام اور مملکتِ حلب اور سینا کا جزیرہ نما ہے۔ مغرب میں بحرِ قلزم اور نہر سویز ہے۔ ملک عرب کا کل رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہے۔ اس میں سے ایک تہائی ریگستان ہے۔ جن میں سب سے بڑا وہ ریگستان ہے جو ملک کے جنوب میں واقع ہے۔ اور ربع خالی یا الدہنا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا رقبہ اڑہائی لاکھ میل مربع ہے۔ ملک عرب کا طول پندرہ سو میل اور عرض چھ سو میل ہے۔ ملک عرب میں کوئی دریا نہیں چھوٹے چھوٹے نالے ہیں جو ریگستان میں غائب ہو جاتے ہیں۔ یا سمندر میں گرتے ہیں۔ ملک کے بیچوں بیچ جنوب سے شمال تک ایک سلسلہ کوہستانی چلا گیا ہے۔ جس کا نام جبل السراۃ ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔ اس عظیم الشان ریگستان کے شمال میں الحسا یا بحرین کا ایک صوبہ ہے جو خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہے۔ ربع خالی کے شمال و مشرق میں عمّان جس کا دار الخلافہ مسقط ہے۔ یہاں کا امیر برٹش حکومت کے زیر سایہ ہے۔ اور ربع خالی کے جنوب میں یمن کا صوبہ ہے جس کا دار الحکومت صنعا ہے یہ صوبہ بحرِ ہند اور بحرِ قلزم کے ساحل پر واقع ہے۔ اسی میں حدیدہ کی مشہور بندرگاہ ہے۔ اور ربع خالی کے مغرب اور نجران کے شمال میں عسیر کا صوبہ ہے۔ جو بحرِ قلزم کے ساحل پر علاقہ تہامہ سے ملحق ہے۔ اور علاقہ تہامہ حجاز کا جنوبی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اور عرب اس حصہ کو یمن کہتے ہیں یہاں ایک شیعہ مذہب کا امیر حکمران ہے جو اٹلی کے زیر اثر ہے۔ اور ربع خالی کے شمال میں بشکل مربع نجد کا وسیع صوبہ ہے جس کے مشرق میں صوبہ بحرین مغرب میں حجاز اور شمال میں صحرائے شام واقع ہے یہاں ایک وہابی امیر ہے۔ جو برٹش حکومت کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے حال میں تمام حجاز پر قابض ہو گیا ہے جس کا نام سلطان ابن سعود ہے۔ نجد کے جنوب و مشرق میں یمامہ ہے اور صرف مشرق میں بحرِ قلزم کے مغربی صوبہ حجاز ہیں۔ جس میں مکہ۔ مدینہ۔ طائف۔ جدّہ۔ ینبوع کی مشہور اور زرخیز بندرگاہیں واقع ہیں پہلے یہاں ترکی حکومت کی طرف سے ایک گورنر رہتا تھا جو عموماً شریف حجاز کے

نام سے حکومت کرتا تھا۔ اس بد بخت شریف نے جس کا نام حسین تھا۔ جنگ یورپ میں اغیار کی سازش کا شکار ہو کر ترکی حکومت سے بغاوت کی اور اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد نجد کے وہابی امیر ابن سعود نے بزور شمشیر اس پر قبضہ کر لیا۔ اور حرم محترم میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ جہاں مذہبی اصول سے جوں کا مارنا بھی ناجائز ہے۔ اور اب نجد و حجاز پر اسی وہابی کا قبضہ ہے۔ حجاز کے مغرب اور نجد کے شمال و مشرق میں ایک چھوٹا سا علاقہ خیبر کا واقع ہے۔ شام و حجاز و نجد کے مابین ایک علاقہ حجر کے نام سے مشہور ہے۔ جو ربع خالی کے اندر حضر موت و یمامہ کے درمیان ہے۔ الاحقاف ایک غیر آباد مقام ہے۔ عرب کے نقشہ کو اگر سامنے رکھ کر ملاحظہ کیجئے تو ملک عرب کے تمام مشہور صوبوں کی صحیح حالت نظر کے سامنے آ جائیگی۔ ملک عرب میں سوائے دریائے فرات اور دجلہ کے کوئی اور دریا یا ندی نہیں ہے۔ ملک کا بڑا حصہ ریگستانی اور غیر آباد بنجر ہے۔ جہاں بالکل بارش نہیں ہوتی۔ البتہ سمندر کے کنارہ کنارہ جو علاقے آباد ہیں ان میں کہیں کہیں سبزی کے آثار نمایاں ہیں۔ اور صرف نجد کا صوبہ ایسا ہے جسکے ریگستانوں کا سلسلہ شام سے جا ملا ہے۔ اگرچہ عرب میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں مگر کوئی پہاڑ شاداب و سرسبز نہیں ہے۔ ملک عرب کی کل آبادی سوا کروڑ کے قریب ہے۔ سخت دھوپ پڑتی ہے اور گرم ہوا چلتی ہے جس کا نام باد سموم ہے جس کی برداشت انسانی طاقت سے باہر ہے کھجور کے سوا اور کوئی پیداوار قابل ذکر نہیں۔ بڑے بڑے سفر اونٹ کے ذریعہ طے کئے جاتے ہیں بلکہ یہ ریگستانی سواری بھی باد سموم کو برداشت نہیں کر سکتی۔ باشندوں کی معاشرت بہت سادہ ہے۔ یعنی اونٹنی، بکری کے دودھ، اور صرف کھجور کے پھل پر گذارہ کرتے ہیں آبادی کا بڑا حصہ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتا ہے اور باشندے عموماً بہادر ہوتے ہیں۔ فخر کائنات کی بعثت سے پہلے یعنی چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں تمام دنیا پر کفر و الحاد کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور خدا کی وسیع زمین لاتعداد گمراہیوں سے گھری ہوئی تھی۔ اور خصوصاً عرب جہالت و تاریکی کے گڑھے میں گر چکے تھے۔

مسدس

ساکن تھا آب دجلہ ساکت تھی بزم سینا   ظلمت تھی کارفرما ہر سمت بے محابا

باطل پرستیاں تھیں الحاد و کفر بھی تھا — نقشہ بگڑ گیا تھا گویا زمانہ بھر کا

خود بینیوں کا پردہ آنکھوں پہ پڑ گیا تھا

خود رائیوں کا اک جن سر پر چڑھا ہوا تھا

ہر فرد قوم کا تھا علم و ہنر سے عاری — خود ساختہ بتوں کا ہر ایک تھا پجاری

بادہ پرستیاں تھیں رگ رگ میں انکی ساری — تھا ذوق کی پستی اک بیخودی تھی طاری

پستیوں کا غلبہ ہر سمت ہو رہا تھا

ہشیار جو وہاں تھا بیخود بنا ہوا تھا

سایہ فگن سروں پر تھی ظالموں کی نکبت — صدیوں سے چھا رہی تھی بنکر سحاب ظلمت

تھی تیرہ ساز عالم تاریکیٔ جہالت — فتنہ تھا کارفرما برپا تھی اک قیامت

برنا و پیر سب تھے حرص و ہوا کے بندے

اعمال بھی تھے ناقص افعال بھی تھے گندے

فاران کی چوٹیوں پر ناگاہ مہر چمکا — پُرنور ہو گئے سب دشت و جبل سراپا

تاریکیوں پہ غالب آخر ہوا اجالا — روشن ہوا زمانہ از فرش تا ثریا

دریائے نور مطلق ہر سمت موجزن تھا

موجیں تڑپ رہی تھیں موجوں میں بانکپن تھا

ظاہر ہوئے جہاں میں آثارِ حق پرستی — زائل ہوا دلوں سے وہ شوق و ذوقِ مستی

آزاد ہو گئے سب پابندِ قیدِ پستی — ہر شخص ہو گیا پھر آگاہ رازِ ہستی

اُمّی لقب جو آیا حق کا کلام لے کر

اقراء پڑھایا سب کو خالق کا نام لیکر

دنیا و کفر کھو دی آتشکدے بجھائے — اصنام کو بھی توڑا اور ہیکلے بھی ڈھائے

جتنے تھے نقش باطل اک آن میں مٹائے — خالق کا نام لیکر خالق کے گھر بنائے

مرکز کیا معین اک دائرہ بنایا
گم کردہ راہ جو تھے رستہ انہیں دکھایا
اخلاق بھی سدھارے اخلاص بھی سکھایا — الفت کا درس دیکر سب تفرقہ مٹایا
بھولا ہوا سبق پھر توحید کا پڑھایا — بچھڑے ہوؤں کو آخر اللہ سے ملایا
روحی فداک سیدی روحی فداک احمد
صلے علے محمد صلی علے محمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے زمانہ کا نام قرآن کریم نے زمانہ جاہلیت رکھا ہے۔ اور یوں ایک لفظ میں نقشہ کھینچ دیا ہے جس کی تفصیل پر ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اور اس حالت کو صرف عرب کے بت پرستوں سے مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی حالت کو بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔ اور تمام دنیا کی حالت کو ایک بگڑی ہوئی حالت قرار دیا ہو۔ جیسا کہ فرمایا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور تری میں یعنی کل روئے زمین پر فساد پھیل گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے دنیا میں کبھی تہذیب کی حالت ہی پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ جو کچھ تہذیب اور اخلاق مختلف قوموں اور ملکوں میں اللہ تعالےٰ کے انبیاء لاتے رہے اس پر ایک لمبا زمانہ گذر گیا اب وہ حالت بدل چکی۔ اور تمام دنیا حقیقی تہذیب سے دور جا پڑی تھی۔ اگرچہ یہ لفظ ملک عرب کے ایک امی کے منہ سے نکلے کہ تمام روئے زمین پر اس وقت فساد پھیل گیا ہے جسے نہ دنیا کے ملکوں کی حالت دیکھنے کا موقعہ ملا۔ نہ اس زمانہ میں کوئی ایسی کتابیں تھیں۔ نہ اخبار جاری تھے۔ جو دنیا کا نقشہ کھینچ دیتے۔ مگر آج تاریخ کو دیکھنے سے اس کلام کی تصدیق ایک اعجاز کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔

روئے زمین کے حالات

نمبر ۱۔ یورپ میں۔ وحشت اور جہالت کی حکمرانی تھی ہر سمت جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ اور ووڈن بت کی پرستش کی جاتی تھی۔

نمبر۲۔ ایران میں۔ ژند۔ ژندین۔ اور ژن کی حکومت تھی۔ اور دوسرے مذاہب کا داخلہ سرزمین ایران میں ممنوع تھا۔

نمبر۳۔ چین میں۔ بادشاہ کا درجہ خدائے برتر کی برابر کر دیا گیا تھا۔ انسانیت اور اخلاق کے جنازے دفن ہو چکے تھے۔

نمبر۴۔ ہندوستان میں مہابھارت کی خونیں داستانیں ابھی تازہ تھیں کہ وام مارگیوں کی لعنت ملک پر چھا گئی۔ ہر چکنا چپڑا پتھر خدا بنا لیا گیا حتیٰ کہ گنگے کے گوبر اور پیشاب نے بھی درجہ تقدیس حاصل کر لیا تھا

نمبر۵۔ مصر میں عیسائیت کا وجود برائے نام رہ گیا تھا مسیح کی رسالت ناقابل فہم تثلیث میں مدغم کر دی گئی تھی۔ عیسائیوں نے خداؤں کے گھٹانے میں بہت کوشش کی مگر وہ بھی تین خداؤں سے کم نہ کر سکے۔

نمبر۶۔ عرب پر کسی انسان کی حکومت نہ تھی۔ بلکہ شیطان اکثر اجسام و ارواح میں حلول کر گیا تھا جس سے عرب تمام شیطانی حرکات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ انسانیت ان جہلا اور وحوش سے لرزاں تھی۔ نشہ بے انتہا محبوب تھا۔ شراب کے ایک ہزار نام رکھنے کا فخر سوائے عرب کے کسی اور قوم کو حاصل نہ تھا جوا۔ سود خواری رہزنی۔ بدکاری۔ قزاقی اُن کے بہترین مشاغل تھے۔ عورت انسانیت کے مجد و شرف سے محروم تھی۔ اس کا باپ بھائی اور خاوند کے مال میں کوئی حق نہ تھا۔ وہ جس طرح باپ کی ملکیت تھی اسی طرح بیٹے کے لئے بھی حلال تھی۔ اُس کے ہاتھ کا نکالا ہوا دودھ نہیں پیا جاتا تھا۔ اور اپنے خاص ایام کے وقت وہ تمام آدمیوں سے علیحدہ رکھی جاتی تھی۔ اور اُسے نجس جانکر کوئی نہ چھوتا تھا۔ دختر کشی کی ذلیل ترین حرکات پر فخر کیا جاتا تھا۔ لڑکیاں موجب ننگ و عار سمجھی جاتی تھیں۔ اور اُن کو زندہ دفن کر دیتے تھے حرام خوار جانوروں کا گوشت بے تکلف کھایا جاتا تھا۔ اور بالکل برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف اور بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس وقت خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے ان کے علاوہ ہر خاندان بلکہ ہر قبیلہ میں ہر ضرورت کا جداگانہ خدا بنا لیا گیا تھا چنانچہ بنی غسان کے بت کا نام عُزّیٰ تھا۔ بنی حولان کا عم انس۔ اسی طرح بنی طے یغوث فلس۔ عروہ کو اپنا ذریعہ نجات

جانتے تھے۔ غرض ہر قبیلہ کے لوگ اپنے اپنے بتوں کی الگ الگ پرستش کرتے تھے۔ کسی قبیلہ کا خدا ہبل تھا کسی کا **صفا**۔ کوئی **عزیٰ** کو اپنا خالق مانتا تھا۔ کوئی **نائلہ** کو۔ کسی کو **لات** سے عقیدت تھی کسی کو **منات** سے۔ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ۔ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں بھی بیت اللہ کے دیوار و در پر بنائی گئی تھیں۔ اور **انصاب** اُن بتوں کو کہتے تھے جو کعبہ سے ذرا پرے نصب تھے اور اُن پر اونٹوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ الغرض خانۂ کعبہ اُس وقت تمام قبائلِ عرب کے بتوں کا مرکز تھا۔ اس وقت دنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ خداوند لایزال کی حرمت و رافت دنیا بھر میں سے اٹھ گئی تھی۔ بندے اپنے معبودِ حقیقی سے غافل ہو چکے تھے۔ مخلوق میں ایسا کوئی نہ تھا جو اپنے خالق کو ڈھونڈے۔ کوئی قدم نہ تھا جو اس کی طرف اٹھے۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو اس کے لئے اشکبار ہو۔ کوئی دل نہ تھا جو اس کی یاد میں بیقرار ہو۔ کوئی روح نہ تھی جو اس سے پیار کرے۔ فطرت کا حسنِ حقیقی معصیت کی تاریکی میں چھپ گیا تھا۔ اوہام پرستی۔ خود غرضی اختلافات۔ نزاعات۔ مناقشات کے دریا اُمڈے ہوئے تھے۔ غرض ہر طرف یہی طوفانِ بے تمیزی تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جس پر توریت کی شہادت ہے۔ ان میں ایک **قیدار** تھے۔ جن کی نسل حجاز میں پھیلی۔ عربوں کا قیدار کی اولاد ہونا توریت میں ایک امر مسلّم ہے۔ اور عدنان کا جو غالباً حضرت اسمٰعیلؑ سے کوئی چالیسویں پشت میں ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہونا اہل عرب کو تسلیم ہے۔ اور عدنان تک آنحضرتؐ کا نسب نامہ نام بنام یقینی طور پر پہنچا ہوا موجود ہے۔ جس میں آج تک کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ عدنان سے نویں پشت میں نضر بن کنانہ ہیں۔ جن کے ساتھ خاندان قریش کی بنا پڑی۔ اور اس گھرانے کا اعزاز پہلے سے بھی دو چند ہو گیا۔ اُن کی اولاد میں نویں پشت میں قصی ہوئے جن کے سپرد کعبہ کی تولیت کا کام ہوا۔ جو عرب میں سب سے زیادہ معزز عہدہ سمجھا جاتا تھا

یہ عبدالمطلب کے پردادا تھے یہ خاندان تمام عرب میں اعلیٰ سے اعلیٰ سمجھا جاتا تھا جس سے بلند تر اور کوئی خاندان نہ تھا۔ عبدالمطلب ہاشمی و قریشی بہ اعتبار نسبی و ذاتی شرافت کے تمام قوم میں معزز و ممتاز بزرگ سمجھے جاتے تھے اور خانہ کعبہ کی تولیت بھی آپ ہی کے سپرد تھی۔ عبدالمطلب کے تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ حضرت عبدالمطلب کے سات بیٹے قابل ذکر ہیں۔ ابولہب ابوطالب۔ حمزہؓ۔ جعفرؓ۔ عباسؓ۔ زبیر۔ اور عبداللہؓ۔ ان کے علاوہ چھ بیٹیاں یعنی امیمہ۔ اروی عاتکہ۔ صفیہ۔ اور ام حکیم۔ اور آوامیمہ۔ یہ سب عبدالمطلب کے اولاد مختلف بی بیوں کے بطن سے تھی۔ لیکن عبداللہؓ۔ جعفرؓ۔ ابوطالب۔ اروی۔ اور صفیہ ماں جائے بھائی بہن تھے جن کی والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ حضرت عبداللہ اپنی خوبصورتی۔ عقلمندی۔ خوش خلقی کے باعث نہ فقط عبدالمطلب کو اپنے تمام بیٹوں بیٹیوں سے زیادہ پیارے تھے۔ بلکہ سارا شہر کا شہر عبداللہؓ کی سیرت وصورت کا گرویدہ تھا۔ جس طرح عبداللہؓ اپنی سیرت اور صورت کے باعث مکہ بھر میں مشہور تھے اسی طرح وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ بلحاظ شرافت۔ ذہانت۔ سیرت اور اپنی چاند سی صورت کے اعتبار سے شہر مکہ کے تمام شریف گھرانوں کی لڑکیوں میں ممتاز تھیں۔ بزرگوں کی نظر انتخاب میں بہترین اور خوبصورت جوڑا میاں بیوی کی صورت میں منسلک ہوگیا۔ یعنی عبداللہؓ آمنہ کے رفیق زندگی بنے۔ اور آمنہ عبداللہؓ کی رفیقہ حیات بنیں۔ الغرض جلوس کسریٰ سے چالیسویں برس ۱۲ ربیع الاوّل سنہ قبل مطابق ۲۰- اپریل ۵۷۱ء بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق حضرت آمنہ کے آغوش میں آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا۔ یعنی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں رونق افروز ہوئے۔ سے

گل آمد و در چمن مے در خم و پیمانہ می بینم
ہجوم مے پرستاں بر در میخانہ می بینم

نہ محتاجم بگلگشت چمن اے باغباں ہرگز
بہار صد چمن در عارض جانانہ می بینم

ندا از حاملان عرش آمد
کہ برخیز از پے تعظیم احمد

اٹھو وقت تعظیم احمد ہے یہ
جہان ظہور محمد ہے یہ

نبیِ مکرّم تولّد ہوئے ۔۔ اولی العزم اعظم تولّد ہوئے

تولّد ہوئے بادشاہِ جہاں ۔۔ تولّد ہوئے رہبرِ مرسلاں

تولّد ہوئے مظہرِ جزو کُل ۔۔ تولّد ہوئے بادشاہِ رُسُل

تولّد ہوئے شاہِ دنیا و دیں ۔۔ تولّد ہوئے خاتم المرسلیں

تولّد ہوئے خسروِ دو جہاں ۔۔ تولّد ہوئے شاہِ کون و مکاں

تولّد ہوئے بیکسوں کے رفیق ۔۔ تولّد ہوئے غمزدوں کے شفیق

تولّد ہوئے سیّد الانبیاء ۔۔ تولّد ہوئے سرورِ اصفیا

تولّد ہوئے شاہِ عالی مقام ۔۔ علیہ الصلوٰۃ وعلیہ السلام

السلام اے کہ ہے تو دار الشفا ۔۔ السلام اے کہ ہے تو بدر الدجیٰ

السلام اے چارۂ دردِ جگر ۔۔ السلام اے بادشاہِ بحر و بر

السلام اے خسروِ عالی لقب ۔۔ السلام اے ماہِ تابانِ عرب

السلام اے باغِ عالم را بہار ۔۔ السلام اے رحمتِ پروردگار

السلام اے شکلِ انساں نورِ حق ۔۔ السلام اے ناظر و منظورِ حق

اے مدینہ کے تاجدار سلام ۔۔ اے غریبوں کے غمگسار سلام

سرِ وحدت کے رازدار سلام ۔۔ بزمِ کثرت کے افتخار سلام

راحتِ قلبِ بیقرار سلام ۔۔ حسرتِ چشمِ اشکبار سلام

آپکی رہبری پہ احساں پہ ۔۔ سَو درودیں فدا ہزار سلام

روئے انور پہ عطر بیز درود ۔۔ زلفِ مشکیں پہ مشکبار سلام

جس نے تاریک دل کئے روشن ۔۔ ایسے ہادی پہ نور بار سلام

خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت جو معجزات سرزد ہوئے اُس سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اسلئے وہ معجزات محتاجِ بیان نہیں ہیں۔ حضرت صفیہ کو اپنے حقیقی بھائی

عبداللہ کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی۔ جن کی پچیس سال کی عمر میں وفات ہو گئی تھی۔ وہ اپنے پیارے بھائی کے فوت ہونے سے بہت زیادہ رنجیدہ اور بیقرار تھیں اور اپنی بھاوج حضرت آمنہؓ کے وضع حمل کی مدت کا ایک ایک دن گن گن کر کاٹتا تھا۔ جس وقت آنحضرت تولد ہوئے اور حضرت صفیہؓ کی آغوش میں آئے تو وہ جوش مسرت میں بنی ہاشم کی بیویوں کو مخاطب کر کے حضور اکرم صلعم کے حسن و جمال کی طرف اس طرح اُن کو متوجہ فرماتی تھیں۔ رباعی

قد ہیں و رُخ بہ ہیں و لب جاں فزا بہ ہیں
واں چشمِ مست و آں نگہ آشنا بہ ہیں

اجزائے حُسنِ او ہمہ یک یک نگاہ کُن،
و آنگہ بیا و حالِ من مبتلا بہ ہیں

غزل

نخلے قدش کہ از چمنِ جاں بر آمدہ
شاخِ گلے بصورتِ انساں بر آمدہ

بہرِ نظارۂ گلِ روئے تو در چمن
گل ہر طرف ز شاخ درختاں بر آمدہ

اکنوں توئی جمیل جہاں گرچہ پیش ازیں
آوازۂ جمال ز کنعاں بر آمدہ

از فرق تا قدم ہمہ جاں است آں نگار
گویا ز آبِ چشمۂ حیواں بر آمدہ

مست از مۂ شبانہ سحر من ز خوابِ ناز
با آفتاب دست و گریباں بر آمدہ

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ ایک ہادی، ایک مصلح، ایک ریفارمر، ایک اوتار، اور ایک نبی کے پیدا کرنے کی قدرت کو اسی وقت ضرورت ہوتی ہے۔ جب زمانہ میں کفر و الحاد کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ لہٰذا آنحضرت (روحی فداک) ایسے ہی تاریک زمانہ میں تولد ہوئے۔ ابھی مولود نے عبرت کدۂ ہستی میں قدم ہی نہ رکھا تھا۔ کہ قدرت نے باپ کو ہمیشہ کے لئے سُلا دیا۔ اب یتیم بچہ کا جشن میلاد کون منائے۔ غالباً غمگین بیوہ کا ذہن بھی ادھر منتقل نہ ہوتا ہوگا۔ کہ اس کے یتیم بچے کے جشن میلاد کی خوشیاں لاکھوں بلکہ کروڑوں مقامات پر گھر گھر منائی جائینگی۔ الغرض بیوہ نے دادا میاں کو خبر کرائی۔ وہ آئے اور اپنے مرحوم لختِ جگر کی یادگار کو کلیجہ سے لگا کر کعبہ

میں لے گئے اور کعبہ والے خدا کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر واپس آکر آمنہ خاتون کے آغوش میں دیا
محمد صلعم کو ان کی ماں نے چھ برس تک چھاتی سے لگائے رکھا۔ وہی ممتا وہی پیار وہی ناز
برداریاں جو مائیں اپنے بچوں کے ساتھ روا رکھتی ہیں کیں۔ چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ اس کا
پیغمبر ساری یتیمیوں کو چکھے یتیم پیدا کیا تاکہ یتیموں کا درد دل میں پیدا ہو جائے۔ اب قدرت
نے چھ برس کی عمر میں ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھا لیا۔ اور کہاں، پردیس میں یعنی آپ کی والدہ
مدینہ اپنے شوہر عبداللہ کی مزار کی زیارت کو گئی ہوئی تھیں۔ اور حضور اکرم کو بھی ان کے والد کے
مزار کی زیارت کرانے لے گئی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کی ایک کنیز ام ایمن بھی تھی۔ مدینہ کی واپسی
بمقام ابوا میں آمنہ کی وفات ہوئی۔ آپکی چھ سالہ عمر میں یہ حادثہ دردانگیز کچھ کم نہ تھا لہٰذا
ام ایمن کے ہمراہ آپ مکہ واپس آئے۔ اسکے بعد آپ کے دادا نگراں ہوئے۔ اور انھوں نے محمدؐ
عربی کے ساتھ اتنی شفقت روا رکھی۔ کہ اپنے بیٹوں اور پوتوں میں سب سے ممتاز بنایا۔ محمد صلعم
بطن مادر میں یتیم ہوئے۔ چھ برس کی عمر میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور آٹھ برس کے ہوئے
تو دادا نے رحلت فرمائی۔ الطافِ پدری سے ناآشنا۔ ماں کی ممتا سے محروم۔ دادا کی شفقت
سے مہجور۔ محمدؐ کی زندگی سراپا غم بن گئی پیہم درد و غم کے ساتھ ملکی مشیت نے مل کر ایک
ایسا مادہ تیار کر دیا۔ جو انسان کے درد کی دوا ثابت ہوا۔ اس کے بعد آپ کے حقیقی چچا حضرت
ابوطالب آپ کے سرپرست ہوئے۔ اور آٹھ برس کی عمر میں آپ اپنے چچا ابوطالب کی کفالت
میں آگئے۔ بچپن ہی سے اتنی خوبیاں آپ میں پائی جاتی تھیں۔ کہ ابوطالب کو آپ کے ساتھ نہایت
محبت ہو گئی۔ بلکہ جو شخص آپ سے بات چیت کرتا تھا وہی محبت کرنے لگتا تھا۔ اور ابوطالب آپکو
کمال شفقت سے اپنے پاس سلاتے اور مکہ میں جہاں کہیں جاتے ساتھ لیجاتے۔ آپ کی عمر
کوئی بارہ برس کی تھی جب ابوطالب نے تجارت کے سلسلہ میں ملک شام کے سفر کا قصد کیا۔ مگر
آنحضرت صلعم آپ کی جدائی گوارہ نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے ان کے ساتھ جانے کی خواہش
کی۔ لہٰذا ابوطالب نے اپنے پیارے بھتیجے کو اپنے ساتھ لے لیا۔ یہ تجارتی قافلہ منزلیں طے کرتا

ہوا۔ جب شہر بصریٰ کے قریب کوہستان سعیر کے سرسبز و شاداب دامن میں پہنچا۔ تو حسب دستور اس منزل پر بھی ایک آدھ روز ٹھہرنے کے لیے سب لوگوں نے قصد کیا۔ اور اپنا اپنا سامان اونٹوں کے کجاووں سے اتارنا شروع کیا۔ حضور پرنور صلعم بھی اپنے چچا کے ساتھ سامان اتارنے میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت اس تاجرانہ شہر بصریٰ میں مختلف العقائد مسیحیوں کے گرجے اور عزلت کدہ بنے ہوئے تھے۔ انہیں معابد میں بحیرہ راہب کا عظیم الشان گرجا بھی تھا۔ جو فصیل شہر سے دو تین میل کی مسافت پر کوہستان سعیر کی ایک بلند پہاڑی کے دامن میں ایک سرسبز و شاداب قطعہ زمین پر بنایا گیا تھا جس کے ارد گرد حجروں میں بہت سے راہب عبادت و ریاضت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور انہیں حجروں سے ملا ہوا ایک وسیع مہمان خانہ بنا ہوا تھا جس میں ہمیشہ دو چار مسافر مہمان رہتے تھے۔ اور علاوہ ان مہمانوں کے شام کو جانے والے قافلے بھی ٹھہرتے تھے۔ اور ہر ایک مسافر کو اس جگہ ہر ایک طرح کا آرام ملتا تھا۔ چنانچہ ان دنوں کوہستانی عرب کے شمالی حصے اور ملک شام پر قسطنطنیہ کے بادشاہ کا قبضہ تھا۔ بحر قلزم کے ساحل کا ایک حصہ شہر مکہ کے جنوب تک حبشہ کے عیسائی بادشاہ کی حکومت میں تھا۔ خلیج فارس کے کنارے اور وہ ممالک جس میں دریائے دجلہ اور فرات بہتے ہیں۔ اور نیز جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے کیانیوں کے ماتحت تھے۔ ان ممالک کے رہنے والے یا تو عیسائی تھے یا آتش پرست یا بعض یہودی۔ اکثر آزاد و خود مختار عرب بتوں، ستاروں اور مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ اس وقت ان تمام مذاہب میں اگر کوئی مذہب عمدہ ہو سکتا تھا تو وہ یہودیوں اور عیسائیوں کا مذہب تھا۔ لیکن ان ہر دو مذاہب میں بھی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ چنانچہ یہودیوں میں سوائے بناوٹ، نخوت، قساوت قلب کے مذہبیت نابود ہو چکی تھی۔ ان کے تمام مذہب کا دارومدار قصہ گوئی اور بیہودہ رسومات مروجہ کی پیروی پر تھا۔ اسی طرح عیسائیوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے پادریوں نے ریاکاری، دنیا طلبی کے باعث عیسائیت کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ وہ مصنوعی روایتوں، جھوٹی داستانوں، اپنے مفید مطلب من گھڑت افسانوں، باطل کرامتوں اور غلط معجزوں کو بیان کر کے اپنے اپنے مقلدوں سے فائدہ اٹھاتے

تھے۔ کہیں آریوس کی مسیحیت تھی۔ جس میں رہبانیت کی تعلیم سے ہر شخص مبتلائے مصیبت نظر آتا تھا۔ کہیں نسطوری مسیحیت جو دنیاوی تمدن کو برباد کر رہی تھی پائی جاتی تھی۔ غرضکہ توحید کے دعوے کو تثلیث کے عقیدے اور ذاتِ احدیت کو تین کی تقسیم سے ان عیسائی اسقف اور راہبوں نے ایسا خراب کر دیا تھا کہ توحید کے معنے سمجھنا مشکل ہو گئے تھے۔ **بحیرہ** راہب کی مسافر نوازی مشہور تھی۔ اگرچہ اس نے اپنے معتقدین اور خانقاہ کے مجاوروں کو مسافروں کے آرام و آسائش دینے کی سخت ہدایتیں کر رکھی تھیں۔ مگر اس پر بھی وہ آنے والے مسافروں کے پاس ایک دفعہ خود آکر دریافت حال کیا کرتا تھا۔ چنانچہ جس وقت ابو طالب کا قافلہ اس مقام پر اُترا۔ اس وقت بڑی کڑی دھوپ تھی۔ بحیرہ نے ان نو وارد مسافروں پر نظر ڈالی جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ تو چونک پڑا۔ اور بڑی دیر تک آپ کا چہرہ مشتدر دیکھتا رہا۔ قافلہ کے سب لوگ اپنا اپنا سامان اتار چکے۔ تو بحیرہ نے سب سے پہلے قافلہ کے لوگوں سے آنحضرت کی نسبت یہ سوال کیا کہ یہ کون صاحبزادہ ہیں؟ ابو طالب نے کہا کہ یہ میرا فرزند ہے۔ اس نے شکل و صورت کے ساتھ اچھے خصائل بھی پائے ہیں۔ جو اس کو دیکھتا ہے خوش ہوتا ہے۔ یہ سن کر اس بوڑھے راہب نے کہا کہ مجھے اس صاحبزادے کے چہرہ پر حق کی تجلی نظر آتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی کوئی خاص شان ہے۔ کیونکہ میں گرجا کے دریچہ میں بیٹھا تھا میں نے تمہارا قافلہ گھاٹی پر چڑھتے دیکھا۔ میں اس وقت سے ابتک ابر کا ٹکڑا اس صاحبزادے کے سر پر سایہ فگن دیکھتا ہوں بحیرہ ابو طالب سے یہ باتیں کر رہا تھا اور حضور بھی پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں بحیرہ نے آنحضرتؐ سے پوچھا صاحبزادے! آپ کا مذہب کیا ہے؟ حضور نے فرمایا میرے دل میں جس چیز کی جستجو ہے وہ ابھی تک مجھے نہیں ملی۔ میرے بزرگ اگرچہ بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ لیکن میرا دل اس کو نہیں مانتا اور نہ میں نے کسی بت کے آگے اب تک اپنا سر جھکایا ہے۔ اس معقول جواب پر بحیرہ نے خوش ہو کر پوچھا آپ نے یہود کی کتب آسمانی پڑھی ہوں گی۔ اس لئے آپ بت پرستی کو اچھا نہیں سمجھتے آپ نے جواب دیا۔ میں تو اُمی ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ یہود کی آسمانی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ لیکن میرا

دل مجھ سے کہہ رہا ہے۔ کہ ہماری قوم غلطی پر ہے۔ بلکہ مجھے تو آپ لوگ بھی مشرک معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ خدا کا اصلی مذہب توحید ہونا چاہیئے۔ اور اسی حقیقی مذہب کی دُنیا میں ضرورت ہے۔ یہ کہکر آپ پانی لینے کے لئے حوض پر گئے۔ تو ابر کا ٹکڑہ آپ کے سر پر سایہ فگن تھا۔ بحیرہ نے ابوطالب کو کہا۔ آپ نے جو یہ کہا کہ یہ میرا فرزند ہے۔ میں اپنی مذہبی پیشینگوئی کے مطابق کہہ سکتا ہوں کہ اس صاحبزادے کو تو یتیم ہونا چاہیئے تھا۔ ابوطالب نے کہا آپ کا خیال درست ہے۔ واقعی یہ یتیم ہے۔ اور میرے مرحوم بھائی عبداللہ کا فرزند ہے۔ مگر میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس پر بحیرہ راہب نے کہا۔ اب مجھے کامل یقین ہو گیا۔ یہ وہی نبی ہے جسکی انبیاء سلف پیشینگوئی کرتے آئے ہیں۔ لیکن اسکی پشت دیکھنے سے معلوم ہو گا۔ اگر اس کی پشت پر وہ نشانی موجود ہے تو کسی شک بشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ جب آپ پانی لیکر واپس آئے تو بحیرہ نے قمیص اٹھا کر آپ کی پشت مبارک بغور دیکھی۔ اور مہر نبوت کو دیکھکر بوسہ دیا۔ اور ابوطالب سے کہا کہ بیشک یہی وہ نبی ہے۔ جو نبی آخر الزمانہ ہو گا۔ آپ اس صاحبزادے کو حفاظت سے رکھیں۔ اور اس کی پوری نگہبانی کریں۔ اگر میری قوم یہود اس میں یہ نشانیاں دیکھیں گے تو وہ اس کے دشمن بلکہ خون کے پیاسے ہو جائینگے۔ (ترمذی نے لکھا ہے۔ کہ بحیرہ راہب نے ابوطالب کو قسم دیکر کہا کہ آپ اس لڑکے کو اپنے ساتھ ارضِ روم میں نہ لیجائیں۔ کیونکہ وہاں کے لوگ اس کے دشمن ہیں۔ ابھی بحیرہ یہی بات چیت کر رہا تھا کہ دور سے سات رومی آتے دکھائی دیئے۔ اس نے بطور استقبال کے آگے بڑھکر اُن سے دریافت حال کیا۔ اُن رومیوں نے کہا کہ ہم کو اس بات کی خبر ملی ہے۔ کہ اس جگہ وہ شخص پہنچا ہے جو آئندہ نبوت کا دعویٰ کریگا۔ لہذا ہم اس کی تلاش میں آئے ہیں۔ اس راہب نے یہ سنکر اُن سے کہا کہ خدا کو اگر وہ نبی پیدا ہی کرنا ہے۔ اس کی تعلیم کو دُنیا میں پھیلانا ہے۔ تو اس کی قدرت میں کون مزاحم ہو سکتا ہے۔ چونکہ بحیرہ راہب ایک مذہبی پیشوا اور خدا رسیدہ مانا جاتا تھا۔ اس لئے وہ ساتوں رُومی بحیرہ کو جواب دیئے بغیر شرمندہ ہو کر وہاں سے پلٹ گئے۔ پھر کہا میری رائے ہے کہ اس مقرب بارگاہ کو آپ ملک شام میں ہرگز نہ لیجائیں۔ اگر آپ کو اس سے دلی محبت ہے تو یہیں سے اس لڑکے کو اپنے

ملک کو واپس کر دیجئے۔ ابو طالب کو حضورِ اقدس سے دلی محبت تھی اور رومیوں اور بحیرہ کی باتیں اچھی نہیں تھیں۔ اور نیز اس راہب کے مشورہ کے مطابق آپ کو مکہ واپس لیجانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اپنا تجارتی مال بصریٰ میں فروخت کر ڈالا جس میں انھیں ملک شام میں جانے سے زیادہ منافع ہوا۔ پس ابو طالب قافلہ والوں سے رخصت ہو کر اسی منزل سے مکہ شریف واپس لوٹ پڑے۔ اس کے بعد حضور اقدس تقریباً پانچ سال مکہ میں اپنے شفیق چچا ابو طالب کی زیر پرورش رہے۔ بعث ۲۶ء میں حضور کا سن مبارک پندرہ برس کا تھا۔ ابو طالب پہلے ہی عیالدار تھے۔ اُن کو اس وقت سے حضور کی آئندہ زندگی بہتر بنانے کا خیال ہوا۔ لیکن وہ اتنے مالدار نہ تھے۔ کہ کچھ مال واسباب خرید کر تجارت کے لئے حضورؐ کی سپرد کرتے۔ جس سے آنحضرت فکر معاش سے بےفکر ہو جاتے۔ لہذا ایک دن ابو طالب نے آپ سے کہا۔ بیٹا! مجھے یہ کہتے ہوئے اگرچہ شرم آتی ہو۔ لیکن میں اپنے عیالداری کے باعث یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ باشاء اللہ اب تم جوان ہو تمھیں آئندہ زندگی گذرنے کا فکر کرنا چاہیئے۔ اگر میرے پاس سامان اور روپیہ ہوتا۔ تو میں تم کو تجارت کرنے کو کہتا۔ لیکن میں خود غریب ہوں۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ اس وقت ہمارے شہر میں خویلد کی لڑکی خدیجہ بہت مالدار اور صاحب تجارت خاتون ہے۔ اسے اپنے تجارتی کاروبار کے لئے اکثر ملازموں کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر تم اس بات کو پسند کرو۔ تو میں اس کے پاس جا کر تمھیں ملازمت دلاؤں۔ تاکہ اس کی تنخواہ سے تمہاری شادی بھی ہو جائے۔ اور ضروریات زندگی بھی پورے ہوتے رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہربان چچا کی اس تجویز کو غور سے سنکر نہایت ادب سے جواب دیا۔ چچا جان! مجھے آپ کی اس تجویز سے اتفاق ہے۔ اور میں آپ کو اپنا دلی رفیق سمجھ کر آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کو ہر وقت حاضر ہوں۔ ابو طالب اپنے لائق اور فرمانبردار بھتیجہ کا یہ جواب سنکر بہت خوش ہوئے چنانچہ دوسرے روز وہ حضور کی ملازمت کے متعلق خدیجہؓ کے محل میں گئے۔ خویلد قریش میں بڑا امیر کبیر شخص تھا۔ خدیجہ اس کی لڑکی تھی۔ جو نہایت ذہین اور عالی دماغ عورت تھی۔ صورت سیرت اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی مکہ بھر میں سب سے ممتاز تھی۔ خدیجہ کا باپ بہت کچھ مال و زر چھوڑ کر فوت ہو چکا تھا۔ اور یہ بھی سن شباب میں بیوہ ہو چکی تھی۔ سوائے ایک چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے

اس کا کوئی اصلی ولی وارث نہ تھا۔ لیکن خدیجہ نے اپنی قابلیت سے تجارت کا کام خود سنبھالا اور خود ہر ایک کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دینے لگی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے سے بھی زیادہ امیر ہو گئی۔ چنانچہ اس وقت نہایت اطمینان اور فارغ البالی سے اپنی زندگی بسر کر رہی تھی۔ بیسیوں کارندے۔ درجنوں کنیزیں اکثر غلام۔ کئی ایک عالی شان مکان۔ ہر طرح کا ساز و سامان غرضکہ سب ہی کچھ موجود تھا۔ اور اپنی قابلیت۔ امارت۔ عزت۔ کے باعث نہ فقط مکہ بھر میں بلکہ سارے عرب میں مشہور تھی۔ خدیجہؓ کی صورت۔ سیرت۔ قابلیت اور دولت کا شہرہ سنکر عرب کے نزدیک و دور کے اکثر امراء۔ رؤسا نکاح کے پیغام بھیجتے تھے۔ لیکن خدیجہ نے اب تک کسی کا پیغام قبول نہ کیا تھا۔ چنانچہ جب ابوطالب خدیجہؓ کے محل کی ڈیوڑھی پر پہنچے۔ تو دربانوں نے جاکر اپنی مالکہ کو ابوطالب کے آنیکی اطلاع دی۔ خدیجہؓ نے ابوطالب کا نام سنتے ہی ان کو بڑی عزت کر اندر بلا لیا۔ ابوطالب اگرچہ عیالداری کے باعث دولتمند نہ تھے۔ لیکن اپنی قوم کے ایک معزز رکن سمجھے جاتے تھے۔ نیز خدیجہؓ سے رشتہ کی قرابت بھی تھی اس سے خدیجہؓ نے اُن کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ جب ابوطالب سے تشریف آوری کا سبب دریافت کیا۔ تو انھوں نے حضور کی ملازمت کے متعلق سفارش کی۔ خدیجہؓ نے بغیر کسی حجت اور شرط کے آنحضرت کو اپنی ملازمت میں لینے کا اقرار کر لیا۔ ابوطالب خدیجہ کا شکریہ ادا کر کے واپس چلے آئے۔ دوسرے روز محمد عربی صلعم خدیجہ کے محل میں داخل ہوئے تو خدیجہ نے اپنی بھیڑوں اور بکریوں کی پاسبانی کا کام آپکے سپرد کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں حضورؐ کی برکت سے خدیجہ کی بھیڑوں اور بکریوں کے دودھ اور بچوں میں بڑی ترقی ہوئی اور حضور کے اخلاق۔ آداب۔ محنت۔ دیانت کا دیگر ملازموں پر ایسا اثر پڑا۔ کہ خدیجہ کے سب پرانے ملازم اپنی ملکہ کے سامنے آنحضرت کی خوش خلقی۔ امانت۔ دیانت۔ محبت شفقت کی ہر وقت تعریف کرنے لگے۔ چنانچہ خدیجہؓ کے دل میں بھی محمد عربی صلعم کا ایک خاص خیال پیدا ہو گیا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ ملازم پر اپنے آقا کی خوشنودی اُس کی ترقی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک روز خدیجہؓ اپنے محل کے اوپر کھڑی تھی۔ دھوپ کا وقت تھا

حضورؐ ریوڑ کو لئے آ رہے تھے۔ خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کے سر پر بادل کا سایہ دیکھا۔ جدھر حضورؐ جیسے جیسے آگے بڑھتے تھے۔ وہ بادل کا ٹکڑا بھی آپ کے سر پر سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا۔ خدیجہؓ کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ اور آپ کی یہ شان دیکھ کر خدیجہؓ کی نظروں میں اور بھی آپ کی عزت بڑھ گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدیجہ نے اپنے تمام کارندوں میں آپ کو چن لیا لہٰذا ایک روز خدیجہؓ نے آپ کو بلا کر کہا کہ اگر تم تجارت کے قافلہ کے ہمراہ جا سکو تو تمہاری بہتری کا باعث ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ ملازم کو آقا کے حکم سے کیا انکار ہے۔

شانِ نبوت کا اظہار

اگرچہ تجارتی زمرہ میں خدیجہؓ کے کئی ایک کارندہ تھے۔ لیکن تجارت کا بڑا منتظم ان کا ایک آزاد کردہ غلام میسرہ نامی تھا جس کی تحویل میں تجارت کا سب حساب رہتا تھا۔ چنانچہ میسرہ کو بلا کر اُن کی نسبت تاکیداً کہہ دیا کہ اس سال قافلہ کے ساتھ یہ نئے ملازم بھی جائیں گے۔ اگرچہ یہ ابھی تجارتی کام کے نا اہل ہیں۔ لیکن پھر بھی جو کچھ تم لوگوں کو یہ مشورہ دیں۔ انھیں کے مشورہ پر عمل کرنا اور ان کو میرا خاص کارکن سمجھ کر ان کی ہر قسم کی خبر گیری رکھنا تا کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو کیونکہ یہ میرے ہمدرد ہیں۔ علاوہ اس کے سفر میں ان کی ذات سے جو کچھ واقعات ظاہر ہوں ان کو بھی اچھی طرح یاد رکھنا۔ میسرہ نے اپنی مالکہ کی یہ ہدایت سنکر اس پر عمل کرنیکا اقرار کیا۔ چنانچہ چند روز بعد خدیجہؓ کے سامان تجارت کا قافلہ مکہ سے ملک شام کی طرف روانہ ہوا جس کے ہمراہ آپ بھی تھے۔ چند منازل طے کر کے جب اس قافلہ نے ایک عیسائی پادری نسطورا نامی راہب کے گرجے کے پاس منزل کی تو حضورؐ جس درخت کے پاس بیٹھے تھے اس کا سایہ آپ کے سر پر جھک آیا۔ راہب نے یہ واقعہ دیکھ کر میسرہ سے دریافت کیا۔ اور متعجب ہو کر کہنے لگا۔ اے میسرہ! تمہارے قافلہ کے ساتھ اس سال یہ کون نوجوان آئے ہیں؟ میسرہ نے کہا کہ یہ قریشی اور ہمارے سردار ہیں۔ نسطورا راہب نے کہا کہ یہ تمہارے قافلہ کے ہی صرف سردار نہیں۔ بلکہ کسی دن سارے جہان کے بھی سردار ہوں گے۔ تب میسرہ نے

پوچھا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا؟" راہب نے جواب دیا۔ ان کی آنکھوں میں آثار نبوت چمک رہے ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی نہیں بیٹھا مجھے تو یہ نبی آخر الزماں معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی معلوم ہوتی ہے (اس درخت کے نیچے بیٹھنا اور آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ہونا کتب قدیمہ میں نبی آخر الزماں کی خاص علامت مان لی گئی ہے) کاش میں اس وقت زندہ رہتا۔ جبکہ یہ مبعوث ہوں گے اس آرزو کے بعد راہب نے میسرہ کو تاکید کر دی کہ ان سے کسی وقت جدا نہ ہونا۔ سچے ارادہ اور نیک نیتی سے ان کے ساتھ رہنا۔ کیونکہ یہ وہ **محمدؐ** ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ شرف نبوت عطا کرنے والا ہے۔ اس واقعہ کے علاوہ اور بھی ایسے کئی واقعات راستہ میں گذرے۔ یعنی جب کڑی دھوپ ہوتی تھی تو آپ کے سر پر ایک ابر کا ٹکڑہ سایہ فگن رہتا تھا۔ ہا پرندے آپ کے سر پر سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ اڑتے تھے۔ آخر یہ قافلہ ملک شام میں جا پہنچا۔ اور حضورؐ کی برکت سے خدیجہ کا تمام سامان تجارت اس سال دُگنے اور چوگنے منافع پر فروخت ہو گیا۔ تو قافلہ کے سب لوگ خوش و خرم اپنی مالکہ سے انعام و اکرام حاصل کرنے کی خوشی میں مکہ کی طرف جلد جلد واپس ہوئے۔ ان بابرکت واقعات سے سب ملازموں کے دلوں میں آنحضرتؐ کی پہلے سے بھی زیادہ عقیدت بڑھ گئی اور ہر ایک ملازم آپ کی نہایت تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ میسرہ اپنی مالکہ خدیجہؓ کی ہدایت کے مطابق نہایت ادب سے آپ کی حرکات و سکنات پر غور کرتا ہوا آپ کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا جب یہ قافلہ مکہ کے قریب پہنچا تو سب میں یہ رائے قرار پائی۔ کہ حضورؐ اپنی سواری دوڑاتے ہوئے سیدہ خدیجہ کو سامان تجارت کی فروخت اور کافی منافع کی خوشخبری دینے سب سے پہلے جائیں۔ تاکہ ہر ملازم کو خاطر خواہ انعام و اکرام سیدہ سے ملے۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق حضورؐ پر نور اپنی سواری دوڑاتے ہوئے جس وقت خدیجہؓ کے محل کی طرف آ رہے تھے اتفاقاً اس وقت خدیجہ بھی اپنے محل کی چھت پر کھڑی تھیں۔ جنھیں اس سوار کی عجیب شان نظر آئی (سوار کے قربان۔ سواری کے صدقہ۔ اور دیکھنے والے کے خاکِ قدم کے تصدق) سوار کا چہرہ

چاند سے زیادہ منور تھا۔ اور اس کے سر پہ ابر کا ٹکڑہ سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا حضور کی یہ شان رعنائی خدیجہؓ کے دل پر گہرا اثر کر گئی۔ خدیجہؓ کی نظر سے جب یہ سوار اوجھل ہو گیا۔ تو محل کی چھت سے اترتے ہی انہوں نے دربان کو حکم دیا۔ کہ وہ شہر میں داخل ہونے والے سوار کا پتہ لگائے کہ وہ کون ہے؟ دربان یہ حکم سنتے ہی ڈیوڑھی سے دو چار ہی قدم نکلا تھا کہ حضور کو آتے دیکھ کر دریافت کیا۔ کہ آپ کے پیچھے یا ساتھ کوئی اور سوار بھی باہر سے آیا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ نہیں۔ صرف میں ساری اپنی سواری دوڑاتا آرہا ہوں۔ سیدہ کو خبر دو۔ کہ محمد (صلعم) ایک خوشخبری لیکر حاضر ہوا ہے۔ دربان نے خدیجہ کو حضورؐ کا پیغام دیا۔ اور ساتھ ہی خدیجہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ سوار حضور ہی تھے۔ تو ان کے دل میں پہلے سے بھی زیادہ آپ کی وقعت بڑھ گئی۔ اس پر جب آپ نے نہایت ادب سے سب تجارتی مال دے دیا اور جو گنے منافع پر فروخت ہونے کی خبر سنائی تو ان کے دل میں حضور علیہ السلام کی برکت اور عقیدت کا خاص جذبہ پیدا ہو گیا۔

حضور کا پہلا نکاح

کچھ دنوں تک تو خدیجہؓ نے اپنا راز دلی پوشیدہ رکھا آخر اظہار کرنا ہی پڑا چنانچہ ایک روز حضور علیہ السلام سے خدیجہؓ نے اپنی دلی تمنا یعنی نکاح کا پیغام دیا۔ آپ نے نہایت حیا اور ادب کے ساتھ جواب دیا۔ کہ اس کے متعلق میرے سرپرست چچا ابوطالب کی اجازت ضروری ہے۔ لہذا خدیجہؓ نے ابوطالب کے پاس بہت سے تحفہ تحائف بھیجکر محمد عربی کے ساتھ اپنے نکاح کا پیغام ارسال کیا۔ اگرچہ ابوطالب کو حضور کی عمر کے لحاظ سے اس پیغام کے قبول کرنے میں کچھ تامل تھا۔ لیکن اپنی بیوی کے مشورہ سے یہ پیغام قبول کرنا پڑا۔ آخر حضور کی رائے لیکر اور آپ کی بہتری کے لحاظ سے خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ نکاح کے لئے چونکہ دولہا دلہن کے بزرگوں کی شمولیت اور اجازت ضروری تھی اس لئے آنحضرت کے ساتھ آپ کے پیارے چچا ابوطالب۔ ابولہب۔ حضرت عباسؓ وغیرہ اور اکثر بنی ہاشم کے لوگ برات کے ساتھ ساتھ گئے۔ ادھر حضرت خدیجہؓ کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد اور ورقہ بن

نوفل اس تقریب میں شریک تھے۔ لہٰذا حضرت سیدہ خدیجہؓ کے محل میں یہ بزم شادی منعقد تھی اور حضور دولہا بنے اپنی شادی کی محفل میں کچھ ایسے حسن و جمال کے ساتھ رونق افروز تھے کہ جو دیکھتا فریفتہ ہو جاتا۔ اشعار

سرمست بتے لطیف و سادہ ۔۔۔ در دست گرفتہ جامِ بادہ
در مجلسِ بزمِ بادہ نوشاں ۔۔۔ بستہ کمر و قبا کشادہ
خورشید کہ شاہِ آسمان است ۔۔۔ در عرصۂ حکمِ او پیادہ
در گلشنِ بوستانِ رویش ۔۔۔ زنگی بچۂ زِ راہ زادہ
سعدی نرود بہ یار ہرگز ۔۔۔ کو جرم گنہ است یار سادہ

کوئی کہتا تھا۔ **دیگر**

اے جمالِ پاکِ تو ایمانِ من ۔۔۔ جلوۂ حسنِ تو نورِ جانِ من
یا محمد یا نبی یا مصطفیٰ ۔۔۔ جز تو نہ بود صورتِ عرفانِ من
آنچہ بنمائی ہماں عین الیقیں ۔۔۔ آنچہ فرمائی ہمہ قرآنِ من
مہرِ تو اندر دلم از حد گذشت ۔۔۔ یا رسول اللہ بکن درمانِ من

(کسی کا مقولہ تھا)

اے شہِ تنگ قبایاں مہِ زریں کمراں ۔۔۔ سروِ کج کلہاں خسروِ شیریں دہناں
مرہمِ سینۂ بے کینۂ آشفتہ دلاں ۔۔۔ مردمِ دیدۂ غم دیدۂ صاحب نظراں

چنانچہ آنحضرتؐ کے نکاح کا خطبہ ابو طالب نے پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے (از سیرتِ جلیلہ)

خطبۂ نکاح

سب سے پہلے سب تعریف اللہ کو جس نے ہمیں ابراہیمؑ کی نسل اور اسمٰعیلؑ کے فرزند سے ممنون بنایا۔ اور ہم کو اس گھر کا خادم بنایا۔ جو حج اور امن کا گھر ہے۔ اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا۔ اس کے بعد۔ میرا بھتیجہ محمد بن عبداللہ اگرچہ دولتمند نہیں ہے۔ لیکن نسباً شرافت۔ عقل۔ دانائی۔ اخلاق

اور عادات میں جس شخص سے اس کا مقابلہ کیا جائے یہ اس شخص پر غالب آتا ہے۔ رہے مال و دولت یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے بلکہ ایک قسم کا قرض ہے جو واپس مانگا جا سکتا ہے۔ مگر نجابت و شرافت اور خوش اخلاقی کو کبھی زوال نہیں ہے۔ یہ وہ لازوال دولتیں ہیں جس میں کبھی کمی نہیں ہو سکتی۔ ان زوال دولتوں کا مالک میرا بھتیجہ محمد (روحی فداک) ہے۔ اللہ کی قسم منکوحہ کی بڑی خوش قسمتی ہے جو محمد نے عمر رسیدہ خدیجہ کو برضا و رغبت قبول کر لیا ہے۔ اور اس کے لئے بارہ اُوقیہ اور ایک نش مہر مؤجل اور غیر معجل مان لیا ہے۔ (ایک اُوقیہ چالیس درہم کا اور ایک نش بیس درہم کا ہوتا ہے۔)

جب نکاح کے بعد آنحضرت خدیجۃ الکبریٰ کے زنان خانہ میں بغرض رونمائی تشریف لیجانے والے تھے تو ایک کنیز نے بیوی صاحبہ کو یہ مژدہ سنایا۔ ؎

زلف وا کردہ یار می آید   بوئے مشک تتار می آید
بوئے دل از غبار می آید   شاید آں شہسوار می آید
ایں ندا از غبار می آید   جان فدا کن کہ یار می آید
بہ ادائے کہ دل نمی داند   اللہ اللہ نگار می آید
سینہ وا کردہ ترک مخمورم   وہ چہ مست خمار می آید
مژدہ اے دل کہ بہر استقبال   رنجش بے قرار می آید
کشفیا عالم جوانی ہست   توبہ بشکن بہار می آید

اکثر اسلامی تواریخ سے ثابت ہے کہ رونمائی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا تمام مال و اسباب جائداد منقولہ و غیر منقولہ حضور علیہ السلام کی نذر کر کے بزرگان قریش سے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں اپنی رضا و رغبت سے اپنا تمام مال و منال حضورؐ کی نذر کرتی ہوں۔ آج سے یہ سب مال و دولت انہی کا ہے چاہیں اپنے پاس رکھیں یا کسی کو دیدیں یا راہِ خدا میں خرچ کریں چنانچہ آنحضرت نے وہ ساری دولت راہِ خدا میں خرچ کی۔ آپ کا یہ پہلا نکاح سنہ ۲۵ء میں ہوا۔ اس وقت آنحضرت کی عمر پچیس برس کی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر تقریباً چالیس برس کی تھی۔ آپ نے سب سے پہلے سب کنیزوں اور غلاموں کو آزاد

فرمادیا۔ اس وقت مکہ بھر میں سب لوگ آپ کو راست گو، امین اور دیانت دار کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ بس آپ نے حضرت خدیجہ کو بھی اپنے ساتھ درویشانہ زندگی بسر کرنیکا عملی سبق دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے زمرہ میں اکثر سفر کئے۔ اور جرش جاشہ بصرٰی۔ اور ملک شام میں تجارت کی۔ بلکہ حضور اکرم نے بارہ سال کی ہی عمر میں ابو طالب کا تجارتی کام کچھ کچھ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور چودہ پندرہ سالہ عمر میں مضاربت کی تجارت سے جو کچھ آمدنی ہوتی وہ ابو طالب کو لاکر دیتے تھے۔ لیکن وہ آمدنی بہت قلیل ہوتی تھی۔ اس وجہ سے ابو طالب نے پندرہ سالہ عمر میں آپ کو حضرت خدیجہؓ کے یہاں ملازم کرانے کی کوشش کی تھی۔ شادی کے بعد تجارت سے جو کچھ وقت بچتا تھا اسے آپ عبادت الٰہی میں صرف کرتے۔ اکثر غار حرا میں جاکر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ اور تخلیہ میں یہ فکر کرتے تھے۔ کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ مجھ میں کیا ہوتا ہے۔ میرا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ میں کیوں پیدا کیا گیا ہوں؟ چنانچہ اس فکر میں آپ کا اکثر وقت گذرتا تھا نزول وحی سے قبل آپ تخلیہ اور تنہائی کو زیادہ پسند فرمانے لگے تھے۔

نزول وحی

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (ترجمہ) اللہ کا نام لیکر پڑھ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور پروردگار تیرا بڑا کریم ہے۔ اور ایسا ہے جس نے قلم کے ذریعہ وہ علم دیا جس کو آدمی نہیں جانتا تھا۔" جب آنحضرت کی عمر چالیس برس کی ہوئی۔ تو آپ اس سے پیشتر سے خلوت کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ اور کئی کئی دن غار حرا میں تنہائی اور عبادت میں گذارنے لگے۔ ان ایام میں آپ رویائے صادقہ یعنی سچے خواب دیکھتے تھے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کا ویسا ہی ظہور ہوتا۔ لہذا رمضان کے مہینہ میں آپ غار حرا میں مشغول عبادت

آگئی تھے۔ کہ حضرت جبرئیل آپ کے سامنے آئے۔ اور فرمایا۔ اقرأ یعنی پڑھو۔ آپ نے گھبرا کر کہا مجھکو پڑھنا نہیں آتا۔ دوسری دفعہ فرشتہ نے آپ کے جسم مبارک کو دبا کر یہی کہا۔ کہ پڑھو حضور علیہ السلام نے ڈرتے ڈرتے پھر یہی فرمایا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا حتی کہ تیسری مرتبہ اس فرشتہ نے اس قدر بھینچا اور مندرجہ عنوان پانچ آیات پڑھائیں۔ جن میں اگر ایک طرف یہ بتایا۔ کہ بیشک آپ تو پڑھنا نہیں جانتے۔ مگر اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھیے۔ جو کام آپ نہیں کر سکتے اس کو خدا کی مدد آسان کرے گی تو دوسری طرف آپ کی عظمت و شان آپ کے ذریعے سے جو علوم پھیلنے والے تھے ان کا ذکر کیا۔ یہ پہلا دن تھا جو نبوت کا بارِ گراں آپ کے سر پر ڈالا گیا۔ اور بتا دیا گیا کہ وہ راستہ جس کی تلاش میں آپ تھے۔ اور وہ راز جس کی وجہ سے آپ حیران اور سرگرداں تھے۔ آخر آپ پر کھول دیا گیا۔ اس کے بعد وہ فرشتہ غائب ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام جمال و جلال الٰہی سے لبریز خوف و ہراس میں بھیگے ہوئے گھر آئے۔ اور حضرت خدیجہؓ سے کانپتے ہوئے فرمایا۔ مجھکو کمبل اڑھا دو۔ تھوڑی دیر بعد جب کچھ خوف دور ہوا۔ تو حضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ سے غار حرا کا تمام واقعہ بیان کیا۔ جسے سنکر حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیکر کہا۔ کیا آپ عزیز و اقارب سے حسن سلوک نہیں کرتے؟ کیا آپ مہمان نوازی نہیں فرماتے؟ کیا آپ بیکسوں کی چارہ سازی نہیں کرتے؟ کیا آپ غریبوں کی مدد نہیں فرماتے؟ کیا آپ بنی آدم کی بھلائی نہیں چاہتے؟ کیا آپ ہر ذی روح کی تکلیف پر تڑپ نہیں جاتے؟ کیا آپ کمزوروں اور ضعیفوں کے بوجھ اپنے سر پر اٹھا کر نہیں پہنچاتے؟ اے ابو القاسم! مبارک ہو۔ تم کو خدا نے یقیناً نبوت کے لئے منتخب کر لیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ آج ہی سے نبی آخر الزماں مقرر ہو گئے۔ بس خدا کے مقرب بندہ کو کسی بات کا خوف نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ حضورؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کیونکہ وہ اس زمانہ کا بڑا عالم اور کتب سماویہ کا ماہر تھا۔ جس وقت حضرت خدیجہ ورقہ بن نوفل کے سامنے پہنچیں۔ اس وقت وہ عبرانی زبان میں انجیل کو نقل کر رہا تھا۔ آنے کا باعث دریافت کرنے پر خدیجہ نے جواب دیا۔ اے بھائی! ان صاحب کے ساتھ (یعنی حضور علیہ السلام) ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے۔ اس نے آنحضرتؐ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ فرمائیے وہ کیا واقعہ ہے۔ آپ نے نہایت صفائی

اور سہولت سے غار حرا کا تمام واقعہ بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفل نے یہ واقعہ سنتے ہی کہا یہ وہی ناموس (یعنی جبرائیل فرشتہ) ہے جس کو خدا نے موسیٰ کے پاس بھیجا تھا۔ پھر حضور صلعم سے فرمایا۔ کاش میں آپ کے زمانہ نبوت میں جوان ہوتا تو ضرور آپ کی مدد کرتا۔ اور حضرت خدیجہؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اے خدیجہؓ تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہارا شوہر نبی آخر الزماں ہے۔ میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ پھر آنحضرت سے کہا کہ آپ رسالت کا کام اور دعوت حق شروع کر دیجئے۔ اگرچہ قوم آپ کو بہت زیادہ تکلیفیں دیگی اور آپ کا دعویٰ بالکل سچا ہوگا۔ لیکن قوم کے دلوں پر یک بیک اس کی صداقت کا اثر پڑنا مشکل ہے۔ اور میرے خیال میں آپ کو اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑیگا خیر جو کچھ بھی ہو آپ کلمۃ الحق کا اعلان کیجئے۔ اور بے کھٹکے قوم کو دعوت دیجئے۔ اگر میں زندہ رہا تو آپ کی مدد کرونگا۔ حضور علیہ السلام اور خدیجۃ الکبریٰ ورقہ بن نوفل کے ہاں سے واپس آئے۔ اور بی بی صاحبہ سب سے پہلے آنحضرت کی نبوت پر ایمان لائیں اور سب سے پہلے جنت اسلام قبول کی چونکہ حضرت خدیجہؓ کو پہلے سے آنحضرت کے نبی آخر الزماں ہونیکا یقین تھا اس وجہ سے تامل کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اس کے بعد بچوں میں حضرت علیؓ۔ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ ورقہ بن نوفل اور زید آزاد شدہ غلام نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد چند دنوں تک آپ نے کسی فرشتہ کو نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی قسم کی آواز سنائی دی۔ لیکن تین ماہ کے بعد ایک روز آپ نے جبریل کو پھر اسی صورت میں دیکھا آپ اُن کی شکل دیکھتے ہی کمبل اوڑھکر لیٹ گئے۔ تو ان آیات میں وحی نازل ہوئی۔ جن کا ترجمہ یہ ہے (اے جو کمبل میں لپٹے پڑے ہو۔ اُٹھو اور لوگوں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ اور اپنے پروردگار کی بزرگیاں بیان کرو۔ یہ وحی کے دونوں واقعے ۶۰۹ء کے ہیں حضور یہ حکم خدا سنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ کی طبیعت میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے آپ کی پہلی حالت کو بالکل بدل دیا۔ اس صدائے دلنواز نے آپ کے دلی یقین کو اس راسخ الاعتقاد عقیدہ سے بدل دیا کہ فی الواقع خداوند کریم یکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ وہ معبود حقیقی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اور دنیا کے کارخانہ کو سنبھالے ہوئے

ہے۔سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لئے جو الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا کئے وہ یہ ہیں۔"معبود حقیقی وحدہ لاشریک ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔وہ اکیلا ہے۔یکتا ہے۔بے نیاز ہے۔وہ تمام مخلوق کو پالتا اور ہر جاندار کو رزق پہنچاتا ہے۔ہر ایک چیز اسی نے پیدا کی ہے۔اور وہی کائنات کی تمام نعمتوں کا مصدر اور سرچشمہ ہے۔دنیا کے عظیم الشان کارخانہ کا ہر ایک ذرہ۔دریاؤں کا ہر ایک قطرہ۔درختوں کا ہر پتہ اسی معبود حقیقی کی تحمید و تقدیس میں مصروف ہے۔اس صدائے توحید پر عورتوں میں سب سے پہلے اُم المومنین حضرت خدیجہؓ نے صدائے تصدیق۔صدقتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند کیں اور سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں۔لڑکوں میں آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق۔زید۔ورقہ بن نوفل ایمان لائے۔لیکن جب اور لوگوں نے وحی کے واقعہ کو سنا۔تو بعض یہ کہنے لگے کہ پہاڑوں میں اکیلے بیٹھے بیٹھے۔اور ریاضت سے نعوذ باللہ منہا محمدؐ کے قلب و دماغ ماؤف ہو گئے ہیں۔اور جنون میں نئی نئی باتیں سناتا ہے۔جواب تک نہ دیکھیں نہ سنیں۔یہ عجیب بات ہو۔پہلے تو ایسا نہ تھا۔شریف ترین گھرانے میں پیدا ہوا ابھی تھوڑے ہی دنوں پہلے مہذب شائستہ۔نیک نفس۔اور ستودہ خصال شخص تھا تمام لوگوں میں اپنے اخلاق حسنہ اور عام انسانی ہمدردی کے باعث مقبول اور مشہور خلق تھا۔نہیں معلوم اب اُسے کیا ہو گیا ہے۔جو یہ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں۔اور خدا نے مجھے سارے عالم کی رہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔خدا کا فرشتہ جبرئیل یعنی ناموس، جو آسمان سے اتر کر ابراہیم۔اسمٰعیل۔موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔وہی میرے پاس خدا کے احکام لاتا ہے۔لہٰذا کفار نے اسی طرح آپ کو جھٹلایا۔جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔جو جس کے جی میں آتا تھا سناتا۔لیکن آپ ہر شخص کے سوال کا معقول جواب دیتے تھے۔اس روز سے ہر ضرورت کے مطابق آپ پر وحی نازل ہونے لگی لیکن مکہ میں جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام نے پرانے کعبہ کی نشانیوں پر بیت اللہ بنایا تھا تو اس میں حسب ملت ابراہیمی خدا کی عبادت ہوتی تھی۔اس وقت

خانہ کعبہ میں کسی بُت کا وجود نہ تھا۔ مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ لوگوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی گئی۔ کہ وہ اپنے بزرگوں کی مورتیں کعبے میں رکھیں اس لئے کہ وہ خدا کے نیک بندے تھے۔ اور بت ان کی ہم صورت ہیں۔ خدا اُن بزرگوں کی زیادہ سُنتا تھا۔ اب اُن کی مورتوں کی وجہ سے ہم پر کرم کرے گا۔ اس خیال سے بتوں کی پرستش ہونے لگی۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ خیال ترقی کرتا گیا حتیٰ کہ اس حد تک پہنچ گیا کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ قائم ہو گیا کہ ہمارے بت خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت اور سفارش کریں گے اور اُن کے ذریعہ سے ہماری دعائیں جلد قبول ہو جاتی ہیں۔ عرصہ دراز سے عرب کے قبیلوں میں بتوں کے پوجنے کا رواج تھا۔ بعض گروہ ادب سے اُن کے سامنے کھڑے ہو کر جھک جاتے تھے۔ اور سجدے کرتے تھے۔ بعضے تالیاں اور سیٹیاں بجا بجا کر انھیں بجھاتے تھے۔ اور انھیں کے نام پر اونٹوں کو سانڈ بنا کر چھوڑتے تھے۔ اچھی اچھی اونٹنیوں کو ان کا چڑھاوا دیکر آزاد کر دیتے تھے۔ کہیں کا سفر کرتے تو خانہ کعبہ کے ارد گرد سے کوئی نہ کوئی پتھر اٹھا کر ہمراہ رکھ لیتے جس کو روزانہ صبح و شام پوجتے تھے۔ البتہ سال بھر میں اُن لوگوں نے یہ عام قاعدہ مقرر کر لیا تھا۔ کہ چار مہینے لڑائی جھگڑے، قتل و خونریزی۔ حرام سمجھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے چار مہینے زمانہ جاہلیت میں بھی شہر الحرام کے نام سے مشہور تھے۔ اور انھیں مہینوں میں لوگ حج کعبہ کے لئے سفر بھی کرتے تھے۔ ذی الحجہ کے مہینے میں حج کعبہ کی رسم تو ادا کی جاتی تھی لیکن اس میں نہایت مخرب اخلاق من گھڑت رسمیں ایجاد ہو گئی تھیں۔ کعبہ کے گرد بیٹھ کر سر ہلاتے تھے۔ کوہ صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان چھلانگیں مارتے ہوئے دوڑتے تھے۔ ابتدا میں جب آنحضرت صلعم نے دعوت کا کام شروع کیا تو زیادہ تر مخفی طور پر کرتے تھے۔ اور جب کعبہ میں آپ کو اور آپکے ساتھیوں کو نماز میں دیکھ دیا گیا تو چھپ کر نماز ادا کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ صفا میں ارقمؓ کا گھر مقرر ہوا۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کے حکم ہوا۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (ترجمہ) جن باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اُن کو کھول کر بیان کرو۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (ترجمہ) یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ تو آپ نے دعوتِ اسلام کو عام کیا۔ اور سب سے پہلے ایک دن کوہ صفا پر چڑھکر

قریش کے ایک ایک قبیلہ کو پکارنا شروع کیا۔ یہانتک کہ سب جمع ہو گئے۔ تو آپ نے اُن سے پہلے
پوچھا۔ کہ کیا تم نے آجتک میری زبان سے کوئی لفظ جھوٹ سنا ہے۔ سب نے یکزبان ہوکر کہا ہرگز
نہیں۔ ہم سب آپ کو صادق اور امین جانتے ہیں۔ تب آپنے اللہ تعالےٰ کا پیغام ان لوگوں کو پہنچایا
کہ بُت پرستی اور بُری باتوں کو چھوڑکر توحید الٰہی اور نیکی کی طرف آئیں۔ یہ سُنتے ہی کہ ہم سے بت پرستی
ترک کرائی جاتی ہے وہ بگڑ گئے۔ اور ابو لہب نہایت درشتی سے پیش آیا۔ اس کے بعد
وہ آپ کا جانی دشمن ہو گیا۔ بلکہ اس نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ ایام حج میں جب نبی صلعم لوگوں کو
خدا کا پیغام سُناتے۔ جو عرب کے مختلف مقامات سے جمع ہوتے۔ تو یہ پیچھے پیچھے کہتا پھرتا کہ یہ ہمارا
بھتیجہ مجنون ہو گیا ہے۔ اس کی باتوں کی طرف توجہ کرنا۔ جب قریش نے یہ حالت دیکھی۔ کہ ایک طرف
ایذاؤں اور رکاوٹوں سے آنحضرت صلعم کی دعوت اسلام کے کام پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اور دوسری
طرف آپ کے معتقدوں نے ان تکلیفوں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے وطن تک چھوڑ دیا پر
اسلام کو نہیں چھوڑا۔ تو انھوں نے فیصلہ کیا۔ کہ بغیر اس کے کہ آنحضرت صلعم کا وجود مکہ سے مٹا دُ
جائے۔ اور کوئی ذریعہ اس تحریک کے روکنے کا نہیں ہے۔ عرب میں ہر قبیلہ اپنے لوگوں کی حفاظت
کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اس لئے جب آنحضرت کو قتل کرنیکی کوششیں ناکام ہوئیں۔ تو قریش نے یہ چاہا
کہ کُھلے طور پر آنحضرت صلعم کا کام تمام کرنیکا ابو طالب سے فیصلہ کیا جائے۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ
اُن کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ ایک وفد اشرافِ قریش کا اس غرض کے لئے ابو طالب کے پاس پہنچا
جن میں ابو جہل اور دیگر بڑے بڑے سرداران قریش تھے۔ اور ابو طالب کو اپنا ہم خیال بنانے
کے لئے اس پیرائے میں گفتگو شروع کی۔ کہ تمہارا بھتیجہ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے۔ ہمارے
دین کو عیب لگاتا ہے۔ ہمیں بیوقوف بتاتا ہے۔ ہمارے باپ داداؤں کو گمراہ ٹھیراتا ہے۔ پس یا تو
تم خود اس کو روکدو۔ یا ہمیں اجازت دو کہ جو معاملہ چاہیں اُس سے کریں۔ کیونکہ تم خود بھی اسی مذہب
پر ہو جس پر ہم ہیں۔ اور دین کے بارے میں اس کے مخالف ہو۔ ابو طالب نے ان کو نرمی کیساتھ
سمجھا کر رخصت کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ قریش نے جو الزام آنحضرت پر لگائے تھے۔ وہ محض مبالغہ تھا

نبی کریم صلعم اُن کے معبودوں کو ہرگز گالیاں نہ دیتے تھے۔ کیونکہ قرآن کریم تو صاف فرماتا ہے لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ (ترجمہ) جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں تم اُن کو گالی مت دو۔ اور اس زمانہ میں جو قرآن شریف نازل ہوا تھا اُسے پڑھکر ہر شخص اب بھی دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کریم میں کسی قوم کے کسی بزرگ کو گالی نہیں دیگئی ہے۔ ہاں یہ ذکر قرآن شریف میں ضرور آتا ہے۔ کہ یہ بت تمھیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ نہ تمہارے نقصان کو دور کر سکتے ہیں شرک اور بت پرستی بری چیزیں ہیں۔ بس اسی کو کفار قریش نے ابو طالب کو جوش دلانے کے لئے آنحضرت پر جھوٹا الزام لگایا۔ جب کچھ عرصہ گذر گیا۔ اور نبی کریم صلعم حسب معمول اپنے دعوت کے کام میں لگے رہے۔ اور پیغام حق بہت سے دلوں پر اثر کرتا چلا گیا۔ قریش نے جب دیکھا۔ کہ آپ نے اپنی دعوت کو نہیں چھوڑا۔ تو پھر ایک وفد ابو طالب کے پاس پہنچا۔ اور اس دفعہ مصمم ارادہ کرکے گئے۔ کہ قطعی فیصلہ کر کے آئینگے۔ چنانچہ انھوں نے ابو طالب کو اپنا پہلی دفعہ آنا بھی یاد دلایا۔ اور کہا کہ اب ہم اس سے زیادہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔ بس یا تم اپنے بھتیجے سے الگ ہو جاؤ۔ اور یا خود بھی اس کے ساتھ مل جاؤ۔ تاکہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ اور جنگ ہو کر ہم دونوں میں سے ایک فریق ختم ہو جائے۔ یہ قریش کی طرف سے اعلانِ جنگ کی دھمکی تھی۔ اور یہ موقع ابو طالب کے لئے نہایت مشکل تھا۔ کیونکہ ایک طرف قوم سے مقابلہ بھی کرنا ان کو مشکل نظر آتا تھا۔ دوسری طرف آنحضرت کی محبت ان کے دل میں ایسی جاگزیں تھی۔ کہ وہ آپ کو بھی چھوڑ نہ سکتے تھے۔ اس حالت کشمکش میں انھوں نے آنحضرت کو بلایا۔ اور جو کچھ قریش کہہ گئے تھے آپ سے دہرا کر کہا۔ کہ بیٹا! مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کرو۔ اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسکو میں اٹھا نہ سکوں۔ یعنی قوم کے مقابلہ کی مجھ میں تاب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا۔ کہ قوم تو سب پہلے ہی سے دشمن ہے صرف ابو طالب کے درمیان میں حائل ہونیکی وجہ سے وہ آسانی کے ساتھ آپ کو قتل نہیں کر سکتے۔ سو ابو طالب بھی اب آپ کا ساتھ چھوڑتے ہیں۔ اور ان کی علیحدگی کے یہ صاف معنے ہیں۔ کہ اب دنیا میں کوئی انسان آپ کو دشمنوں کے شر سے بچانے میں معاون نہ ہوگا۔ ساتھی سب الگ ہو کر جوش

میں جا چکے ہیں۔ قوم دشمن ہے اور ایسی خطرناک دشمن کہ جان لینے کے درپے ہے۔ آپ کے پیغام کو سننے والے معدوم ہیں۔ مگر کیا ہی ثبات اور استقلال کا نمونہ ہے جو اس وقت آپ نے دکھایا۔ اور کوئی مایوسی کا خیال آپ کے دل میں نہیں آیا۔ بلکہ آپ کے پاس یہ وہم ہی نہ پھٹکا۔ کہ جان کو بچانا مقدم ہے۔ اس وقت بات کو مان لو۔ اور پھر کوئی طریق سوچا جائے۔ پھر دوست کسی اور جگہ دعوت اسلام کا کام کیا جائے۔ دیکھو آنحضرت کو اللہ تعالے کی حفاظت پر کس قدر بھروسہ ہے۔ کہ کسی انسان کی حفاظت کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ اودھر ابو طالب کی زبان سے وہ کلمات نکلے ہیں۔ اودھر نبی کریم صلعم جواب میں فرماتے ہیں۔ "اے چچا! اگر سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں دیں۔ اور کہیں کہ میں تبلیغ اسلام کو چھوڑ دوں۔ تو میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ یہانتک کہ اللہ اس کو غلوب کرے۔ یا میں تبلیغ کا کام کرتے کرتے مر جاؤں۔ آپ نے اس بات کا مطلق خیال نہ فرمایا کہ میں اس چچا کو جو مجھ سے دلی محبت کرتا ہے۔ اور جو اب تک دشمنوں کے مقابلہ میں میری حفاظت کے لئے میرا سینہ سپر بنا رہا ہے۔ ایسا جواب دیتا ہوں جو اس کی منشا کے خلاف ہے۔ اور آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور چشم پرنم اشکر چل دیئے ابو طالب نے گو بظاہر اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کیا تھا مگر حضور کے اخلاق نے انھیں سچے دل سے گرویدہ کر لیا تھا۔ اور آپ کو چھوڑنا ان کے لئے موت سے بدتر تھا۔ اودھر بحیرہ راہب کی پیشگوئی پر کامل یقین تھا کہ یہ ضرور نبی آخر الزماں ہیں۔ انھوں نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بلایا۔ اور کہا اے بھتیجے جا اور جو دل چاہتا ہے کر میں کسی صورت میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا مجھے یقین ہے کہ تو خدا کا برگزیدہ بندہ اور نبی آخر الزماں ہے۔ اودھر قریش کو یقین تھا کہ ابو طالب آخر اعلان جنگ پر آنحضرت کو چھوڑ دیں گے۔ مگر جب ان کو ابو طالب کے فیصلہ کا علم ہوا تو وہ بہت حیران ہوئے۔ باہمی قبائل میں جنگ چھڑ جانا بھی ان کو نہایت خطرناک نظر آتا تھا۔ جس سے قریش کا خاندان تباہ ہو جاتا اور ان کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ جاتی اس لئے انھوں نے پھر ایک دفعہ ابو طالب سے بجائے دھمکی دینے کے لالچ دیکر آنحضرت کو لینے کی کوشش

کی اور عمارا بن ولید کو جو ایک نہایت خوبصورت نوجوان تھا اپنے ساتھ لیکر گئے۔ اور ابوطالب سے
کہا کہ تم عمار کو اپنا بیٹا بنالو۔ اور محمد صلعم کو ہمارے سپرد کر دو۔ تاکہ ہم اُسے قتل کردیں۔ کیونکہ وہ تمہارے
اور تمہارے بزرگوں کے دین کا دشمن ہے۔ ابوطالب نے کہا کیا خوب۔ یہ عجیب بات ہے۔ تم چاہتے
ہو کہ میں ولید کے بیٹے کو لیکر اس کی پرورش کروں اور تم میرے بیٹے کو لیکر قتل کرد و۔ واہ واہ یہ
کیا انصاف ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اگر محمدؐ کی طرف کوئی کڑی نظر سے دیکھیگا تو اس کی آنکھیں
نکال لی جائینگی۔ اور جو جو محمدؐ کو قتل کرنا چاہیں گے اُن کے سر اس زمین پر خاک میں لوٹتے نظر
آئینگے۔ لہٰذا قریش ناکام پھرے۔ ادھر ابوطالب نے یہ سمجھکر کہ اب بنی ہاشم کے قریش دشمن ہوجائینگے
اور ان کی تباہی پر پورا زور لگا دینگے۔ اس خیال سے تمام بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان سے کہا تم لوگوں
کی کیا رائے ہے؟ محمدؐ کو قریش قتل کرنے کے لئے مانگتے ہیں۔ کیا انھیں اُن کے حوالہ کر دیا جائے۔
سوائے ابولہب کے سب نے بالاتفاق جواب دیا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ چاہے ہماری جانیں جائیں لیکن
محمدؐ قریش کے حوالہ نہ کئے جائینگے۔ تو ابوطالب نے کہا کہ اچھا اس کی حفاظت کے لئے تیار ہوجاؤ۔
بس وہ سب کے سب آپ کی حفاظت کے لئے اپنی اپنی جان و مال سے تیار ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ آپ کے اخلاق کے گرویدہ صرف ابوطالب ہی نہ تھے بلکہ بنی ہاشم کے سارے گھرانے کو آپنے
اپنے اخلاق حمیدہ کا اس قدر گرویدہ کر رکھا تھا کہ باوجود اختلاف مذہب کے وہ سب آپ کی حمایت
میں اپنی قوم سے لڑنے مرنے کو تیار ہوگئے۔ لیکن قریش ابھی تک کوشش کرنے سے ہمت نہارے
تھے۔ اگر دھمکی اور تکلیف پہنچا کر وہ آنحضرت کو روک نہ سکے۔ تو اب لالچ دیکر روکنا چاہا۔ چونکہ دنیاداروں
کا خیال دنیوی مال و جاہ تک محدود ہوتا ہے۔ اور ابوطالب اور بنی ہاشم کو اس قدر آپ کی حمایت
میں سخت پاکر اب انہوں نے یہ چاہا کہ حضورؐ کو براہِ راست لالچ دیں۔ چنانچہ پھر ایک وفد آپ کی
خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تین باتیں آپ کی خدمت میں پیش کیں (اوّل) اگر آپ دولت چاہتے
ہیں تو جس قدر مال آپ چاہیں ہم سب اکٹھا کرکے آپ کو دینے کے لئے تیار ہیں۔ (دوم) اگر آپ
عزت اور حکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار اور بادشاہ بنانے پر رضامند ہیں (سوم)

اگر آپ کو حسن و جمال کی خواہش ہو، تو خوبصورت سے خوبصورت اور شریف سے شریف خاندان کی لڑکی جس کو آپ چاہیں ہم آپ کی زوجیت میں دینے کو تیار ہیں۔ مگر اس قلب مقدس میں دنیا کے مال و عزت کی خواہش کبھی بچپن سے نہ آئی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے نہ مال و دولت کی خواہش ہے۔ اور نہ حکومت کی آرزو۔ مجھے تو خدا نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ میں تم کو خدا کا پیغام پہنچا رہا ہوں اگر اس کو قبول کر لوگے تو دنیا اور آخرت میں خوشحال رہوگے۔ ورنہ خدا مجھ میں اور تم میں فیصلہ کرے گا۔ اس جواب کو سنکر اب قریش آپکی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے۔ نہ وہ تکلیفیں پہنچا کر آپ کو روک سکے، نہ بڑے سے بڑا لالچ دیکر اسلام کے کام میں روڑا اٹکا سکے۔ واقعی یہ لالچ کس قدر بڑا تھا اور آپکے دکھ اور تکلیفیں کس انتہا کو پہنچ چکی تھیں کہ اگر اللہ تعالےٰ نے آپ کو ثابت قدمی عطا نہ فرمائی ہوتی۔ تو کوئی انسان بھی اس قدر تکلیفوں اور اس قدر مشکلات اور ایسے لالچوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ بس انہی امور کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْــٴًـا قَلِیْلًا ۔ (ترجمہ) اگر ہم نے تجکو ثابت قدم نہ کر دیا ہوتا۔ تو بھی باوجود اپنی فطری ثابت قدمی، استقلال۔ اور عزم کے قریب تھا کہ تھوڑا سا اُن کی طرف جھک جاتا"۔ یعنی دکھ اور لالچ اس حد کو پہنچ گئے تھے۔ کہ مضبوط سے مضبوط انسان کا قدم بھی پھسل جاتا۔ مگر خدائی تائید نے یہ نہ ہونے دیا۔ بس چاروں طرف سے مایوس ہو کر قریش نے اپنا آخری ہتھیار استعمال کیا۔ بعثت نبوی کو ساتواں سال ہو گیا تھا۔ اکثر مسلمان کفار کی زد سے نکل کر حبش پہنچ چکے تھے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ اسلام لا چکے تھے۔ ابو طالب آپ کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر چکے تھے۔ اور کل بنی ہاشم اپنے جان و مال سے سوائے ابولہب آپکی حمایت پر طیار ہو چکے تھے۔ اور ہر ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں اسلام اثر کرتا چلا جاتا تھا۔ تب قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی ہاشم کو بالکل علیحدہ کر دیں۔ اور نبی کریمؐ کو دوسرے قبیلوں تک پہنچنے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ سنہ ۷ نبوی میں انہوں نے کل بنی ہاشم کے بائیکاٹ کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ نہ ان سے شادی اور بیاہ کا معاملہ کرینگے (یعنی نہ بنی ہاشم کو اپنی لڑکی دینگے۔ نہ اُن کی لڑکی لینگے)

اور نہ اُن سے خرید و فروخت کا معاملہ کرینگے۔ اور معاہدہ کو ایک کاغذ پر لکھکر خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ ادھر جب بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب نے یہ دیکھا۔ تو وہ ابو طالب کے ساتھ مکہ کے ایک علیحدہ حصہ میں جو شعب ابی طالب کے نام سے موسوم تھا اس غار میں محصور ہو گئے۔ صرف ابو لہب الگ ہو کر آنحضرت کے دشمنوں سے جاملا۔ یہاں تقریباً تین سال تک کل بنی ہاشم نہایت تکلیف کی حالت میں رہے۔ کیونکہ خرید و فروخت بند تھی۔ اور بعض وقت بھوک سے موت تک نوبت پہنچتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھوک کے مارے بلبلاتے۔ تو اُن کے رونے کی آواز سے بعض دلوں میں درد پیدا ہوتا۔ اور کچھ لوگ خفیہ طور پر غلہ وغیرہ شعب کے اندر پہنچا دیتے۔ مگر ابو جہل اس کی سخت نگرانی کرتا تھا۔ چنانچہ حکیم بن حزام نے جب کچھ سامان خوراک حضرت خدیجہ کو بلحاظ تعلق قرابت پہنچانا چاہا تو ابو جہل مخل ہوا۔ مگر ان تمام مصائب میں جو بنو ہاشم رسول اکرم کی خاطر برداشت کر رہے تھے۔ اُن کا قدم ذرا نہیں ڈگمگایا۔ اگر حضور کی عزت ان کے دلوں میں نہ ہوتی تو اس قدر مصائب کو ایک انسان کی خاطر وہ ہرگز برداشت نہ کرتے۔ ادھر رسول اللہ صلعم کا تبلیغ کا کام سوائے موسم حج کے کل قبیلوں میں سے رک گیا صرف بنی ہاشم تک محدود رہ گیا۔ ایام حج میں جب آپ باہر نکلتے اور دعوتِ اسلام کا فرض ادا کرتے۔ تو ابو لہب ساتھ ساتھ اپنی عداوت کا اظہار کرتا چلا جاتا۔ لوگوں سے کہتا پھرتا کہ اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا۔ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ یہ مجنون ہے۔ اس کی کوئی بات قابل یقین نہیں ہے چنانچہ آنحضرت جب کسی سے کچھ بات کرنا چاہتے۔ تو وہ لوگ جواب دیتے کہ تمہارے اپنے لوگ تمہیں خوب جانتے ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں کیوں نہیں مانتے۔ غرض یہ زمانہ ایک طرف بنو ہاشم پر تکلیف کا زمانہ تھا۔ تو دوسری طرف دعوت اسلام کے لحاظ سے بھی اس زمانہ میں بجد مشکلیں پیدا ہو گئیں۔

اسی اثنا میں بعض نرم دل لوگ اس سختی پر جو بنو ہاشم پر کیگئی افسوس کرتے تھے۔ اور کئی لوگ علانیہ باتیں کرنے لگے کہ یہ سختی درست نہیں۔ چنانچہ اشراف قریش میں سے پانچ آدمی اس بات پر متفق ہو گئے یعنی ہشام۔ زہیر۔ مطعم بن عدی۔ ابو البختری۔ زمعہ بن اسود۔ اور انھوں نے

باہم یہ عہد کرلیا۔ کہ اس اقرار نامہ کو پھاڑ دیں گے۔ اتنے میں ایک اور واقعہ خدائے تعالیٰ کی طرف
سے ظاہر ہوا۔ کہ معاہدہ کا کاغذ جو خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا۔ اس کو دیمک کھا گئی۔ آنحضرتؐ نے
اس کا اظہار ابوطالب سے کیا۔ ابوطالب نے ایک دن شعب سے باہر نکل کر سردارانِ قریش کو
ان کے ظلم پر توجہ دلائی۔ اور ساتھ ہی کہا۔ کہ تمہارا معاہدہ دیمک نے کھا لیا ہے۔ اور یہ ایک نشان
ہے کہ اس سے تم لوگ دستبردار ہو جاؤ۔ چنانچہ یہی فیصلہ ہوا۔ کہ اگر معاہدہ کھایا ہوا نکلے تو اُسے
کالعدم سمجھا جائے۔ چنانچہ معاہدہ دیکھنے پر کرم خوردہ ثابت ہوا۔ ادھر وہ لوگ جو سختی پر پہلے ہی افسوس
کر رہے تھے۔ مسلح ہو کر شعب ابی طالب کے دروازہ پر آگئے اور اپنے آپ کو اس معاہدہ کا مخالف
ظاہر کیا۔ جو لوگ محصور تھے ان سب کو باہر نکال کر اپنے اپنے گھروں میں بھیج دیا۔ اور کسی کو مخالفت
کی جرأت نہ ہوئی۔ شعب ابوطالب میں یہ سب بنو ہاشم سنہ ۷ نبوی میں محصور ہوئے اور سنہ ۱۰ نبوی میں
باہر نکالے گئے۔ اس کے بعد سنہ ۱۰ء میں آپ کے چچا ابوطالب نے وفات پائی۔ ابوطالب کو جس قدر
آپ سے محبت تھی اسی قدر آنحضرتؐ کو بھی ان کے ساتھ الفت تھی۔ گو بعض علمائے تاریخ کا مقولہ ہے
کہ وہ آخر تک اسلام نہیں لائے۔ مگر انھوں نے قریش کو جواب دینے کے بعد جو کچھ آنحضرتؐ سے
گفتگو کی۔ اس گفتگو کی بنا پر ہر منصف مزاج انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ ابوطالب کا محبت آمیز ایمان
تھا۔ وہ حضور کی نبوت کے دل سے قائل تھے۔ اور آنحضرت کی محبت کے مقابلہ میں اپنے جان و مال
کی بھی پرواہ نہ کی۔ پس ایسی حالت میں ان کا اسلام کی تصدیق نہ کرنا ایک کھلم کھلا ظلم ٹھیرے گا
لیکن ابوطالب کی جدائی آپ کے لئے بڑا بھاری صدمہ تھا۔ اس کے تھوڑے ہی دن بعد حضرت
خدیجہؓ کی وفات ہوگئی۔ انھوں نے جو کچھ خدمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اسلام کی کی تھی
وہ اظہر من الشمس ہے۔ اور جس طرح حزن و غم کے اوقات میں آپ کی تسکین کا موجب ہوئی تھیں وہ
بھی تمام زمانہ پر روشن ہے۔ ان کے انتقال کا بھی آپ کو بڑا بھاری صدمہ تھا اس وجہ سے سنہ ۱۰ نبوی
مطابق ۶۲۰ء کے عام الحزن کے نام سے مشہور ہے یعنی غم کا سال کیونکہ آپ کے دو ایسے رفیق
اور غمگسار اٹھ گئے۔ جن سے آپ کو بہت کچھ تقویت تھی۔ اب مکہ میں رہ کر دعوت اسلام کا کام جاری

رکھنا آنحضرت کے لئے اور بھی مشکل ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کو آپ کا کوئی لحاظ باقی نہ رہا۔ لیکن اس بات پر کہ اللہ تعالےٰ آپ کو مظفر و منصور کریگا۔ آپ کا ایمان اس وقت بھی برابر ایسا ہی تھا۔ چنانچہ ایک دن جب آپ اس حالت میں کہ راہ چلتے چلتے آپ پر مٹی پھینک دی گئی۔ گھر پہنچے اور آپ کی صاحبزادی کپڑوں سے مٹی جھاڑتی اور روتی بھی تھیں۔ تو آپ نے ان الفاظ میں انھیں تسلی دی کہ "رو نہیں اللہ تعالےٰ تمہارے باپ کی مدد کرے گا"۔ آپ کو یقین کامل تھا کہ ملک عرب اسلام قبول کریگا اور آپ کی غلامی میں آئیگا۔ اگر آپ کو صرف اپنی زندگی کی حفاظت مدنظر ہوتی۔ تو یہ ایک آسان بات تھی کہ آپ ملک حبش کو ہجرت کر جاتے۔ مگر اس کے یہ معنے ہوتے کہ عرب سے آپ مایوس ہو گئے۔ آپ کو مایوسی کے تمام سامان ہیچ نظر آتے تھے۔ آپ کا دل یقین کامل سے بھرا ہوا تھا۔ کہ یہی لوگ جو آج دشمن ہیں کل کو جان نثار بنیں گے۔ مکہ والوں کی سخت دلی کو دیکھکر آپ نے طائف کا رخ کیا۔ کہ شاید وہاں کے لوگ کچھ نرم ثابت ہوں۔ اور اپنی بھلائی کی باتوں کو جلد قبول کرلیں۔ لہذا زید کے ساتھ آپ طائف پہنچے اور سب سے پہلے آپ وہاں کے سب بڑے خاندان کے تین معزز بھائیوں کے پاس گئے۔ مگر ان تینوں نے آپ کے ارشادات کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ آپ کوئی دس دن کے قریب وہاں ٹھیرے۔ اور یکے بعد دیگرے وہاں کے لوگوں کو پیغام اسلام پہنچایا۔ مگر یہ دنیا پرست کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ کہ سرور دو عالم اس بیکسی کی حالت میں پھر رہا ہے۔ کہ اس کی اپنی قوم اس کی دعوتوں کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ ہر طرف سے یہی جواب ملتا کہ اگر تم سچے ہو تو پہلے اپنی قوم کو منواؤ۔ آخر آپ کو پیغام دیا گیا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن جونہی آپ چلے بازاری لوگوں نے رؤسا کے اشارہ سے آپ کا مضحکہ شروع کیا۔ شہر کے باہر راستہ کے دونوں طرف دور تک لوگ پھیل گئے اور جونہی آپ ان کے درمیان سے گذرنے لگے۔ آپ کی ٹانگوں پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ جب آپ لہولہان ہو کر بیٹھنے لگتے تو ان میں سے کوئی بدبخت آتا اور ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتا کہ یہاں سے چلے جاؤ یہاں تمہارے ٹھیرنے کا کیا کام ہے۔ وہ تین میل تک یہی حالت رہی اور آپ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ نعلین

مبارک خون سے بھر گئیں۔ آخر جب بدمعاشوں نے آپ کا پیچھا چھوڑا تو آپ کچھ آرام لینے کیلئے
ایک باغیچہ میں بیٹھ گئے۔ یہ باغ ایک کافر **عتبہ بن ربیعہ** کا تھا مگر آپ کو اس مظلومیت کی حالت
میں دیکھکر اس کو رحم آیا اور اپنے ایک غلام **عداس** نامی کے ہاتھ انگور کے خوشے آپ کے لئے بھیجے
یہ ایک عیسائی غلام تھا۔ جب آنحضرت صلعم نے بسم اللہ کہکر انگور کی طرف ہاتھ بڑھایا، تو اُسے تعجب
ہوا۔ اور دریافت کرنے پر آپ نے اُسے اپنے منصب سے آگاہ کیا اور کچھ ہدایت فرمائی۔ یہ سنکر وہ
آپ پر فوراً ایمان لے آیا۔ آپ نے اپنے آپ کو اس بیکسی کی حالت میں پاکر اور چاروں طرف سے مخلوق
کا اس قدر ظلم و ستم دیکھکر آپ ذات باری کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر دو اس حال میں آ کے اندر کوئی مایوسی
کا خیال پیدا ہوا ہو۔ یا آپ کی زبان پر کوئی شکایت کا لفظ آیا ہو۔ **ایلی ایلی لما سبقتانی** کہنے
والا کوئی اور تھا۔ یعنی اے باپ اے باپ میری مدد کر اور مجھے بچا۔ یہ جملہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے
صلیب پر چڑھتے وقت نہایت مایوسی کے عالم میں فرمایا تھا۔ محمد الرسول اللہ صلعم کا قلب
ایسے ایمان سے بھرا اور اسقدر یقین سے معمور تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی یاس آپ کے پاس نہ آسکی
اس شدت اور اس انتہا درجہ کی بیکسی کے وقت آپ یوں جناب باری میں ملتجی ہوئے۔ اَللّٰھُمَّ
اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ
اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ
اِلٰی صَدِیْقٍ قَرِیْبٍ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ تَکُنْ غَضْبَانًا عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَکَ
اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَضَاءَتْ لَہُ السَّمٰوٰتُ وَاَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ
عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ تُنْزِلَ بِیْ غَضَبَکَ اَوْ یَحِلَّ بِیْ سَخَطُکَ وَلَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی
تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ۔ اے میرے اللہ اپنی کمزوری اور اپنی طاقت کی کمی کی۔ اور لوگوں
کی نظروں میں ہیچ ہونے کی تجھ سے ہی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھکر
رحم کرنے والے! تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے۔ تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا
کسی اجنبی دشمن کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ یا قریب دوست کی طرف جسکو

کے قبضہ میں تو نے میرا معاملہ دیا ہے۔ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ لیکن تیری حفاظت میرے لئے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کے سامنے ساری تاریکیاں پاش پاش ہو کر روشن ہو جاتی ہیں۔ جس سے دنیا اور آخرت کے امور اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ ان اسباب سے میں تیرے منوّر چہرے کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھ پر تیری ناراضگی ہو یا تیرا غضہ ہو تیرے حضور عذر کرنا ہے۔ یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ اور تیرے سوا اور کسی کو کچھ طاقت اور قوت نہیں ہے۔"

کاش کسی کے سینہ میں دل ہو تو وہ غور کرے۔ کہ کیا یہ کلمات اس قدر سختیوں کے بعد ایک معمولی انسان کی زبان سے نکل سکتے ہیں؛ وہ سختیاں جو انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ جو آپ نے برداشت کیں۔ وہ مشکلات جو انسان سے خودکشی کرا دیتی ہیں آپ کو پیش آئیں۔ مگر آپ توحید کے کس قدر اعلیٰ اور ارفع مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ کس قدر رضا و تسلیم ہے۔ کس قدر دل میں ٹھنڈک اور راحت ہے۔ کہتے ہیں یہ سب چیزیں ہیچ ہیں۔ جب خدا راضی ہو۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔

چند روز بعد آپ مکہ میں واپس آئے مگر داخل ہونے سے پہلے مطعم بن عدی سے حفاظت کا عہد لیا مکہ میں واپس آکر آپ نصرت الٰہی کے انتظار میں تھے۔ کہ کس راہ سے نصرت آتی ہے اور کس مقام کی طرف آپ کو ہجرت کرنی پڑتی ہے۔ موسم حج آیا تو آپ ان تمام قبیلوں کے پاس ایک ایک کر کے گئے۔ جو اطراف عرب سے اس موقع پر جمع ہوئے تھے۔ مگر جس مجمع میں آپ تقریر کرتے اور اسلام کے اصول ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے۔ وہیں ابو لہب بھی پہنچتا اور کہتا کہ یہ شخص دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ لات و عزّیٰ کی تم پر حکومت نہ رہے۔ اس کی بات مت سنو۔ اس لئے لوگ بھی توجہ نہ کرتے۔ بعض قبیلوں نے بڑی سختی سے آپ کو روکا۔ مگر آپ ہمت نہ ہارے۔ ایک قبیلہ کے لوگوں کو آپ کی باتیں پسند آئیں۔ مگر ساتھ ہی اپنی کمزوری کا ذکر کیا کہ آبائی دین اس طرح یک لخت چھوڑنا مشکل ہے۔ ایک اور قبیلے کے آدمی نے آپ کی باتیں سنکر یہ سوال کیا۔ کہ اگر ہم لوگ آپ کا ساتھ دیں۔ اور آپ غالب آجائیں تو کیا آپ کے

بعد حکومت ہم کو ملیگی۔ آپ نے فرمایا حکومت خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے حکومت دے۔ کس قدر ہمت اور کتنا بڑا ایمان ہے۔ اگر محض اپنا ہی غلبہ ہوتا تو یہ اچھا موقع تھا مگر اپنی تدبیر سے غالب آنا اس منصب کے منافی تھا جس پر آپ کو کھڑا کیا گیا۔ آپ صرف الٰہی نصرت کے منتظر تھے کیونکہ آپ کے ساتھ یہ وعدہ تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ اور آپ یقین سے جانتے تھے کہ وہ نصرت آکر رہے گی۔ البتہ یہ نہ جانتے تھے کہ کس راہ سے وہ نصرت آئیگی اور اس کی تلاش میں پھر رہے تھے۔

انصار کی بیعت کا سبب

گو مذہبی حیثیت سے انصار بت پرست اور یہود اہل کتاب تھے۔ مگر اہل کتاب کی ہمسائیگی نے ان کے کانوں کو آشنا کر دیا تھا کہ آسمانی کتابیں نازل ہوا کرتی ہیں۔ اور خدا کی طرف سے کوئی انسان پیام رسانی بھی کیا کرتا ہے۔ انصار میں علم بالکل نہ تھا برخلاف اس کے یہود میں علمی چرچہ رہتا تھا۔ یثرب میں ان کے مدارس قائم تھے۔ جن میں توریت پڑھائی جاتی تھی۔ انصار جہالت کی وجہ سے یہود کو ذی عزت سمجھتے تھے۔ یہود ایک نئے پیغمبر کے آنیکا عقیدہ رکھتے تھے اس لئے انصار کو بھی خیال تھا کہ ایک نیا رسول آنے والا ہے۔ حسن اتفاق سے انصار کا ایک آدمی سوید بن صامت نامی جو شعر گوئی اور معرکہ آرائی میں مشہور تھا حج کو چلا گیا۔ اس کے پاس امثال یعنی لقمان کا ایک رسالہ تھا جسے وہ آسمانی کتاب سمجھتا تھا۔ جب وہاں حضرت صلعم کی آمد کا حال معلوم ہوا تو حضور خود ہی اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے امثال کو سنا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔ اور قرآن شریف کی چند آیات سنائیں۔ اس نے اعتراف کیا اور اسلام کا معتقد ہو کر چلا گیا۔ جب مدینہ واپس آیا تو اس کی عقیدت کا اثر انصار تک پہنچ گیا۔ اس کے علاوہ جب قبیلہ اوس و خزرج کی باہمی جنگ میں اس کو شکست ہوئی تو اس کے امراء مکہ میں قریش کے پاس پہنچے کہ خزرج کے بالمقابل ہم کو حلیف بناؤ۔ اس خبر کو سنکر آنحضرت صلعم ان لوگوں کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ اور حسب معمول قرآن پاک کی آیتیں پڑھیں۔

ان لوگوں میں ایاس بن معاذ ایک شخص تھا جس نے قرآن شریف کو سنکر اپنے ساتھیوں سے کہا خدا کی قسم جس کام کے لئے تم آئے ہو یہ اس سے بہتر ہے" لیکن رئیسِ وفد نے انکار کر دیا اور مدینہ واپس چلے آئے۔ اسکے بعد دونوں خاندانوں میں چھڑ گئی۔ جسے حربِ بعاث کہتے ہیں۔ جس نے دونوں قبیلوں کی کمر توڑ دی۔ اور انصار تو بہت ہی ضعیف ہو گئے۔ ان واقعات سے معلوم ہو گا۔ کہ انصار کن وجوہ سے دعوتِ اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ اوّل تو یہود کی قربت نے ان کو آسمانی کتاب اور نئے پیغمبر کی آمد سے آگاہ کر دیا تھا۔ دوئم سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ اور دیگر خزرج کے وفد نے خود قرآن شریف آنحضرت صلعم سے سن لیا تھا اس لئے انصار اس جدید مذہب کے رسول اور اس کی کتاب سے بالکل غافل نہ تھے۔ جوں جوں دن گذرتے جاتے تھے۔ انصار اسلام کے متعلق نئی نئی خبریں سنتے تھے۔ اور آنحضرت صلعم نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ کہ حج کے زمانہ میں رؤسا قبائل کے پاس آپ خود تشریف لیجاتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے۔

بیعت عقبہ اولیٰ رجب سنہ ۱۲ نبوی

رجب سنہ ۱۲ نبوی میں جبکہ خزرج کے چند آدمی مکہ میں عقبہ کے پاس حضور صلعم کو نظر آئے۔ تو آپ نے ان کا نام و نسب دریافت فرمایا۔ اور پھر اسلام پیش کیا۔ قرآن سنایا تو ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہوکر کہا خیال رکھو کہ ہم سے یہود پیشقدمی نہ کر جائیں۔ کیونکہ یہود بھی ایک آنے والے نبی کے قائل تھے۔ اور انصار بھی ان سے سن چکے تھے اس کے بعد اوّل سب نے اسلام قبول کر لیا۔ اور حضور صلعم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ چھ انصار تھے جنہوں نے بیعت کی تھی (۱) ابو الہیثم بن تیہان (۲) اسعد بن زرارہ (۳) عوف بن حارث (۴) رافع بن مالک (۵) قطبہ بن عامر (۶) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم۔ یہ چھ انصار قصر اسلام کے چھ ستون تھے۔ جن کی بدولت مدینہ طیبہ میں اسلام کا محل تعمیر ہوا۔ دوسرے دفعہ انصار کے بارہ آدمی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے

اور اسی مقام عقبہ پر بیعت کی اس کو بیعت (عقبہ ثانی) کہتے ہیں۔ بیعت کے بعد انھوں نے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کسی مبلغ کو بھیج دیجئے جو ہمیں احکام اسلام سکھلائے۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اس خدمت کے لئے ان کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ اسلام کے یہ سب سے پہلے مبلغ ہیں جو مدینہ میں آئے۔ ان کا قیام اسعد بن زرارہ کے مکان پر ہوا جو وہاں کے بڑے رئیس تھے۔ حضرت مصعبؓ نے یہ معمول کر لیا تھا کہ روزانہ انصار کے ایک ایک گھر پر جاتے۔ اسلام کی دعوت دیتے۔ قرآن مجید پڑھ کر سناتے جس کا اثر یہ ہوتا کہ ہر روز ایک دو آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ سے قبا تک تمام گھروں میں اسلام کی روشنی پھیل گئی۔ حضرت مصعبؓ نے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ پر بھی اسلام پیش کیا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ مگر جب ان کے سامنے قرآن شریف پڑھا گیا تو ان کی نفرت رغبت سے بدل گئی۔ اور فوراً اسلام لے آئے۔ حضرت سعدؓ کا قبیلہ ہر کام میں ان کی پیروی کیا کرتا تھا۔ اس لئے ان کے اسلام لاتے ہی تمام قبیلہ اوس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد انصار کے تہتّر آدمی حج کے زمانہ میں مکہ آئے۔ ان کے ساتھ کچھ لوگ بت پرست بھی تھے۔ اگلی ۱۳ نبوی میں یہ لوگ منیٰ میں آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ اور اسلام کی بیعت کی۔ اس وقت حضرت عباسؓ عم رسول اللہ حضور کے ساتھ تھے۔ انھوں نے انصار سے کہا کہ محمد صلعم اپنے خاندان میں ذی عزت ہیں۔ دشمن کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے ساتھ رہے۔ اب تم لوگ ان کو لیجانا چاہتے ہو بشرطیکہ مرتے دم تک ان کا ساتھ دو۔ تب تو خیر ورنہ ابھی جواب دیدو۔ ابو الہیثم نے کہا حضور ہمارے یہود کے ساتھ تعلقات ہیں۔ اسلام لانے کے بعد یہ تعلقات منقطع ہو جائینگے کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ جب آپ کو قوت اور زور حاصل ہو جائے۔ تو آپ ہم کو چھوڑ کر مکہ واپس چلے جائیں حضور نے مسکرا کر فرمایا نہیں ہرگز نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔ پھر آنحضرت صلعم نے ان آدمیوں میں سے بارہ کو نقیب منتخب کیا جن میں نو خزرج اور تین قبیلہ اوس کے تھے۔ حضور نے امور ذیل پر انصار سے بیعت لی تھی۔ شرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد کبھی نہ کرینگے تہمت سے پرہیز کرینگے۔ اور جو اچھی بات حضور فرمائینگے اس سے کبھی انحراف نہ کرینگے۔ جب انصار

بیعت کر رہے تھے۔ تو سعد بن زرارہؓ نے کہا۔ لوگو! تمھیں معلوم بھی ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ اِس کو عرب عجم اور جن و انس سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ سب نے اقرار کیا کہ ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔ بارہ شخص جو نقیب مقرر ہوئے تھے وہ قبائل کے سردار تھے۔ اُن کا اسلام لانا تھا کہ تمام انصار نے اسلام قبول کر لیا۔ اور آپ نے مدینہ کی ہجرت کا وعدہ کر لیا۔ (کتب معتبرہ)

پیغمبر صلعم کی تبلیغ کا تیرھواں سال ہے۔ قوم کے سمجھانے میں آپ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر قریش نے جس طرح نبوت کے دعوے کو پہلے دن جھٹلایا تھا آج بھی اسی طرح منہ بھر کے آپ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ مکہ میں سب سے بڑا جھٹلانے والا گروہ آپ کا خاندان ہے جس کا نام قریش بنی ہاشم ہے۔ آپ کو پتھر مارنے والے قریش ہیں۔ آپ کے رستہ میں گندگی اور کانٹے بچھانے والے قریش ہیں۔ مگر اس سال ۶۲۲ء میں قریش کا کینہ حضور صلعم کے ساتھ بڑھ گیا ہے۔ کیونکہ آپ کے محبت والے چچا جناب مستطاب سلطان الملک حضرت ابو طالب اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں اور ملکۂ جہاں جہانیاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو آپ کی مونس و غمخوار تھیں وہ بھی جنت کو سدھار چکی ہیں۔ اُن کے بطن سے دو بیٹے اور چار بیٹیاں موجود ہیں جن کا ذکر آگے آئیگا۔ گھر میں آتے ہیں تو بے ماں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھکر اٹھا اٹھ آنسو روتے ہیں۔ باہر جاتے ہیں تو قریش پتھر برساتے ہیں۔ اور ایسی مضحکہ انگیز صدائیں لگاتے ہیں جو دل کو پاش پاش کر دیتی ہیں۔ ایک بدمعاش پکار کر کہتا ہے کہ یا محمد میں نے تمہاری ہلاکت کے لئے ایک تیز رفتار گھوڑا خریدا ہے۔ اس پر سوار ہو کر تمھیں قتل کروں گا۔ دوسرا کہتا ہے اے احمد میں نے تمہارا سر اتارنے کے لئے ایک تیغ دودم لی ہے۔ بالفعل کفار کی اس مستعدی کو حضور کے قتل پر آمادہ ہو جانے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ گو اسلام کا پودا محمدؐ کے خاطر خواہ پھولا پھلا نہیں ہو۔ مگر ہونہار بروہ کے چکنے چکنے پات ہوتے ہیں۔ محمدؐ کے ساتھی سب کے سب جاں نثار ہیں علیؑ ابن ابی طالب اٹھارہ برس کا جوان بہادر ذوالفقار لئے ہر دم اس کا پہرہ دیتا ہے۔ ابوبکرؓ بن ابی قحافہ جیسا مالدار۔ تجربہ کار خرچ کے وقت اس کے لئے سونے چاندی کا مینہ برسا دیتا ہے۔ عمرؓ بن الخطاب جیسا جیوٹ۔ جی دار ہر آن اس کے لئے سینہ سپر رہتا ہے۔ حمزہؓ بن عبد المطلب

اس کے پلہ پر ہے جو شیر کا کلمہ چیر ڈالتا ہے۔ ان کے علاوہ جعفر بن ابی طالب۔ اور عثمان بن عفان اور چار سو نوجوان شہر مکہ کے رہنے والے نامی نامدار اور قریب ایک ہزار کے طائف اور لواحِ طائف کے اُس پر ایمان لاچکے ہیں اور اس کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ یثرب یعنی مدینہ کے خاص عام اس کے غلام ہو چکے ہیں۔ اگرچہ اس شخص کی پوری روک تھام نہ ہوئی تو یہ بازی لے جائیگا۔ اگر اسے مکہ سے باہر جانیکی سوجھی تو غضب ہی ہو جائے گا۔ اور یہ سونے کی چڑیا ہمارے ہاتھوں سے اڑ جائیگی۔ یہ شخص اپنی جلوہ بیانی اور شیریں زبانی سے مکہ سے نکل کر تمام دنیا کو پرچا لیگا۔ اور توحید کے دام میں پھنسانے کا یہ ٹڈی دل فوجیں لیکر مکہ پر چڑھائی کرے گا اور ہم سب کو پیس کر دھر دیگا۔ ....

.... اس لئے اب دیر کرنیکا موقعہ نہیں ہے۔ گھڑی کی چوتھائی میں اس کا کام تمام کر دو۔ مار پیچھے پکار رہوا ہی کرتی ہے۔ بنی ہاشم اس کے قتل پر ضرور چڑھ دوڑینگے اور غضبناک ہو جائیں گے مگر ہم سب کا کیا بنا لیں گے۔ اُدھر تو قریش اور مکہ کے سارے قبیلے یہ چہ میگوئیاں کر ہی رہے تھے اُدھر حضور نے بھی اُن کی سن گن پالی تھی۔ آپ نے اپنے صحابہ کو جتا دیا تھا۔ اور ان میں سے ایک دو گھرانے روزانہ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر جاتے تھے۔ بعض صحابہؓ نے حضور سے عرض کیا کہ حضورؐ جو ہمیں ہجرت کے لئے آمادہ کرتے ہیں کیا خود بدولت بھی ہجرت فرمائینگے حضورؐ نے کہا بیشک میرا ارادہ بھی ہجرت کا ہے کیونکہ خدا کی مرضی بھی ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کی حضورؐ اقدس! اس ہجرت سے تو جہاد اچھا ہے۔ ہمیں حکم دیجئے تاکہ ان دشمنوں کے وجود سے دم بھر میں مکہ کو پاک کر دیں بلکہ مکہ سے ان کا نام و نشان ہی مٹا دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بیشک تم ایسے ہی بہادر ہو اور اسلام کے نام پر مٹنے اور مٹا دینے والے ہو۔ مگر خدا نے مجھے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے میرا دل یہ کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ اپنے شہر کے باشندوں کا خون بہاؤں۔ یا ان کے خون کا پیاسا رہا کروں۔ میں قوم کے برباد کرنے سے یہ بہتر جانتا ہوں کہ خود ہی قوم میں سے نکل جاؤں۔ صحابہ رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ جو مرضی مبارک ہو۔ مگر ہمارا جی نہیں پسند کرتا کہ ہم آپ کو کفار کے نرغہ میں چھوڑ کر چلے جائیں بلکہ یہ خیال ہے کہ ایک دن ایک مقررہ وقت پر ہم سب مسلمان اپنے اپنے بال

بچوں کو۔ اور حضور والا کو مع اہل بیت کے ساتھ لیکر مکہ سے نکل چلیں اور ہمیشہ کے لئے اس شہر کو چھوڑ دیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارے ساتھ میرا اس طرح جانا بڑی جوکھوں رکھتا ہے۔ کفار جب ہمیں تمہیں کھلے بندوں جاتا دیکھیں گے تو چڑھ جائینگے۔ اور ہم تم پر پل پڑیں گے۔ حرم پاک کی حدود میں خونریزی ہوگی اور میں یہ بے ادبی کرنی نہیں چاہتا۔ میرا مدعا یہ نہیں ہو کہ میں اپنی قوم کو اپنے ہاتھ سے نیست و نابود کر دوں۔ اگر قوم کا برباد کرنا مجھے مد نظر ہو تو میرا صرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا کافی ہے۔ وہ جتنا چاہیں مجھے ستائیں۔ مگر میں ان کا برا نہ چاہوں گا۔ آپ لوگ اس کام کو میری رائے پر چھوڑ دیں۔ اور جس طرح آپ کو حکم ہو ٹھنڈے ٹھنڈے مکہ سے نکل جاویں۔ چنانچہ مسلمان مکہ نبی کریم کے حکم سے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنے لگے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ بھی بیس جوان لیکر مدینہ کو ہجرت کر گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی آنحضرتؐ سے رخصت چاہی۔ تو حضورؐ نے فرمایا: صبر کرو شاید ہماری تمہاری رفاقت ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق یہ سنکر خوش ہوئے۔ اور دو اونٹ خرید کر پالنا شروع کئے کہ جلد تیار ہو جائیں۔ جب مسلمانوں کی روانگی کی خبر کفار مکہ کو لگی تو وہ طرح طرح کی تدبیریں سوچنے لگے۔ اور اگست ۶۲۲ء کو ایک مشورہ کی مجلس دار الندوہ میں منعقد کی۔ اس میں تمام کفار مکہ اور قبیلوں کے بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ اب تک متفرق طور پر اپنے اپنے رنگ میں کوششیں ہو چکی تھیں کہ نبی کریم کا کام تمام کیا جائے۔ آخر وہ دن بھی آیا کہ نبی کریم صلعم کو تنہا دیکھکر انھوں نے یہ عظیم الشان قومی مجلس مشورہ دار الندوہ میں قائم کی جہاں کل اہم قومی امور طے ہوتے تھے۔ یہاں کل اشراف قریش جمع ہوئے۔ چنانچہ ندوہ میں سب سے پہلے ایک شخص نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ کہ آج سے دس برس پہلے مکہ کی جو حالت تھی اس سے سب واقف ہیں۔ مگر جب سے یہ نئے نبوت کے دعویدار (یعنی حضور اکرمؐ) ظاہر ہوئے ہیں ان کی وجہ سے ہمارے معبود ہم سے بھی ناخوش ہیں۔ اور اسی وجہ سے مکہ بھی تباہ ہونے کو ہے۔ وہ ہمارے معبودوں کی ہمسے پرستش چھڑاتا ہے۔ اور ایک ان دیکھے خدا کا کلمہ پڑھواتا ہے۔ جو کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا۔ مگر بہت سے خاندان اس نے اپنے جادو کے اثر سے ہم لوگوں اور ہمارے معبودوں سے

منحرف کر دیئے ہیں۔ جو تقریباً سب کے سب اپنا وطن چھوڑ کر یثرب چلے گئے ہیں۔ اس وقت صرف علی اور ابوبکر موجود ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کی کیا حقیقت ہے۔ میدان بالکل صاف ہو۔ جادو سرچڑھکے سا نظر آتا ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ نئے پیغمبر بھی اب یثرب کو جانے والے ہیں۔ اور یہ صاف ظاہر ہے کہ محمدؐ نے اپنے نئے مذہب میں کہاں تک ترقی کی ہے۔ اس نے ہر ایک شخص کو اپنے ساحرانہ کلام سے مسخر کر لیا ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ ہے کہ اگر یہ شخص یثرب پہنچ گیا۔ تو اپنے پیروؤں کے ساتھ ہم پر حملہ نہ کر دے۔ لہٰذا ہمیں اس کے متعلق کوئی پختہ رائے قائم کرنی چاہیئے اور آج اسی لئے ہم سب لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کسی نے کہا کہ محمدؐ کو زنجیر سے باندھ کر گھر میں قید کر کے دروازہ چن دو۔ کوئی بولا۔ اس کو گھر ہی سے نکال دینا چاہیئے۔ کسی نے کہا۔ اس کو زندہ چھوڑ دینا کسی طرح ٹھیک نہیں۔ کسی نے مشورہ دیا۔ آپ کو بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا جائے اور ایسے تیرہ و تاریک مکان میں بند کر دیا جائے کہ آپ وفات پا جائیں۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ ممکن ہے آپ کے ساتھی کسی دن قوت پکڑ کر آپ کو چھڑا لیں۔ کسی نے یہ مشورہ دیا کہ آپ کو جلاوطن کر دینا ہی مناسب ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوا کہ آپکے کلام میں ایسا اثر ہے کہ جہاں کہیں آپ جائینگے وہاں کے قبائل کو اپنا ہم خیال بنا لیں گے۔ اور قوت پکڑ کر ہم کو کسی نہ کسی دن پھر مغلوب کر لیں گے۔ اس بحث و تکرار کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ حضور علیہ السلام کو نعوذ باللہ قتل کر دینا چاہیئے۔ لیکن پھر اس بات کی بحث چھڑ گئی کہ جس قبیلہ کا شخص محمدؐ کو قتل کریگا۔ بنی ہاشم یقیناً اس قبیلہ کو تباہ کر دیں گے۔ اس کا کیا علاج ہے؟ اس پر ابوجہل نے اٹھکر کہا کہ میری تو یہ رائے ہے کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان جرار منتخب کر لیا جائے۔ اور ہم قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک مضبوط صحیح النَّسب نوجوان لیں۔ اور پھر ہر ایک کو ایک ایک تیز تلوار دیں۔ اور یہ سب کے سب دفعتاً حملہ کر کے آنحضرت صلعم کو قتل کر ڈالیں اس طرح آپ کا خون سب قبیلوں پر بٹ جائے گا۔ اور بنو ہاشم کسی ایک قبیلہ سے انتقام نہ لے سکیں گے۔ اس وجہ سے قصاص پر راضی ہو جائینگے۔ اور اگر لڑینگے تو منہ کی کھائینگے۔ سب نے ابوجہل کی رائے سے اتفاق کیا اور پھر یہ امر طے ہوا کہ آپ کے مکان کا آج ہی محاصرہ کر لیا جائے۔ تاکہ آپ

کہیں جانے نہ پائیں۔ اور مقررہ تاریخ پر سب منتخب اشخاص ایک ہی وقت میں مکان کے اندر گھسکر ایک ہی ساتھ حملہ کر کے آنحضرت صلعم کو قتل کردیں۔ ادھر یہ مشورہ ہوا۔ ادھر آنحضرت صلعم کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ اب قریش کے جرموں کا پیالہ لبریز ہوگیا ہے۔ انھوں نے آخری اور قطعی فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ اپنے خیر خواہ کو زندہ نہ چھوڑیں۔ اس لئے آج کی رات آپ گھر میں سوئیں اور یہ بھی انھوں نے ٹھان لی ہے کہ آپ کو جیلخانہ میں رکھکر مار ڈالیں یا جلا وطن کریں۔ وہ اپنی گھات میں لگ رہے ہیں اور اللہ اپنی گھات میں ہے۔ اللہ اچھی گھات کرنے والوں میں ہے۔ اور جبرئیلؑ نے یہ بھی عرض کیا کہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ سیدھے مدینہ طیبہ کو چلے جائیے۔ اور اس کے بعد کچھ خاص خاص ہدایتیں بھی کیں۔ آپ اس وحی کو معلوم کر کے دولتخانہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ اور حضرت علیؓ بھی آپکے ہمراہ تھے۔ آپ نے دیکھا کہ قریش اور ابوجہل ہتھیار لئے گلی کی موڑ پر کھڑے ہیں۔ ابوجہل اپنے دوستوں سے، کہنے لگا۔ یہی تو میاں محمد صلعم ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر تم میرے کہنے پر چلوگے اور مسلمان ہوجاؤگے تو عرب اور عجم تمہاری ملکیت ہوں گے۔ اور اگر اس کے خلاف کروگے تو پچھتاؤ گے۔ میرے ہاتھ سے مارے جاؤگے اور جہنم میں ٹھکانہ ملیگا۔ حضورؐ والا نے فرمایا بیشک۔ میں یہی کہتا ہوں۔ اور جو کہتا ہوں وہ ہوکر رہے گا۔ تو جہنم کے اندر پڑا سڑیگا۔ یہ وہ وقت ہے کہ کل مسلمان مدینہ پہنچ گئے ہیں۔ مکہ حضور صلعم کے فدائیوں سے بالکل خالی ہے۔ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کے اللہ تعالیٰ پر کمال توکل کو ظاہر کرتا ہے۔ دشمنوں کی سختی روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مدینہ میں اسلام کے قوت پذیر ہونے سے اُن کا غیظ و غضب زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ نبی کریم صلعم کی حفاظت کا وہ پہلا سامان بھی نہیں ہے۔ لیکن آپ اپنی کچھ فکر نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے صحابہ کی فکر کرتے ہیں۔ ان کو پہلے حفاظت کے مقام پر بھیجدیتے ہیں اور خود سفاک دشمنوں کے اندر تن تنہا رہجاتے ہیں۔ اور یوں چاروں طرف دشمنوں ہی دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس طرح صاف طور پر آپ بتادیتے ہیں کہ آپ اپنی حفاظت کے لئے صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ نہ ظاہری اسباب پر۔ آپ چاہتے تو یوں کرسکتے تھے کہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے سب سے پہلے مدینہ چلے جاتے۔ اور اگر آپ ایسا کرتے تو کون

اس پر نکتہ چینی کر سکتا تھا اور کونسا دوست شکایت کر سکتا تھا کیونکہ اسلام جس کے لئے سب مسلمان اپنی جانیں دینے کے لئے تیار تھے۔ اس کی زندگی کا دارومدار صرف آنحضرت صلعم کی زندگی ہی پر منحصر تھا لیکن آپ کے پہلے مدینہ چلے جانے کا نتیجہ کیا ہوتا؟ کفار یہ دیکھکر آپ کے ایک ایک ساتھی کو چن چن کر مار ڈالتے بس آپ کے محبت بھرے قلب نے یہ روا نہ رکھا کیونکہ آپ تو بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ الرَّحِيْم تھے آپ کی شان رحیمی نے یہ اجازت نہ دی کہ آپ اپنے صحابہ کو تکلیف میں ڈالیں۔ ہاں خود غضبناک دشمنوں میں رہکر بتادیا کہ آپ کو اللہ تعالےٰ کے وعدوں پر کس قدر ایمان ہے جو آپ کی حفاظت اور نصرت کے متعلق خدا کی طرف سے کئے جا چکے ہیں۔

اُدھر آپ حضرت علیؓ کے ہمراہ دولت خانہ پر تشریف لے آئے۔ اور اُن کو ہجرت کا مفصل حکم سنا کر ارشاد کیا کہ بروئے حکم الٰہی یہی ہے کہ آج رات کو تم میرے بچھونے پر سو رہو اور میں ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر مکہ سے چلا جاؤں اور تم میرے بعد یہ سب امانتیں فلاں فلاں کو واپس کر دینا۔ ڈرنا نہیں کفار تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکینگے حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ زہے نصیب میرے کہ میں حضور صلعم کے بچھونے پر سونے کی سعادت حاصل کروں اور حضور پر خود روشن ہے کہ مجھے کسی موقع پر خوف و ہراس نہیں ہوتا۔ حضورؐ نے فرمایا جیتے رہو۔ خوش رہو ان باتوں کو جناب سیدہ فاطمہ زہراؓ نے بھی سنا۔ اور آپ کا ننھا سا دل کلیجہ میں دھڑکنے لگا۔ آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ اور آپ نے کھسیانی آواز میں کہا۔ بابا جان آپ مجھ بے ماں کی بچی کو کس پر چھوڑتے ہیں۔ حضور صلعم نے کہا خدا پر۔ گھبرانا نہیں تمہاری بڑی باجی جان اور تمہاری نیک ماں سودہؓ تمہارے پاس رہے گی اور تمہارا دل بہلائیگی۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ بابا جان بغیر آپ کے میرا دل کیونکر بہلے گا۔ حضورؐ نے فرمایا میری جان! اجامع المتفرقین ہیں تمہیں جلد ملائیگا۔ دیکھو تم صبر کرنے والی ہو جانا اور کفار کو ہنسنا مگر اف نہ کرنا۔

صفر ۱۳ نبوی کی ستائیسویں اور ستمبر ۶۲۲ء کی بارھویں تاریخ ہے۔ رات کا وقت ہے چاند کا کہیں پتہ نہیں ہے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ ستاروں نے اوپر اپنی آنکھیں بند کر لیں ہیں۔ تاریکی ایسی چھاگئی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ آدھی رات کے قریب حضورؐ نے اٹھ کر وضو

کیا۔ اور حضرت علیؓ سے فرمایا۔ برادر ہوشیار ہو جاؤ وقت آگیا ہے اب تم اٹھکر دروازہ بند کر لو اور میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔

حضرت علیؓ۔ کیا حضور صلعم تشریف لے جاتے ہیں۔

حضورؐ۔ ہاں۔ ع۔ در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ۔ ع۔ بسفر رفتنت مبارکباد۔ اصحاب کے اس سفر کو وسیلۂ ظفر بنائے آمین۔

حضور صلعم نے دروازہ کھولا۔ ڈیوڑھی سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ کفار دو رویہ گلی میں کھڑے ہیں۔ تلواریں ہاتھوں میں ہیں۔ حضور نے کھڑے ہو کر سورہ یٰسین کی یہ آیتیں پڑھیں۔ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ ترجمہ اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے ایک دیوار قائم کر دی ہے پھر ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانک بھی دیا ہے اس لئے وہ دیکھ نہیں سکتے۔ لہذا حضورؐ نے گلی میں سے دھول اٹھا کر ان کی طرف پھینکی اور آپ ان میں سے بے تکلف نکل گئے۔ جب آپ کفار کے محاصرہ سے باہر ہو گئے۔ تو غیب سے آواز آئی وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ آپ بہت اطمینان کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان کی طرف چل دیئے۔ رستہ میں حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کو مل گئے اور آپ اپنے گھر لے گئے۔ وہاں پہنچکر آپ نے دم لیا۔ اور سارا حال کہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کی وہ کھڑکی کھولدی جو جنگل سے ملی ہوئی تھی۔ لہذا اسی کھڑکی کے ذریعہ حضورؐ اپنے سچے دوست ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور کی جانب چل دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیوی بچے حاضر تھے۔ اور ادباً دست بستہ کھڑے تھے جب حضورؐ کھڑکی سے نکل رہے تھے تو سب نے اللہ بیلی اللہ نگہبان کہکر کھڑکی بند کر لی۔ اس رات کی اندھیری ساون کی اندھیری کو بات کرتی تھی۔ غار ثور کا حضرت ابوبکرؓ کے مکان سے ڈھائی کوس کا فاصلہ تھا۔ غضب اندھیری چلنا دشوار تھا۔ قدم قدم پر دونوں صاحب ٹھوکریں کھاتے تھے آخر کار پتھروں اور کانٹوں نے حضور کے پائے ناز کو گھائل کر دیا۔ اور آنحضرت مجبور ہو کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اس وقت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے صدق و صفا کا جوہر دکھایا اور نبی آخر الزمانؐ کو

اپنی پیٹھ پر چڑھا لیا۔ اور انگوٹھوں کے بل چل کر خدا کے محبوب کو غار کے دہانہ تک پہنچا دیا۔ ابو بکرؓ کے کپڑے دھجیاں ہو گئے تھے۔ پاؤں تلووں سے لیکر پنڈلیوں تک زخمی ہو گئے تھے۔ خون بہہ رہا تھا اس وقت اس ہولناک مقام پر سوائے اندھیرے اور ہوا کے سنانے کے کون تھا۔ اندھیرے نے کہا ابو بکرؓ! آفریں صد آفریں۔ سچ مچ تو رفیق طریق ہے تو صدیق ہے۔ ہوا بولی بیشک تو یار غار ہے تو دوست غمگسار ہے۔ اور محب وفادار ہے۔ ابو بکر اپنی جان پر کھیل کر اس غار میں گئے۔ اور جتنی اونچ اسے اندر سے جھاڑ پونچھ کر صاف کیا اور اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر تمام سوراخ اپنی چادر پھاڑ کر بند کر دیے اس کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور تشریف لائیں۔ حضور غار کے اندر تشریف لے گئے اور اپنے یار غار کے ساتھ غار ثور میں فروکش ہوئے۔ یہ ۲ صفر ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء کی رات کا ہے۔ حضورؐ کو دولت خانہ سے نکلے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جو شیطان لعین نے آ کر کفار کو چڑکایا اور کہا کہ تم بازی ہار گئے۔ محمد صاف نکل گئے۔ وہ تمہاری آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل گئے۔ کفار نے شیطان سے کہا۔ کہ نہ ہم سوئے نہ ہمارے سروں پر محمدؐ دھول ڈال گئے۔ مگر سروں پر ہاتھ پھیرا تو شیطان کا کہنا صحیح معلوم ہوا۔ اندھا دھند جھلا کر دولت خانہ کی دیوار پھاند کر اندر پہنچے۔ اور حضرت علیؓ کو اندر بچھونے پر سوتا دیکھکر کہا کون سوتا ہے؟ **حضرت علیؓ**: علی بن ابی طالب **کفار**: محمد کہاں ہیں۔ **حضرت علیؓ**: مجھے خبر نہیں۔ کفار نے حضرت علیؓ کے کہنے کا یقین نہ کیا۔ اور گھر کا کونہ کونہ دیکھ ڈالا مگر اس سراج منیر کو نہ پایا۔ تو بڑبڑاتے ہوئے گھر سے باہر آئے۔ اور چلا کر کہنے لگے۔ محمدؐ چلے گئے انہیں ڈھونڈھو۔ اس صدا نے سارے شہر میں کھلبلی ڈالدی۔ رات بھر حضرتؐ کو تلاش کرتے رہے۔ اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرے۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کی جدائی میں صبح اپنا گریبان پھاڑ کر مشرق سے نمودار ہوئی۔ اور شبنم کے آنسوؤں سے اپنا منہ دھونے لگی۔ مکہ اداس تھا خاک اڑ رہی تھی۔ کفار اپنے جلدوں کے بچھونے چھوڑنے لگے کھوج لگانے والوں اور سراغ رساں لوگوں کو بلایا۔ حضورؐ کو اور ابو بکر صدیقؓ کو زندہ پکڑ کر لانے والوں کو یا سر کاٹ کر لانے والوں کے لئے سو سو اونٹ انعام ٹھہرایا۔ کھوجیا بلا کر کھوج کی تلاش میں مقرر کئے۔ ان میں سے ایک کھوجیا چند کفار کو غار ثور کے دہانہ پر لے پہنچا۔ اور اس نے کہا کہ

کھوج آگے نہیں جاتا۔ ہو نہ ہو محمدؐ اور ابو بکرؓ اس غار کے اندر ہیں۔ اندر اترو اور دونوں کو باندھ لو۔ دشمن غار کے دہانہ پر ہکا بکا کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ پاگل ہوا ہے غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ اور غار کے منہ پر کبوتر کا گھونسلا ہے۔ گھونسلے میں کبوتری بیٹھی انڈے سے رہی ہے۔ اگر غار میں کوئی جاتا تو نہ جالا سلامت رہتا نہ گھونسلا۔ دوسرے نے کہا۔ میں اس جالے کو محمدؐ کی پیدائش سے قبل اس دہانہ پر دیکھتا چلا آتا ہوں۔ محمد یہاں نہیں ہیں آگے چلو۔ اور انہیں چاروں طرف ڈھونڈھو۔ دیر کرنی مناسب نہیں ہے۔ خدا نے کفار کو غار پر سے ٹالا۔ اور سب کے سب ادھر اُدھر تتر بتر ہو گئے۔ یہ وقت وہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے دشمنوں کے پاؤں کی آہٹ کو سن لیا تھا اور چلے ہی سے اُن کے پاؤں نظر آتے تھے۔ لہٰذا حضرت صدیقؓ کو یہ خیال ہوا کہ اگر ذرا اور بڑھے تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی ابو بکرؓ مغموم ہوئے۔ اپنے لئے نہیں بلکہ اس خیر البشر کے لئے جس کی جان کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ کیا وقت ہے خونخوار دشمن سر پر ہیں بس ایک نظر پڑنے کی دیر ہے۔ کہ آن کی آن میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ ایسے وقت میں ان الفاظ کا آپکے منہ سے نکلنا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (ترجمہ، اے ابو بکرؓ غمگین مت ہو اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے)۔ کسی انسان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا کہ ایسے خطرہ کے وقت پر انسان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بھاگنے کی کوئی راہ نہیں۔ دشمن قتل کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ لیکن اس تنہائی بیکسی کے وقت بھی جب دنیا میں نہ کوئی یار نہ مددگار باقی رہ گیا ہے۔ نہ مجال گریز ہے۔ کس قدر تسلی اور یقین کامل کے الفاظ آپ کے دہن مبارک سے نکلتے ہیں۔ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہمیں کوئی نہیں مار سکتا۔ اور نہ کوئی پکڑ سکتا ہے۔ دیکھو تو اللہ کی ذات پر کس قدر بھروسہ ہے۔ یہ انسان کے اندر کی آواز نہیں ہو سکتی۔ انسان کا اپنا دل ایسے حالات کے اندر یہ شہادت نہیں دے سکتا۔ یہ خدائے عالم الغیب کی آواز تھی۔ جو جانتا تھا کہ سر پر پہنچ جانے کے باوجود بھی دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتے تین دن آپ غار میں رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا بیٹا عبد اللہ ان ایام میں آپ کو شہر کی خبریں پہنچاتا رہا اور ان ہی کا غلام عامر بن فہیرہ۔ بکریاں چراتا چراتا غار کے منہ پر لیجاتا۔ اور ان کا دودھ دوہ کر پلاتا حضرؐ

اسماء ابوبکر کی بیٹی ان دونوں کو کھانا پہنچاتیں۔ آخر جب تلاش کے متعلق خاموشی ہو گئی تو چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔ دونوں اونٹنیاں حضرت ابوبکر کی تیار تھیں۔ آنحضرت نے باوجود اس کے کہ ابوبکر صدیق نے اپنا تمام مال آپ پر فدا کر دیا تھا لیکن یہی پسند کیا کہ اونٹنی ان سے خرید کر اس پر سوار ہونا چاہیے۔ لہٰذا جس شب میں ہجرت فرمائی اس دن آنحضرت نے ابوبکر صدیق کو اس کی قیمت ادا کر دی تھی۔ حضور پرنور بائیسویں ستمبر سے ستائیسویں ستمبر ۶۲۲ء تک غار ثور میں رہے۔

آج ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۳ سنہ نبوی مطابق سولہویں ستمبر ۶۲۲ء ہے۔ دوشنبہ کی آدھی رات ختم ہو چکی ہے۔ چاند کسی عاشق بیمار کے زار و نزار رخ کی طرح اپنا زرد چہرہ دکھا کر غروب ہو گیا ہے۔ اندھیرا چھایا ہوا ہے پہاڑ کے دامن میں سناٹا ہے۔ آسمان پر تارے آنکھیں کھولے اس مرقع کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں۔ ناظرین چشم بصیرت سے دیکھیں کہ غار کے دہانہ پر چار اونٹ کجاووں سے آراستہ بیٹھے جگالی کر رہے ہیں۔ ان میں سے اگلا اونٹ عامر بن فہیرہ کا ہے جو ہمرکاب رہیں گے۔ دوسرا اونٹ عبد اللہ بن ارقیط کا ہے۔ جو آگے آگے چلیگا اور رہبری کرے گا۔ تیسرا اونٹ حضرت ابوبکرؓ کی سواری کا ہے۔ چوتھی اونٹنی حضور پرنور کی ہے۔ جس کا نام قصویٰ ہے۔ جو چار سو درہم کے بدلے حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے مول لی ہے۔ اس موقعہ سے چار سو قدم کے فاصلہ پر ایک سیاہ پوش عورت اپنے ہاتھ میں ایک گٹھری لئے کھڑی ہے۔

ابوبکر صدیق۔ اسماء لاؤ کھانا مجھے دو تاکہ شکار بند میں باندھ لوں۔ اس سیاہ پوش عورت نے توشہ خوان اپنے والد ماجد کے حوالہ کیا۔

ابوبکرؓ۔ واہ بیٹی! توشہ تو لائیں مگر اس کے باندھنے کے لئے کوئی رسی نہ لائیں۔ اسماء یہ بات کو سنکر ایک چٹان کی آڑ میں چلی گئیں اور اپنے ازار بند کو دوہرا کر کے چیر کر لے آئیں۔ ابوبکر صدیق نے اس سے کھانا باندھ کر لٹکا دیا۔ اور حضرت نے فرمایا۔ اے آل ابوبکر تم نے اپنے نبی کی بڑی خدمت کی ہے۔ اللہ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔

اسماء بنت ابوبکر۔ یا رسول اللہ فداک ابی وامی۔ آپ کی جدائی شاق ہے۔

حضورؐ روا لا! نہیں بیا! تم اپنا جی بھاری نہ کرو۔ خدا نے چاہا تو ہم تم سب جلد ملیں گے۔ یہ کہکر حضورؐ نے دعا پڑھی اور قصویٰ ناقہ پر سوار ہو گئے۔ پھر تینوں رفیق اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے عبداللہ بن ارلقیط نے رہبری کے لئے اپنا اونٹ آگے بڑھایا۔ یہ قافلہ چند ہی قدم چلا تھا کہ رات کی تاریکی نے ہماری نظروں سے غائب کر دیا۔ دشمنوں کے لحاظ سے آپ کا اگوا مدینہ کی طرف آپکو معمولی اور مشہور راستہ سے نہیں لے گیا۔ بلکہ سواحل کی غیر معمولی راہ سے اُس نے سفر کرایا۔ وہ نیچے اونٹ کو خراماں خراماں لئے جاتا تھا۔ اس نے اونٹ کی مہار چھوڑ رکھی تھی۔ ایک ہاتھ اس کا تلوار کے قبضہ پر تھا اور دوسرا ہاتھ قلم کو سنبھال رہا تھا۔ اس کے پیچھے حضورؐ کا ناقہ تھا۔ جو مورنی کی طرح ناز و انداز سے ریگ زار پر قدم رکھتا چلا جاتا تھا۔ ناقہ کے پیچھے حضرت ابوبکر کا اونٹ اور اس کے پیچھے عامر بن فہیرہ کا اونٹ تھا۔ یہ حضرات یلغار کرتے چلے جاتے تھے۔ اگر راہ کے مصائب اور معجزات لکھے جائیں تو لکھنے کے لئے دفتر درکار ہوگا۔ لہٰذا یہاں مختصر طور پر صرف دو تین معجزہ لکھے جاتے ہیں۔ حضورؐ کی جستجو میں جو لوگ انعام کے لالچ میں نکلے تھے۔ ان میں سراقہ بن مالک کو ایک شخص سے یہ خبر ملی کہ اس نے چار سواروں کو مدینہ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ یہ شخص بڑا قوی ہیکل تھا کسی شخص کو اطلاع دیئے بغیر اپنی زرہ پہن اور مسلح ہو کر تیر و ترکش ساتھ لیکر تیز گھوڑے پر نکلا۔ اثناء تعاقب میں ایک جگہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ گرا۔ فال نکالی تو لا یعنی نفی میں نکلی۔ یعنی تعاقب نہ کرنا چاہیئے۔ مگر پھر تعاقب کیا۔ اور پھر ایسا ہی حادثہ پیش آیا۔ پھر فال نکالی۔ تو وہی فال نکلی۔ تیسری مرتبہ آنحضرتؐ کے قریب جا پہنچا۔ اور قریب تھا کہ سراقہ تیر سے آنحضرتؐ پر وار کرے۔ کہ اس کا گھوڑا گرا اور گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ کا بیان ہے کہ آخر کار میں نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ آنحضرتؐ کے قتل سے باز آؤں۔ آخر قتل کے ارادہ کو ترک کر کے مخلصانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ مجھے معاف کیجئے۔ جب خدا آپ کو حکومت دے تو میری گستاخی کا مواخذہ مجھ سے نہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے تحریر لکھوا دی (قلم دوات کاغذ آپکے ساتھ ہمیشہ رہتا تھا تاکہ جو وحی نازل ہو فوراً لکھوا لی جائے) آپنے سراقہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے سراقہ! میں تمہارے

ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں"۔ یہ کشفی نظارہ چوبیس سال بعد کی ایک خبر بتا رہا ہے۔ ان حالات میں یہ خیالات انسانی قوت سے بالاتر ہیں۔ کہ وہ شخص جو نہایت بیکسی کی حالت میں چند دشمنوں سے چھپ کر شہر چھوڑ رہا ہے۔ اور جسے چاروں طرف کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ کہ مبادا کوئی دشمن پہنچ جائے۔ اور اس بیکسی کی حالت میں کسریٰ کے کنگن پہننے کی خوشخبری پاتا ہے۔ وہ لفظ جو اس پوشیدہ طریقہ پر مکہ سے چلنے والے کی زبان مبارک سے نکلا۔ آخر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پورا ہوا۔ جب حضرت عمرؓ نے ایران کا مال غنیمت آنے پر سراقہ کو بلایا۔ اور کسریٰ کے کنگن اس کے ہاتھ میں پہنائے۔ اس نظارہ کے دیکھنے والوں کے دلوں پر اس واقعہ سے اللہ کی عجیب قدرت پر کیسا ایمان پیدا ہوا ہوگا۔ اور ان تسلیوں پر جو حضرت نبی کریم کو خدا کی طرف سے ملتی رہتی تھیں اور جو آپ کی حیرت انگیز ثابت قدمی میں آپکے معاون ہوتی تھیں۔ انہیں تسلیوں میں سے یہ ایک آیت بھی ہے جو آپ پر اس سفر ہجرت میں نازل ہوئی۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ وہ جس نے تم پر قرآن فرض کیا ہے یقیناً یقیناً تم کو مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔ یہاں لفظ معاد کے معنے لوٹ کر آنے کی جگہ کے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے یہاں معاد کے معنے مکہ کے لئے ہیں۔ اور اہل لغت نے اس صحت کو تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سے پیشتر بھی آپ کو بار بار اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنی ہوگی۔ اور اسلام کی نصرت کا زمانہ کسی دوسرے مرکز سے شروع ہوگا لہذا قرآن شریف اس قسم کی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور عین اس وقت جب ایک طرف کفار کی مخالفت نہایت [illegible] پر تھی اور آنحضرت پر نہایت بیکسی کا زمانہ تھا۔ اس وقت کفار کو یہ چیلنج دیا تھا کہ تم ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا لو اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پچھلے انبیاء کی مخالفت اور اس مخالفت کی ناکامی کے تذکرے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی زمانہ میں نازل ہوئے۔ بلکہ ان واقعات سے بھی نبی کریم صلعم کو تسلی دینا مقصود تھا۔ کہ آپ کے مخالف آخر کار ناکام ہونگے۔ ہجرت سے پیشتر آپ نے یہ خواب دیکھا تھا۔ کہ "میں نے ایک ایسے مقام پر ہجرت کی ہے جو نہایت سرسبز ہے"۔ آپ نے اسے یمامہ خیال کیا تھا مگر وہ [illegible]

مدینہ

مدینہ کا قدیم نام **یثرب** تھا۔ یثرب ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جس میں دو قبیلے زیادہ تر آباد تھے یعنی **اوس و خزرج** آباد تھے۔ جو قدیم نسل **قحطان** کی اولاد سے تھے۔ ان ہر دو قبائل کے علاوہ یہاں وہ رومی اور یہودی بھی نظر آتے تھے جو مسیحیوں کے ظلم سے ارض فلسطین کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ اور یثرب کے اردگرد اپنے قلعے اور باغات بنا کر آباد ہو گئے تھے۔ بلکہ یہودیوں نے اپنی کافی قوت حاصل کر لی تھی۔ خاص شہر یثرب میں اسرائیلی قبائل اور اہل یہود میں سے زیادہ تر **بنی قینقاع** فروکش تھے۔ اگرچہ دیگر قبائل یہود کے بھی لوگ شہر میں نظر آتے تھے۔ تاریخ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ ۳۰۰ء سے قبل قحطانیوں اور اسرائیلیوں میں بڑا اتفاق تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق تھے۔ لیکن یہ اتفاق اور اتحاد مذہبی اختلاف کی وجہ سے آپس میں زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا کچھ دنوں تک تو یہود غالب رہے۔ اور اوس خزرج پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ آخر ان مظلوم قحطانی عربوں نے جوشِ حمیت سے مجبور ہو کر ان سے سرکشی اختیار کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غالب یہود کو اپنا محکوم بنا لیا۔ یہ دونوں فرقے اپنے حریف یہود پر غالب تو آ گئے۔ لیکن ان دونوں کی آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ بلکہ ان ہر دو قحطانی قبائل میں اس قدر نفاق بڑھا کہ باہم خونخوار لڑائیاں ٹھن گئیں۔ یہود اگرچہ مغلوب ہو چکے تھے۔ تاہم انھیں اپنی مذہبی روایات کے مطابق اس بات کا یقین تھا کہ اس نئے پیغمبر کی روحانی طاقت کے باعث جس کی بشارتیں انبیائے سلف دیتے رہے ہیں۔ شاید ہم اس نبی یعنی نبی آخر الزماں کے باعث پھر قحطانیوں پر غالب ہوں گے۔ اس وجہ سے وہ حضور علیہ السلام کی خبر بعثت سن کر مکہ میں پہنچے۔ مگر اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف ہوئے کہ اس طرف سے سخت غافل ہو گئے۔ یا مشیت ایزدی نے انکے قلوب پر غفلت کے پردے ڈال دیئے۔ الغرض خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ جو کچھ قحطانی قبائل کا ہی ان پر غلبہ ہونا تھا۔ اور یہی راہ ہدایت کے حقدار بھی ٹھہرے۔ لہذا جب ان بت پرست قبائل یعنی اوس و خزرج کے چند لوگ کعبہ کے بتوں کی پرستش کے شوق میں مکہ پہنچے۔ اور حضور پر نور کا کلام معجز نظام سنتے ہی اسلام سے مشرف

ہوئے یثرب میں آکر انہوں نے بہت سے اپنے ہم مذہبوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ پھر ہادی اسلام علیہ السلام سے درخواست کی۔ کہ مکہ میں ہمارے پیر بھائیوں یعنی مسلمانوں کو وہاں بت پرست ستائیں تو آپ ان کو ہمارے پاس بھجوا دیجئے۔ ہم یہاں انھیں نہایت عزت و محبت سے رکھیں گے چنانچہ حضورؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ یعنی اپنے تمام معتقدین اور مریدین کو مدینہ بھیجدیا اور خود بھی تشریف لارہے ہیں۔

دوسرا معجزہ

غارِ ثور سے نکلنے کے پہلے روز آنحضرت کا گذر اُم معبد کے خیمہ پر ہوا۔ یہ عورت مسافروں کی خبر گیری اور ان کی تواضع کے لئے قوم خزاعہ میں مشہور تھی۔ سر راہ اس کا خیمہ تھا۔ آتے جاتے مسافروں کو پانی پلایا کرتی تھی۔ اور عام طور پر مسافر وہاں ٹھیر کر آرام کیا کرتے تھے۔ آنحضرت نے یہاں پہنچکر پوچھا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ اور کہا کہ اگر کوئی چیز میرے پاس موجود ہوتی تو میں بغیر کہے پیش خدمت کر دیتی۔ سردارِ دو جہاں نے اس کے خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری دیکھی۔ فرمایا کہ یہ بکری کیوں کھڑی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ مدت ہوئی کہ بچے نہیں جنتی یہ بہت بوڑھی اور کمزور ہو گئی ہے یہاں تک کہ ریوڑ کے ہمراہ بھی چل نہیں سکتی۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ اگر ہمیں اجازت دو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں؟ اُم معبد نے عرض کیا۔ کہ اگر حضور کو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دودھ ہے تو آپ شوق سے دوہ لیں۔ آپ نے برتن مانگا۔ اور بسم اللہ شریف پڑھکر جب بکری کو دوہنا شروع کیا۔ تو دوہتے دوہتے وہ برتن دودھ سے لبریز ہو گیا کہ چھلک کر زمین پر گرنے لگا۔ آنحضرت صلعم نے پہلے اپنے ساتھیوں کو دودھ پلایا اس کے بعد خود حضور نے پیا اور وہ برتن اتنا بڑا تھا کہ آٹھ نو آدمی اس برتن کے دودھ سے سیر ہو سکتے تھے۔ جب وہ برتن نصف کے قریب خالی ہو گیا تو دوسری دفعہ پھر آپ نے اسی بکری کو دوہنا شروع کیا اور جب وہ برتن پر ہو گیا تو وہ اُم معبد کے لئے چھوڑ کر آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے ناقہ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد اُم معبد کا شوہر اپنے خیمہ میں آیا۔ ... حالیکہ میں آتا بڑا دودھ کا برتن بھرا ہوا دیکھتے ہی اپنی بیوی سے

دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ اُمّ معبد نے جواب دیا کہ آج ایک متبرک بزرگ یہاں تشریف لائے تھے اور یہ دودھ انھیں کے متبرک قدموں کی برکت کا نتیجہ ہے۔ وہ بولا معلوم ہوتا ہے یہ وہی صاحب قریش ہے جسکے دیدار کی مجھے عرصہ سے آرزو ہے۔ اچھا ذرا تم اس کا حلیہ تو بیان کرو۔ تو اُمّ معبد نے اس طرح بیان کیا۔

آنحضرتؐ کا حلیہ مبارک

چہرہ نہایت خوبصورت۔ رنگ نہ سفید بلکھی نہ مائل بہ سیاہی بلکہ پیارا پیارا صبیح اور جبینی تمام آنکھیں رس بھری۔ اور ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ ان میں قدرتی سرمہ لگا ہوا ہے۔ یہ وہی آنکھیں ہیں جنھوں نے اللہ میاں کو بےحجاب دیکھا ہے۔ ابرو پیوستہ۔ پیشانی کشادہ۔ ریش گھنی۔ بینی درازی مائل گردن بلند۔ سر بڑا۔ سینہ چوڑا۔ قد درمیانی۔ رفتار تیز مگر نہایت متانت اور وقار لئے ہوئے۔ آواز میں گرج۔ مردمک روشن۔ بال گھنے اور لمبے مگر نہایت سیاہ۔ لب وتار کے ساتھ خاموش گویا دلبستگی لئے ہوئے۔ دور سے دیکھنے میں زیبندہ اور دلفریب۔ بات چیت نہایت شیریں۔ کلام کمی و زیادتی الفاظ سے معرّا۔ گفتگو موتیوں کی لڑی کے مانند پروئی ہوئی۔ رفیق ایسے کہ ہر وقت اُن کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ اور جب وہ کچھ فرماتے ہیں تو اُن کے ارشاد کو گوش ہوش سے سُنتے ہیں اور جو حکم دیتے ہیں تو وہ آپ کی حکم کی تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں۔ وہ نہ کم سخن ہے نہ فضول گو۔

یہ اوصاف سنکر اُمّ معبد کا شوہر بولا کہ یہ تو یقیناً صاحب قریش ہے۔ میں ضرور قدمبوس ہونگا۔ اِدھر اُمّ معبد کے شوہر کو حضورؐ کی قدمبوسی کا اشتیاق ہوا۔ اور اُدھر آنحضرت جب آگے بڑھے تو ایک اور خطرناک دشمن سے سامنا ہوگیا۔ یہ دشمن بریدہ بن الحصیب اسلمی تھا۔ جس کے ساتھ تقریباً ستر سوار تھے۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ چونکہ قریش نے سرورِ عالم کی گرفتاری اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گرفتاری پر دو سو اونٹ کا انعام مقرر کیا تھا۔ اور بریدہ اس مشتہرہ انعام کے حاصل کرنے کے لالچ میں ان دونوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ جب وہ آنحضرتؐ کے قریب آیا مخاطب ہوا آپ نے کچھ اس انداز اور ایسی لذت آمیز

طرز کے ساتھ اطمینان قلب سے گفتگو فرمائی جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا بریدہ بن الحصیب۔ آپ نے بطور تفاؤل کے فرمایا بَرَدَ اَمرُنا یعنی خنک اور ٹھنڈا ہوا کام ہمارا۔ اور قبیلہ کا نام اسلم سن کر آپ نے تفاؤلاً فرمایا سَلِمنَا یعنی سلامت رہے ہم۔ آپ نے پوچھا قبیلہ اسلم میں سے کس قوم کے ہو۔ اس نے کہا بنی سہم کے آپ نے فرمایا۔ خرج سہمک یعنی حاصل ہوا حصہ تیرا اسلام سے تجھے نصیب ہوا۔ بریدہ آئے تو بد ارادہ بر تھے۔ اور کفار قریش سے انعام حاصل کرنے کے لئے۔ آپ کو تکلیف پہنچانے کی نیت سے۔ لیکن جمال مبارک دیکھ کر اور کلام پاک سنتے ہی مسخر ہو گئے۔ اور معہ تمام رفقاء کے اسلام لا کر حضور علیہ السلام کی غلامی کا شرف حاصل کیا۔ پھر بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مدینہ میں داخل ہونے کے وقت حضور کے ساتھ ایک نشان ہو چنانچہ بریدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی پگڑی سر سے اتار کر نیزہ کے اوپر باندھ کر اس کا علم بنا لیا۔ آپ نے انھیں کو علمبردار مقرر کیا اور آپ کے جلوس میں معہ اپنے ہمراہیوں کے نشان لیکر چلے۔ سبحان اللہ خدا کی کیسی عجیب قدرت ہے۔ کہ بریدہ سرکشی سے آئے۔ اور کیسے فرمانبردار ہو کر ساتھ ساتھ چلے جب آنحضرت صلعم اس شان کے ساتھ آگے بڑھے تو قریش کا ایک قافلہ شام سے آتا ہوا راستہ میں ملا جسکے قافلہ سالار حضرت طلحہ تھے جو پہلے بھی حضور پر ایمان لا کر مسلمان ہو چکے تھے ہادیٔ اسلام حضور علیہ السلام کو دیکھتے ہی قدمبوس ہوئے۔ اور اپنا بھی ارادہ ظاہر کیا کہ وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہیں لیکن حضور نے اس خیال سے کہ ان کے پاس مال تجارت ہے۔ اور اس کے بہت سے ایسے ہمراہی ہیں جن کو اپنے اپنے گھر جانے کی ضرورت ہو گی۔ اس ارادہ سے روک کر فرمایا کہ تم مکہ سے ہو کر مدینہ چلے آنا۔ خدا کی قدرت دیکھئے۔ حضور اکرم صرف ابوبکر صدیق کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف چلے تھے۔ اب بریدہ اور ان کے ہمراہیوں کی معیت میں شان و شوکت کے ساتھ نہایت اطمینان کی حالت میں مدینہ کی طرف سفر طے کرنے لگے۔ شہر مدینہ اپنی خوبیٔ قسمت پر نازاں تھا۔ کہ ساڑھے تین ہزار برس کے بعد خدا کے بر[illegible] اسماعیل علیہ السلام۔ ملت ابراہیم کو زندہ کرنے کے

بالآخر تئیس ستمبر ۶۲۲ء کو چودہ دن میں آنحضرت نے یہ سفر طے کیا۔ ستمبر کی تئیس تاریخ اور صبح کا سہانہ وقت تھا۔ کہ سامنے شہر مدینہ کی فصیل اور اسکے ادھر ادھر سرسبز باغ نظر آئے۔ جن میں شاداب کھجوروں کے درخت تھے۔ اہل مدینہ کو بھی یہ خبر مل گئی تھی۔ اور روزمرہ مدینہ سے نکل کر حضور کی پیشوائی کے لئے دو چار میل آ جاتے تھے اور حضور کو نہ پا کر مایوس چلے جاتے تھے۔ لہذا تئیس ستمبر کو بھی مایوس پلٹ رہے تھے جو ایک یہودی نے ٹیلہ پر چڑھ کر حضور کے قافلہ کو دیکھا۔ اور کہا۔ یا معاشر العرب ھذا جدکم۔ اس مژدہ کو سنتے ہی انصار پھر پلٹے۔ کوئی منتظر جمال اقدس آپ کی گرد قافلہ کو دیکھ کر زبان حال سے کہتا تھا ؎

وہ اٹھی دیکھ لو گردِ سواری — عیاں ہونے لگے انوار باری
نقیبوں کی صدائیں آ رہی ہیں — کسی کی جان کو تڑپا رہی ہیں
مؤدب ہاتھ باندھے آگے آگے — چلے آتے ہیں کہتے آگے آگے

فدا جن کے لقب پر سب نبی ہیں — یہی ہیں وہ یہی ہیں وہ یہی ہیں۔
فزوں رتبہ ہے صبح و شام ان کا — محمد مصطفےٰ ہے نام ان کا
یہی ہیں جو عطا فرمائیں نعمت — کریں خود جو کی روٹی پر قناعت
سواری میں ہجومِ عاشقاں ہے — کوئی غش ہے کوئی محوِ فغاں ہے
کوئی کہتا ہے حق کی شان ہیں یہ — کوئی کہتا ہے میری جان ہیں یہ
کوئی دامن سے لپٹا رو رہا ہے — کوئی ہر بار محوِ التجا ہے
نہ آخر رحمت اللعالمینی — ز مہجوران چرا فارغ نشینی
کہوں کیا حال نیچے دامنوں کا — جھکا ہے رحمتِ باری کا پلہ
یہی دامن تو ہیں اے جانِ مضطر — مچل جائیں گے ہم محشر میں جن پر
نہیں انکار کی عادت ہے معلوم — نہیں پھرتا ہے سائل ان کا محروم
فقیروں جھولیاں اپنی — میرا ذمہ ہے جو مانگو سو پا لو

جب آفتاب نبوت نے اپنے چہرہ منور سے مدینہ منورہ کو منور فرمایا۔ تو انصار حضورؐ کے ناقہ کے چاروں طرف پروانہ وار پھرنے لگے۔ کچھ لوگ خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے مدینہ کی طرف دوڑے۔ تاکہ آپ کی تشریف آوری کی خبر سب کو پہنچادیں۔ پھر کیا تھا تھوڑی دیر میں سارا مدینہ اُمنڈ پڑا۔ پیر و جوان۔ مرد و عورتیں۔ لڑکے۔ لڑکیاں۔ بچے۔ بچیاں۔ غلام۔ لونڈیاں دوڑے چلے آئے۔ ایک کہتا تھا جاء رسول اللہ دوسرا کہتا تھا جاء نبی اللہ۔ الغرض آپ مدینہ کے محلہ قبا میں پہنچے۔ اور عمر بن عوف کے گھر مہمان ہوئے۔ خوشی کے جوش میں نوجوانوں نے نیزہ بازی اور تلوار کے کرتب شروع کر دیے۔ بنی نجار کی لڑکیاں دف لیکر آئیں اور یہ شعر گانے لگیں ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
طلوع کیا بدر نے ہم پر ثنیات الوداع سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
واجب ہوا شکر ہم پر جب تک دعا کرے اللہ کو کوئی دعا کرنے والا

الغرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تیسرے روز قبا میں آ پہنچے۔ قبا مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے۔ یہاں حضورؐ نے چودہ روز قیام فرمایا۔ اور ایک مسجد تعمیر فرمائی۔ جو مسجد قبا کے نام سے اس وقت تک موجود ہے۔ اور اس مسجد کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے۔ الغرض چودہ روز کے بعد جمعہ کے روز آپ قبا سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ میں حضورؐ کے پہنچنے کی گھر گھر عید تھی۔ یہاں تک کہ عورتیں اپنے اپنے کوٹھوں پر چڑھ کر آپ کی زیارت سے مشرف ہوتی تھیں۔ لڑکوں میں یا نبی اللہ۔ یا رسول اللہ کا شور برپا تھا۔ ہر شخص کی دلی تمنا یہ تھی کہ حضور میرے غریب خانہ پر قیام فرمائیں۔ آپ نے اپنی اونٹنی کو چھوڑ دیا۔ کہ جہاں بیٹھ جاوے وہیں آپ قیام فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت ابوایوب کے گھر کے سامنے اونٹنی آ ٹھہری۔ یہاں ایک ویران جگہ تھی جو دو یتیموں کی ملکیت تھی۔ اس کے ایک حصہ میں اونٹ بندھتے تھے۔ ایک طرف کچھ قبریں تھیں۔ کچھ درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ ان یتیموں نے چاہا کہ یہ جگہ مسجد نبوی کے لئے مفت دی جائے۔ مگر

آپ نے پسند نہ فرمایا بلکہ قیمتاً زمین خریدی گئی اور سب سے پہلا کام یہ ہوا۔ کہ مسجد یہاں بنائی گئی۔ اس مسجد کی تعمیر میں جو مزدور اور معمار لگے وہ خود سرورِ عالم اور ان مقدس انسانوں کا گروہ تھا جو اپنا سب کچھ خدا کے لئے قربان کر چکے تھے۔ پتھر اٹھانے اور اس محنت کو اپنی روح کی غذا سمجھتے ہوئے آنحضرت کے ساتھ ساتھ یہ دعا پڑھتے جاتے تھے:۔

(ترجمہ) "اے خدا آخرت کی بھلائی ہی اصلی بھلائی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کی حفاظت فرما۔" مسجد کیا تھی سادگی کا ایک کامل نمونہ تھا۔ یعنی کچی اینٹوں اور گارے کی دیواریں کھڑی کر کے اس پر کھجور کے ستون، کھجور کی کڑیاں اور کھجور کی ہی ٹہنیوں کی چھت ڈال کر ایک سیدھی سادی عبادت گاہ بنا کر کھڑی کر لی۔ اور اس مسجد کے صحن میں ایک کچا چبوترہ بنایا گیا۔ جس کا صُفّہ نام رکھا گیا۔ اور اس کے اوپر بھی کھجور کی لکڑیوں کی چھت ڈال دی گئی۔ یہاں وہ لوگ رہتے تھے جو اپنا گھر بار نہ رکھتے تھے۔ اور مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے چلے آئے تھے۔ اور اصحابِ صُفّہ کے نام سے مشہور تھے۔ گویا یہ مسجد کے ساتھ درسگاہ روحانی کی بنیاد تھی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنا تمام وقت روحانی تعلیم میں صرف کرتے تھے۔ اور دم بدم عشقِ رسول اللہ صلعم میں ترقی کرتے جاتے تھے۔ اسی مسجد کے ساتھ ملے ہوئے دو حجرے آنحضرت کی بیویوں کے لئے بنائے گئے۔ بعد میں جب اور ازواج مطہرات سے آپ نے نکاح کیا۔ تو اور حجرے بنتے گئے۔ ان سب کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔

مکہ معظمہ میں تو کھلے طور پر نماز باجماعت نہیں ہو سکتی تھی۔ اب مدینہ میں جو امن ملا۔ تو لوگوں کو نماز کے اوقات پر بلانے کے لئے مختلف تجاویز پر غور ہوا۔ اسی رات کو حضرت عمرؓ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یہ کلمات دہرا رہا ہے۔ "اللہ اکبر، اللہ اکبر" یعنی اذان و اقامت کے پورے کلمات آپ نے صبح سویرے یہ خواب آنحضرت صلعم کو سنایا۔ حضورؐ نے فرمایا یہی نماز کے بلانے کو ہماری اذان ہو۔ چنانچہ اسی دن سے یہ اذان مقرر ہو گئی۔ جمعہ کی ابتدا بھی مدینہ میں ہوئی اور سب سے پہلے نمازِ جمعہ جو آپ نے پڑھی اس کا وہ دن تھا جس دن آپ قبا سے چل کر مدینہ آئے تھے۔ نماز کے انتظام کے بعد دوسری ضرورت مہاجرینؓ [illegible] تھا کہ جب تک اللہ تعالے ان کے لئے سہولت کی

کھولے۔ اُن کی رہائش وغیرہ کا ٹھیک انتظام ہو جائے۔ ان میں سے اکثر لوگ صاحبِ مال تھے۔ مگر چونکہ مکہ سے اُن کو چھپ کر بھاگنا پڑا اس لئے اموال اور جائدادیں وہیں چھوڑیں۔ آپ نے اُن کی تکالیف کا یہ علاج کیا۔ کہ ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری میں مواخات قائم کردی یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ یہ عقد اخوت جس ہمدردی اور محبت کی روح کا نتیجہ تھا۔ ویسی ہی ہمدردی اور محبت انصار نے فی الواقع اپنے مہاجر بھائیوں سے کر کے دکھادی جس کو جس کا بھائی بنایا گیا۔ اس نے اپنے ساتھی بھائی کو گھر لیجا کر ایک ایک چیز کا نصف کر دیا اور اپنا نصف مکان رہائش کے لئے بھی دیدیا۔ ایک انصاری کی دو بیبیاں تھیں اور جس مہاجر کو اُس کا بھائی بنایا گیا اس کے ہاں کوئی بیوی نہ تھی۔ انصاری نے کہا میں ایک بیوی کو جسے تم پسند کرو طلاق دیتا ہوں۔ تم اس سے نکاح کرلو۔ مگر انہوں نے انصار کی اس قدر ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے انکار کر دیا۔ انصار نے یہ بھی چاہا کہ مہاجرین کو اپنی نصف نصف کھیتیاں دیدیں کیونکہ اکثر انصار زراعت پیشہ تھے۔ مگر چونکہ مہاجرین تجارت پیشہ لوگ تھے اس لئے آنحضرت نے اُن کے لئے پسند نہ فرمایا۔ تب انصار نے یہ فیصلہ کیا کہ کھیتی کا کاروبار اور محنت خود کریں۔ اور نصف پیداوار اپنے مہاجر پیر بھائیوں کو دیدیں۔ یہ عقدِ اخوت یہاں تک مضبوط ہوا کہ پیر بھائیوں کے مقابل میں حقیقی بھائی بھی پیچھے رہ گئے۔ اور جب ایک اُن دو پیر بھائیوں میں سے فوت ہو جاتا۔ تو پیر بھائی کے مال کا پیر بھائی وارث قرار کیا جاتا۔ مگر اس عمل کو قرآن کریم نے کچھ مدت کے بعد رد کردیا۔ یعنی ارشاد ربی ہوا۔ تعلقات قرابت والے بعض بعض سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لئے ورثہ انہیں کو ملیگا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو جب سعد بن ربیع انصاری نے ہر ایک چیز کا نصف دینا چاہا۔ تو انہوں نے اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قبول نہ کیا۔ بلکہ انہوں نے تجارت کے باعث اچھا مال پیدا کرلیا۔ سب سے پہلے جب اور کوئی کام نہ تھا۔ تو حمالی کا کام کیا۔ یعنی بازار میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بوجھ اٹھا کر پہنچاتے۔ جو کچھ کماتے کچھ اس میں سے خود کھاتے۔ کچھ قومی بیت المال میں داخل کرتے۔ تاکہ مسلمانوں کی [illegible] صرف ہو۔ کاش یہ روح آج بھی

مسلمانوں میں پیدا ہو جائے۔ تو تمام دنیا میں پھر اُن کے اخلاق کا ڈنکا بجنے لگے۔ دیکھو پھر بھائیوں میں جو کچھ حسن سلوک تم نے سطور بالا میں پڑھا۔ آپس میں کس قدر محبت تھی۔ لہذا ہر بھائی کو اپنے پیر بھائی کے ساتھ ایسا ہی عمل کرنا واجب ہے۔ اوہر اوس و خزرج کے قبائل سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ تو آپ نے ان کی باہم رنجیدگیوں کو بھی بالکل صاف کر دیا۔ بلکہ یہ حکم دیکر کُلُّ مُؤْمِنٍ اُخُوَۃٌ تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اور علانیہ طور پر یہ فرمایا۔ لوگو! تم بہ اعلان سلام کیا کرو۔ محتاجوں کو کھانا کھلاؤ۔ بھائی چارہ کے رشتہ کو جوڑ کر مضبوط کرو۔ قرابت کے تعلقات میں وسعت دو۔ جب سب لوگ راتوں کو سوتے ہوں۔ تم خدا کی عبادت کرو۔ عبداللہ نے حضور صلعم کی زبان فیض ترجمان سے یہ کلمات ہدایت سنتے ہی عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں۔ مگر مناسب یہ ہوگا کہ حضرت پہلے یہود کو بلا کر میرا حال دریافت فرمائیں۔ اگر ان پر میرا مسلمان ہونا ثابت ہو جائے گا تو غالباً وہ بھی سب مسلمان ہو جائینگے۔ چنانچہ حضور نے عبداللہ بن سلام کی اس عرض کے مطابق یہود کو بلا کر اُن سے دریافت کیا کہ عبداللہ بن سلام کیسے شخص ہیں۔ سب نے بلا تامل جواب دیا۔ وہ ہماری قوم میں بڑے عالم و فاضل ہیں۔ ہم ان کو اپنا سردار جانتے ہیں۔ اُن کی پارسائی اور صداقت پر ہمیں پورا بھروسہ ہے۔ یہود کا یہ جواب سنکر حضور نے اُن سے دریافت کیا۔ آپ لوگ عبداللہ کو ایسا جانتے ہو۔ تو اگر وہ پھر ایمان لاکر مسلمان ہو جائے کیا آپ لوگ بھی دین اسلام قبول کرو گے؟ یہود نے کہا۔ یہ ناممکن ہے۔ عبداللہ بن سلام جیسا عالم و فاضل اپنے دین کو چھوڑ دے۔ اتنا سنتے ہی آپ نے عبداللہ بن سلام کو آواز دیکر اور یہود کے سامنے کر کے پوچھا۔ تو اس نے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔ بھائیو! خدا سے ڈرو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم نبی آخر الزماں ہیں۔ ان پر ایمان لاؤ۔ اور مسلمان ہو جاؤ۔ عبداللہ کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی تمام یہود پر سناٹا چھا گیا۔ اور وہ اس کو برا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے ہوئے واپس ہو گئے۔

تیسری بڑی ضرورت جس کی طرف مدینہ میں آتے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی مدینہ کی مختلف قوموں میں ایک [illegible] حلف کرنا تھا۔ یہودی یہاں ایک بڑی طاقتور قوم تھی۔ اور

یہ لوگ اَوس و خزرج کی باہمی جنگوں میں حلیف بنکر شامل ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یہ لوگ عربی النسل تھے۔ یہودی مذہب اختیار کر کے علیحدہ قوم بن گئے۔ مدینہ میں ان کے تین قبیلے تھے۔ **بنی قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ** دوسری قوم وہاں اوس اور خزرج کے دو قبیلے تھے۔ جن میں ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ جس کا آنحضرت نے فیصلہ بھی کر دیا۔

قانون بین الاقوام

اس کے بعد آنحضرت صلعم نے مسلمانوں اور یہود میں معاہدہ کی ایک بنیاد ڈالی جس کی شرطیں یہ تھیں۔

اوّل (۱)۔ مسلمان اور یہودی بلکہ ہر یثربی قبیلہ ایک قوم کے حکم میں ہوں گے۔

دوئم (۲)۔ ہر فریق اپنے اپنے دین پر رہے گا۔ ایک فریق دوسرے فریق سے تعرض نہ کریگا۔

سوئم (۳)۔ صلح اور جنگ کی حالت کل مسلمانوں پر یکساں عائد ہوگی۔ ان میں سے کسی ایک یا دو شخصوں کو اختیار نہ ہوگا کہ وہ بذات خود اعلان جنگ کریں یا بطور خود صلح کریں۔

چہارم (۴)۔ وہ یہود جو ہمارے جمہوری انتظام میں شامل رہنا چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے ہر حالت میں یہ فرض ہوگا کہ ہم سب ان کی حفاظت کریں۔ اور بیرونی حملوں کے وقت ان کی مدد کریں۔ اُن کے حقوق ویسے ہی ہوں گے جیسے مسلمانوں کے۔ ہمارے شامل حال یہود مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو کئی عہدوں پر ممتاز ہوں گے۔

پنجم (۵)۔ یثرب میں جتنی قومیں یہود کی آباد ہیں۔ وہ سب ایک نظر سے دیکھی جائینگی۔ اور انھیں بھی اپنے اپنے مذہبی فرائض انجام دینے کے لئے مسلمانوں کی طرح کامل آزادی حاصل ہوگی۔ جو لوگ انکی پناہ میں ہیں۔ اور ان کے حلیف ہیں۔ ان لوگوں کی بھی ویسی ہی حفاظت کی جائیگی۔ اور ان لوگوں کو بھی ویسی ہی آزادی دی جائے گی۔

ششم (۶)۔ ملزم خواہ یہودی ہو یا مسلمان یکساں سزایاب ہوگا۔

ہفتم (۷)۔ اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ کرے۔ تو یہودی اور مسلمان مل کر اس کو پسپا کریں گے۔ اور جو

شخص یثرب میں داخل ہوگا اس کے بھی یہی حقوق ہوں گے

(۸) ہشتم۔ جرم پر کسی کی رعایت نہ کی جائے گی۔ عام اس سے کہ وہ سردار ہو یا معمولی شخص۔ اور کوئی شخص مجرم کی بجانب طرفداری کریگا۔ خواہ وہ کسی کا رشتہ داری کیوں نہ ہو۔

(۹) نہم۔ تمام گذشتہ جھگڑوں کی نسبت سمجھا جائے کہ وہ ختم ہو چکے۔ اور آئندہ کوشش کیجائے کہ آپس میں ایک متحد ہو۔

(۱۰) دہم۔ جنگ کریں گے تو دونوں شریک کریں گے۔ اور صلح کریں گے تو متفق ہو کر۔

(۱۱) یازدہم۔ مدینہ دونوں معاہدین کے لیے حرمت کا مقام ہوگا یعنی اس کے اندر کوئی خونریزی وغیرہ نہ ہوگی۔

(۱۲) دوازدہم۔ تمام تنازعات کا آخری فیصلہ آنحضرت صلعم کریں گے۔

اس معاہدہ کو کل اہل یثرب نے پسند کیا۔ بلکہ تمام یہودیوں کے اس عہدنامہ پر دستخط ہو گئے حتیٰ کہ بنی قریظہ اور قینقاع تک بھی اس معاہدہ پر دستخط ثبت کر کے شامل ہو گئے۔ اور اسی دن سے مسلمانوں نے یثرب کا نام مدینۃ الرسول قرار دیا۔ حضور پر نور علیہ وسلم نے باوجود امی ہونے کے یہ ایک ایسی نئی انوکھی اور مہذب قومیت قائم کی۔ جس کی نظیر نہ اس وقت تک دنیا میں کہیں تھی۔ اور نہ اب تک ہے۔ اگرچہ یہود نے کثرت رائے اور مسلمانوں کے خوف سے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے لیکن تعصب کا برا ہو کہ وہ ظاہر تو مسلمانوں سے ملے رہے اور باطنی طور پر وہ ہمیشہ مسلمانوں کے درپئے آزار رہے چنانچہ انھوں نے خفیہ طور پر کفار مکہ اور قریش کو اطلاع دی۔ کہ تم سب لوگ یثرب پر حملہ کر دو ہم لوگ اگرچہ بظاہر اس نئے پیغمبر کے موافق ہیں۔ کیونکہ اس سے معاہدہ کر چکے ہیں۔ مگر تمہارے آتے ہی اس معاہدہ کو توڑ کر تمہارے ساتھی ہو جائینگے۔ بلکہ ہم تم مل کر مسلمانوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ مشرکین مکہ یثرب کے یہود کا یہ خیال سنکر نہایت خوش ہوئے اور ان کے سردار ابوجہل نے مہاجرین مکہ کو کہلا بھیجا کہ اب ہم سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اوس و خزرج کے بھروسے پر نہ رہنا ہمارا لشکر یثرب میں گھستے ہی تمہارا خاتمہ کر دیگا۔ مشرکین مکہ کے اس اعلان جنگ اور یہود کی بدباطنی سے مسلمانوں کو نہایت تردد ہوا۔ اور جب پہلے یہ خیال (۱) کہ کفار مکہ کی فوج اگر یثرب کی طرف حملہ کرے گی تو درمیان میں جتنے قبائل ملیں گے ان کو برانگیختہ

کہ وہ اپنے موافق بنالیں گے۔ اس طرح یہاں آتے آتے دشمنوں کی تعداد بڑھ جائیگی اس لئے مشرکین مکہ کے آنے سے پہلے ان دریائی قبائل کو اپنا دوست بنا لینا چاہیئے۔ اور اگر وہ دوست نہ ہیں۔ تو کم از کم غیر جانبدار یعنی نیوٹرل بنا دیئے جائیں۔ تا کہ وہ قبیلے نہ ہمارا ساتھ دیں نہ ہمارے دشمنوں کا۔ چنانچہ اس کی کوششیں شروع ہو گئیں اور آنحضرت صلعم خود بھی باہر تشریف لے گئے۔ اور اکثر قبیلوں سے غیر جانبداری کے قول و قرار لئے۔ ادھر قریش اس فکر میں تھے کہ یثرب میں یہود کی مدد سے آنحضرت صلعم اور کل مہاجرین کو یثرب پہنچکر شہید کر دیں۔ مدینہ میں آ کر مسلمانوں کو مذہبی آزادی مل گئی۔ مسجدیں بن گئیں۔ اذانیں ہونے لگیں۔ اور کوئی چھیڑ چھاڑ کرنے والا نہ رہا۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں۔ کہ اب مسلمانوں کو امن چین مل گیا۔ کیونکہ ان کے جانی دشمن کفار مکہ میں نہایت جوش پھیل گیا تھا۔ اور اب تعداد میں پہلے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ جب مسلمانوں نے حبش میں ہجرت کی۔ تو اس وقت بھی کفار نے ان کا تعاقب کیا۔ اور آخر نجاشی کے پاس وفد بھیجکر ان کی تباہ کرنے کا پورا تہیہ کر لیا تھا۔ اب جب محمد نبی کریم صلعم اور صحابہ کو ایک دوسرے مقام میں امن کی جگہ مل گئی تو قریش اس کو کس طرح اطمینان کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ اور حبش کے مہاجرین بھی حضور کی ہجرت کی خبر سنکر یثرب میں آ چکے تھے۔ یثرب میں عبداللہ بن ابی کا رویہ نہایت مشتبہ تھا۔ اور عام طور پر باوجود معاہدہ کے کوئی یہودی قابل اعتبار نہ تھا۔ قریش کے چھوٹے چھوٹے دستے باہر نکلتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہو کر اونٹ لے گئے۔ اور باغوں کے درختوں کو کاٹ گئے۔ ادھر آنحضرت صلعم کو بھی حکم ہو چکا تھا کہ "اب دشمنوں نے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار اٹھائی ہے۔ لہذا آپ بھی اب مدافعت میں تلوار اٹھا سکتے ہیں" چنانچہ قرآن شریف کے اس حکم کا یہ ترجمہ ہے۔ "ان لوگوں کو مدافعت کی اجازت دی جاتی ہے جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا" اور دوسری جگہ بھی یہی حکم ہے۔ کہ "اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ اور زیادتی مت کرو یعنی اپنی طرف سے پہل مت کرو۔ جب کفار نے پہل کی اور ادھ[illegible]گاہ سے لے گئے اور باغوں کے

درختوں کو کاٹ کر پھینکدیا۔ تو مسلمان بھی مدافعت کے لئے تیار ہو گئے۔ قریش نے سنہ ۶۲۳ء مطابق سنہ ۲ ہجری پہلا حملہ مدینہ پر کیا جسے جنگ بدر کہتے ہیں۔ اس جنگ میں کفار کا بہت زیادہ نقصان ہوا اور اسلام کی عظیم الشان فتح ہوئی۔

سنہ ۶۲۴ء مطابق سنہ ۳ ہجری کو پھر کفار نے دوسرا حملہ کیا۔ اس جنگ کو جنگ اُحد کہتے ہیں اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس جنگ میں اکثر نامور مسلمان شہید ہوئے۔ یہانتک کہ حضرت امیر حمزہؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ اور آنحضرتؐ کے دندان مبارک بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

سنہ ۶۲۶ء مطابق سنہ ۵ ہجری کو جنگ خندق ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمان کامیاب ہوئے۔

سنہ ۶۲۷ء مطابق سنہ ۶ ہجری کو مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان ایک صلح نامہ لکھا گیا۔ جسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ سنہ ۶۲۸ء مطابق سنہ ۷ ہجری کو مدینہ کے قریب یہودیوں سے عرصہ تک جنگ ہوا کی کیونکہ یہودیوں نے خیبر کا قلعہ بند کر رکھا تھا اکثر بہادران اسلام نے حملے کئے مگر ناکام واپس آئے۔ تو آخری وقت میں مولائے کائنات۔ حیدر کرار۔ غیر فرار کو آنحضرت نے علم فوج دیکر کفار سے لڑنے کا حکم دیا۔ آپ نے اپنی روحانی قوت سے خیبر کا دروازہ توڑ دیا جس کے ہر ایک کواڑ کو چالیس آدمی بند کرتے تھے۔ اور بیشمار کفار کو تہ تیغ کیا۔ اور ان کے سب سے زیادہ نامور اور پہلوان یعنی مرحب اور عنتر کو قتل کر دیا۔ اس جنگ کو جنگ خیبر کہتے ہیں۔ جنگ خیبر میں مسلمانوں کو ایک نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ اسی سنہ ہجری میں مسلمانوں نے پہلا حج کیا۔

سنہ ۶۲۹ء مطابق سنہ ۸ ہجری کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار فوج کے ساتھ کفار مکہ پر چڑھائی کی اور بغیر جنگ کئے آپ کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی جو فتح مکہ کے نام سے مشہور ہے اور بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ الغرض چاروں طرف اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔

(ازواج مطہرات یعنی مسلمانوں کی مائیں)

آنحضرت صلعم کی ازواج یعنی حرم گیارہ ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی ذیل میں تحریر کئے

جاتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت حفصہؓ۔ حضرت زینبؓ۔ حضرت سودہؓ۔ حضرت ام سلمہؓ۔ حضرت صفیہؓ۔ حضرت جویریہؓ۔ حضرت ام حبیبہؓ۔ حضرت زینبؓ بنت جحشؓ۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالے عنہن۔ اور آپ کی اولاد امجاد سات ہیں۔ یعنی تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں جن کے نام یہ ہیں۔

حضرت قاسمؓ۔ حضرت عبداللہؓ جن کے القاب طیب و طاہر تھے۔ حضرت ابراہیمؓ۔ اور صاحبزادیاں حضرت زینبؓ۔ حضرت ام کلثوم۔ حضرت رقیہؓ۔ اور حضرت فاطمہ زہرا۔ سوائے حضرت ابراہیمؓ کے اور سب آپ کی اولاد جناب خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ صرف حضرت ابراہیمؓ ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(۱) حضرت خدیجہؓ۔ آپ خاندان قریش کی ایک نہایت متمول خاتون تھیں۔ جب ۵۹۵ء کو آنحضرت صلعم سے آپ کی شادی ہوئی تو بیوی صاحبہ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اور بیوہ تھیں۔ آپ کے بطن سے مندرجہ بالا چھ اولادیں پیدا ہوئیں۔ آپ نے اسلام پر اس قدر احسان فرمایا کہ اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ نکاح ہوتے ہی سب کے سب حضور اقدس کے نذر کر دی۔ جو اسلامی کاموں پر صرف ہوئی۔ اسلام اتنے بڑے ایثار کو کبھی بھلا نہیں سکتا۔ اس نکاح کے وقت آنحضرت کی عمر پچیس سال کی تھی۔ چنانچہ نکاح کے بعد بیوی صاحبہ نے آنحضرت کے ساتھ پچیس سال گذارے اور ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۰ نبوی مطابق ۶۲۰ء میں آپ نے وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اور مزار مقدس مقبرہ حجون میں واقع ہے۔ جسے امیر ابن سعود نے حال ہی میں منہدم کر دیا ہے۔

دوئم حضرت سودہ بنت زمعہ ہیں جو بعد وفات بی بی خدیجہؓ کے آپ کے نکاح میں آئیں۔ یہ بھی بیوہ تھیں اور حضرت عمرؓ فاروق کے دور خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔

سوئم حضرت عائشہؓ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے نکاح میں آئیں۔ مکہ میں چھ برس کی عمر میں آپ کا نکاح ہوا۔ اور مدینہ طیبہ پہنچ کر سنہ ۲ ہجری مطابق ۶۲۳ء آپ کی وداع ہوئی

اور آنحضرت کی وفات کے وقت حضرت صدیقہ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اور ۱۷ ویں رمضان المبارک سنہ ۵۸ ہجری منگل کی رات میں ۶۳ سال کی عمر میں امیر معاویہ کے دورِ خلافت میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

چہارم۔ حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمر بن خطاب سے آپ کا نکاح ہوا۔ یہ مہینہ شعبان سنہ ۳ ہجری مطابق سنہ ۶۲۴ء کا تھا۔ آپ بھی بیوہ تھیں۔ اور آپ کا انتقال سنہ ۴۵ ہجری کو ساٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

پنجم۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا نکاح آنحضرت صلعم سے سنہ ۶۲۵ء مطابق سنہ ۴ ہجری کو ہوا اور حضرتؐ کی حیات ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور بقیع میں مدفون ہیں۔

ششم۔ اُمّ سلمہؓ بنت ابی اُمیّہ بن مغیرہ سے آپ کا نکاح سنہ ۶۲۵ء مطابق سنہ ۴ ہجری کو ہوا اور بیاسی سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد انتقال ہوا۔ اور یہ بھی جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ہفتم۔ حضرت زینبؓ بنت جحشؓ کا نکاح سنہ ۶۲۶ء مطابق سنہ ۵ ہجری کو آنحضرت کے ساتھ ہوا اور ان کا انتقال سنہ ۲۱ ہجری کو ہوا۔

ہشتم۔ حضرت جویریہؓ بنت حارث سنہ ۶۲۷ء مطابق ماہ شعبان سنہ ۵ ہجری آپ کے نکاح میں آئیں۔ اور سنہ ۵۰ ہجری کو ان کا انتقال ہوا۔ مدینہ منورہ میں مدفون ہوئیں۔

نہم۔ اُمّ حبیبہؓ بنت ابوسفیان ہمشیرہ معاویہ سنہ ۶۲۸ء مطابق سنہ ۶ ہجری آپکے نکاح میں آئیں۔ اور سنہ ۴۴ ہجری کو معاویہ کے دورِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔

دہم۔ حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب بن حرسہ بن ہارون علیہ السلام برادر حضرت موسٰے علیہ السلام سنہ ۶۲۸ء مطابق سنہ ۷ ہجری آپکے نکاح میں آئیں۔ اور حضرت عمرؓ بن خطاب کے دورِ خلافت میں سنہ ۲۰ ہجری کو وفات پائی اور یہ بھی بقیع میں مدفون ہیں۔

یازدہم۔ حضرت میمونہ بنت [illegible] سنہ ۶۲۹ء مطابق سنہ ۷ ہجری آنحضرتؐ کے نکاح میں آئیں۔

اور آپ کی وفات ۵۱ھ ہجری حضرت عمرؓ خطاب کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اور مقام سرف میں جو مدینہ طیبہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے دفن ہوئیں۔ پہلے آپ کا مزار روضہ بنا ہوا تھا مگر اب ابن سعود نے منہدم کرا کر مسمار کر دیا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آپ کے تمام نکاح اکیاون برس کی عمر کے بعد ہوئے۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ کے جیتے جی آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ کے دس نکاح ہوئے جن میں سے نو بیبیاں بیوہ تھیں۔ اور بعض بعض اُن میں سے ایسی معمّر تھیں جن کی خدمت آنحضرتؐ کو کرنا پڑتی تھی۔ صرف حضرت عائشہؓ صدیقہ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ایک کنواری تھیں جن کے کنوار پتے میں آنحضرت صلعم سے شادی ہوئی۔

اولادِ امجاد کی ترتیبِ ولادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صلب سے سب میں پہلے ۵۹۶ء میں حضرت قاسمؓ مکہ میں تولد ہوئے آپ ہی کی وجہ سے آنحضرتؐ کا لقب ابوالقاسم مشہور ہوا۔ اور ۶۰۵ء میں آپ کی وفات ہوئی مکہ میں مدفون ہوئے۔ اس کے بعد ۶۰۰ء میں حضرت زینبؓ تولد ہوئیں۔ سن بلوغ کو پہنچکر آپ کا نکاح ابوالعاص کے ساتھ ہوا۔ آپ کے دو اولادیں پیدا ہوئیں۔ یعنی ایک فرزند اور ایک صاحبزادی آپ کے فرزند کا نام علیؓ اور صاحبزادی کا نام بیبی امامہؓ تھا۔ نبی اکرم صلعم کے یہ سب سے پہلے نواسی نواسے تھے۔ آپ ان دونوں سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ اور علیؓ کو اس قدر پیار کرتے تھے کہ نماز کے سجدہ میں جب کبھی وہ پشت مبارک پر آجاتے تھے۔ تو آنحضرت صلعم سجدے کو اس قدر طول دیدیتے تھے جب تک کہ وہ خود اُتر نہ آتے۔ آپ ہرگز جنبش نہ کرتے تھے۔ یہی وہ علیؓ ہیں جو فتح مکہ کے روز آنحضرت صلعم کے آغوش میں جلوہ افروز تھے۔ مگر قبل بلوغ بارہ سالہ عمر میں ان کا انتقال ہوگیا۔ بیبی امامہ کی شادی حسب وصیت جناب سیدہ کے بعد وفات جناب سیدہؓ کے مولائے کائنات حضرت علی شیر خدا سے ہوئی۔ اور محرم [illegible] بمطابق [illegible]ء کو ہیاج نامی کا فرزند

نیزہ مار کر آپ کو شہید کر دیا حضرت زینبؓ حاملہ تھیں آپ کو نواں مہینہ تھا جو مدینہ سے تعبہ طرف
کو جا رہی تھیں۔ کہ ہبار نے بنت محمد صلعم کو دیکھکر ان کے پیٹ پر ایسا نیزہ مارا کہ پیٹ کے اندر کا بچہ
اور آپ دونوں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آنحضرت خود ان کی لاش لائے۔ اور خود نماز جنازہ
پڑھا کر جنت البقیع میں حضرت زینبؓ شہیدہ کو دفن کیا۔ یہ واقعہ بھی اوراق تاریخ میں ایک یادگار رہیگا
بعدہ حضرت عبداللہ عرف طاہر قبل بعثت مکہ میں تولد ہوئے۔ اور صغر سنی میں وفات پائی۔

اس کے بعد سنہ ۶۰۳ء مطابق ۳۳ سنہ فیل کو حضرت رقیہؓ مکہ میں پیدا ہوئیں۔ سن بلوغ کو پہنچکر
عتبہ بن ابولہب سے منسوب ہوئیں۔ لیکن سورہ **تبت یدا ابی لہب** کے نازل ہوتے ہی ابولہب
نے اپنے بیٹے سے طلاق دلا دی۔ تب آنحضرت صلعم نے حضرت بی بی رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ
کے ساتھ کر دیا۔ ان سے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ تھا۔ اسی سبب حضرت عثمانؓ کو
ابو عبداللہ کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ جب دو سال کے ہوئے تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں
چونچ ماری جس کے صدمہ سے ان کی وفات ہو گئی۔

حضرت رقیہؓ کی وفات سنہ ۶۲۳ء مطابق سنہ ۲ ہجری کے مدینہ میں ہوئی اور البقیع میں مدفون ہوئیں۔
اس کے بعد حضرت ام کلثومؓ جن کو آمنہ بھی کہتے ہیں ان کی ولادت سنہ ۶۰۲ء کو مکہ میں قبل بعثت ہوئی
چنانچہ نزول وحی سے پیشتر وہ بھی عتبہ بن ابولہب سے منسوب تھیں اور ان کو بھی عتیبہ نے مندرجہ بالا سورۃ
کے نازل ہوتے ہی ابولہب کے کہنے سے طلاق دیدی لہذا حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد سنہ ۶۲۳ء مطابق
سنہ ۳ ہجری کو رسالت مآب صلعم نے حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ آپ کا بھی نکاح کر دیا۔ اس لئے حضرت
عثمان غنی کو ذی النورین کہتے ہیں۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور وفات آپ کی سنہ ۶۳۰ء مطابق
سنہ ۹ ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی آپ بھی جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

بعدہ سنہ ۵ نبوی کو حضرت فاطمۃ الزہرا شعب ابی طالب میں پیدا ہوئیں اور مدینہ طیبہ میں
جب آپ کی عمر پندرہ سال چھ مہینہ کی تھی تو حضرت شاہ ولایت امیر علیہ السلام یعنی حضرت علی
کرم اللہ وجہہ سے آپ کی شادی ہوئی حضرت علیؓ کا سہرا۔ شعر

علیؑ نوشہ بنا سہرا بندھا باشکلشائی کا ملا خلعت نبی سے خالق کی حاجت روائی کا
غلامان حیدری بن گئے سب خاص و عام اُسکے بنا مولا علیؑ دولہا جو اُس احمد کی جائی کا
لو الحمد - دل دل - ذوالفقار - اللہ نے بخشی سلامی میں وہ لشکر کش بنا فوج خدائی کا
گنہگاران امت کی شفاعت مہر میں ٹھیری ہوا پورا وعدۂ دیدار بدلہ رونمائی کا
جہاں آئے شاد و آباد لے مذاق اولاد سے انکی رہیگا دور دورا ایسا ہی آلِ مصطفائی کا

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ مولا علیؑ نے اپنے والد کے ترکہ میں ایک اونٹ۔ ایک تلوار اور ایک زرہ پائی تھی۔ اور بھی کچھ آپ کا اثاثہ تھا۔ اس پر قبول اسلام اور حضورؐ کی متابعت کی وجہ سے اپنے بزرگوں سے بھی آپ کو کسی طرح کی امداد نہ مل سکی تھی۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں حضرت علی شیر خدا اپنے نکاح کی از خود سعی کیا فرماتے۔ اس وجہ سے آنحضرت صلعم نے حضرت علی کی دلی تمنا کو پورا کیا اور اپنی نور چشمی جناب سیدہ کے ساتھ بالعوض چالیس دینار چاندی کا مہر باندھکر مسجد نبوی میں خطبہ نکاح پڑھ دیا۔ اور تین رمضان المبارک سنہ ۱۱ ہجری میں مطابق ۶۳۲ء کو آپ کی وفات ہوئی آپ آنحضرت کی وفات کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

بعدہٗ حضرت ابراہیمؑ مدینہ طیبہ میں ۶۲۹ء مطابق ۸ ہجری فتح مکہ کے بعد تولد ہوئے۔ آپ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ماریہ قبطیہ ایک سریہ تھیں (یعنی کنیز) جو بادشاہ شام نے آپ کو نذر میں بھیجی تھی۔ چنانچہ دس مہینے کی عمر میں حضرت ابراہیمؑ کی بھی وفات ہو گئی اور آپ بھی جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

جناب امیر علیہ السلام یعنی مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حلیہ

جناب مولا کا میانہ قد گندمی رنگ جو دور سے سفید و سرخ معلوم ہوتا تھا۔ چہرہ مبارک منور و ہنس متوسط پیشانی کشادہ جسد اطہر پر بال آنکھیں بڑی بڑی اور نیم [illegible] شن۔ محاسن مبارک گھنی اور سیاہ۔ گیسو عنبر شمین تھے۔ ؎

لیلۃ القدر اُن کی زلفِ عنبریں مو بمو — [illegible] والفجر کی تفسیر ہے روئے علیؑ

ترے غمزوں کو مسلماں کہتے ہیں سحرِ حلال — یہ ترا اعجاز ہے اے چشمِ جادوئے علیؑ

سینہ مبارک چوڑا اُبھرا ہوا۔ بھرے بھرے ہاتھ اور کلائیاں ایسی زبردست تھیں کہ پکڑ لیں وہ سانس نہ لے۔ جسم سانچے میں ڈھلا ہوا۔ رفتار آنحضرت صلعم کی رفتار سے بہت زیادہ [illegible] برق رفتار۔ دل بہت زیادہ قوی مستغنی المزاج۔ یوں تو آپ کے القاب بہت ہیں۔ ان میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں۔

سید الاولیا۔ یعسوب المومنین۔ اسد اللہ۔ امیر المومنین۔ ابو الحسن۔ ابو تراب۔ حیدر۔ مرتضیٰ۔ مشکلکشا۔ مولائے کائنات۔ امام المتقین۔ شاہِ مرداں۔ مظہر العجائب والغرائب۔ شیرِ خدا۔ شاہِ نجف۔ سخی۔ خیبر کشا۔ وغیرہ وغیرہ۔ آپ ابو تراب کے لقب سے بہت خوش ہوتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میرا یہی نام لیا کرو۔

غزل از مصنف

روئے علیؑ ہے مصحفِ ایمانِ اولیا — حسنینؑ پاک سے ہے قرآنِ اولیا

شیرِ خدا و شاہِ نجف۔ جانِ اولیا — جلوہ نما ہوا ہے مہِ تابانِ اولیا

حیدر علی۔ سخی۔ اسد اللہ صف شکن — مشکلکشا ہیں شیرِ نیستانِ اولیا

میری سیاہ ہے شبِ ہجراں بھی دور ہو — چہرہ دکھا دے اے مہِ تابانِ اولیا

بندہ پہ اک نگاہِ کرم اس طرف بھی ہو — اے بابِ شہرِ علمِ نبیؐ جانِ اولیا

نامِ علیؑ ہے وردِ زبانِ فرشتگان — ذکرِ علیؑ ہو سلسلہ جنبانِ اولیا

مذہب ہے اپنا الفتِ مولائے کائنات — اور حُبِ اہلبیت ہو ایمانِ اولیا

ذرے چمک رہے ہیں رُخِ بوتراب سے — دیکھو فروغِ مہرِ درخشانِ اولیا

خاکِ قدم ہو سرمۂ چشمانِ عاشقاں — نقشِ قدم ہے مسجدِ ایمانِ اولیا

آئینۂ جمالِ خدا ہے رُخِ علیؑ — قرآن اٹھا کے کہتا ہے ایمانِ اولیا

محشر کا اے حیاؔ مجھے کچھ دغدغہ نہیں ۔۔۔ تھامے ہوئے ہوں دامنِ سلطانِ اولیا

غزل از مصنف

قبلۂ دل کعبۂ جاں مصحفِ روئے علیؑ ۔۔۔ سجدہ گاہِ عاشقاں محرابِ ابروئے علیؑ

عاشقوں کا دین و ایماں مصحفِ روئے علیؑ ۔۔۔ عارفوں کا طاقِ کعبہ ہیبتِ ابروئے علیؑ

نورِ ذاتِ لم یزل چہرہ رسول اللہ کا ۔۔۔ اور اس کا آئینہ ہے دیکھ لو روئے علیؑ

میرے تو مذہب میں ان کا عشق ہے عشقِ خدا ۔۔۔ میرے تو مشرب میں وجہ اللہ ہے روئے علیؑ

ثَمَّ وجہ اللہ کا جب رازِ پنہاں کھل گیا ۔۔۔ پھر جدھر دیکھا نظر آنے لگا روئے علیؑ

جلوہ آنکھوں میں چھپاؤں لے جمالِ مصطفےٰ ۔۔۔ آ اِدھر آ دل میں رکھ لوں جلوۂ روئے علیؑ

دیکھ لو اے عاشقو قرآنِ ناطق دیکھ لو ۔۔۔ مصحفِ روئے نبی ہے مصحفِ روئے علیؑ

آفتابِ چرخِ اعیاں ماہتابِ عارفاں ۔۔۔ جلوۂ روئے نبی ہے جلوۂ روئے علیؑ

خلق پروانہ ہے شمعِ بزمِ عرفاں بوتراب ۔۔۔ سب کا رخ سوئے علیؑ ہے ہر طرف روئے علیؑ

دیکھ لو ہر گل میں ہے رنگِ محمد مصطفےٰ ۔۔۔ سونگھ لو ہر پھول سے آتی ہے خوشبوئے علیؑ

کفر و ایماں سے مجھے کیا کام میں تو اے حیاؔ
بندۂ روئے نبی ہوں بستۂ موئے علیؑ

ابوتراب کی وجہ تسمیہ

ایک دن جناب سرورِ کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جناب سیدہؑ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اور مولائے کائنات کو دریافت کیا۔ تو انھوں نے عرض کیا کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ مکرر دریافت کرنے سے پتہ چلا کہ مسجد میں سوتے ہیں۔ آنحضرت صلعم جب مسجد میں پہنچے۔ تو دیکھا کہ آپ صرف خاک کے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر جسم مبارک سے علیحدہ ہو گئی ہے جسم کا بہت بڑا حصہ خاک آلود ہے۔ تو حضور صلعم نے برجستہ فرمایا۔ قم یا ابو تراب۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے

ہوئے۔ اور اسی حالت میں حضور انور کے قدم مبارک پر سر رکھ دیا۔ اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ لقب سب سے زیادہ محبوب تھا۔

حجۃ الوداع

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ اور اسلام ایک پیغام محبت ہے جو بچھڑے ہوؤں کو ملاتا۔ بیگانوں کو یگانہ۔ اور ناآشناؤں کو مخلص بناتا ہے۔ احکام اسلام کا منشا یہی ہے کہ تمام مخلوق کو ایک ملت بنا کر ایک مرکز پر جمع کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شارع اسلام نے (۱) مسلمانوں میں باہمی محبت واتحاد و تعلقات قائم رکھنے کے لئے نماز پنجگانہ کی ادائیگی کے لئے اپنے ہی محلہ کی مسجد میں جمع ہونا واجب کر دیا ہے۔ (۲) اور جملہ مسلمانان شہر میں محبت اور تعلقات بڑھانے کے لئے ہفتہ میں ایک بار جامع مسجد میں جمع ہو کر احکام آئینہ یعنی خطبہ کا سننا اور نماز جمعہ کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے (۳) اسی طرح شہر و مضافات شہر کے مسلمانوں میں تعارف، تعلق و رشتہ اخوت مستحکم رکھنے کے لئے سال میں دو بار عیدین کی نماز کو واجب ٹھہرا دیا ہے (۴) اسی طریق وحدت کے مطابق مسلمانان عالم میں رابطہ دین کے مضبوط کرنے کو، مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگوں اور مختلف ملکوں کے افراد کو عمر بھر میں ایک دفعہ ایک مرکز پر جمع ہونے کو فرض کر دیا۔ (مگر ان لوگوں پر جو صاحب استطاعت ہوں۔) اور حج تو یہ ہے کہ حقیقۃ الحج کے ارکان اور مناسک جو سب سے پہلے جناب آدم علیہ السلام نے ادا کئے تھے، اور جن سے ان کا جرم و قصور معاف ہونے کے بعد تخیل گناہ بھی مٹ گیا اس کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور سنگ اسود کو بوسہ دیکر اپنے عہد حالی عہد میثاق کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جو لوگ صاحب استطاعت نہیں ہیں ان کا یقین اپنے عہد میثاق کی تصدیق گھر بیٹھے کرتا ہے۔ اور وہ دل سے مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ فریضہ حج کی ترتیب و طریق عبادت نہایت سادہ اور اتحاد آموز ہے۔ جس کے لئے کعبۃ اللہ کا مرکز مقرر ہے چنانچہ ٦٣٢ء مطابق آخر ماہ ذیقعدہ ١٠ ہجری کو حضور علیہ السلام مدینہ سے مکہ کو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے اس حج

ہیں آپ کے ساتھ بیشمار مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ ازواج مطہرات بھی ہمراہ تھیں جو محملوں میں سوار تھیں۔ مسلسل آٹھ روز کے سفر کے بعد حضور پرنور صلعم مع سب مسلمانوں کے ہم۔ ذوالحجہ سنہ ۱۰ ہجری کو اتوار کے روز مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ قربانی کے لیے بہت سے اونٹ ہمراہ تھے۔ مقام سرف میں پہنچ کر سب لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ جو جو قربانی کے جانور ساتھ لائے ہیں۔ وہ بدستور احرام باندھے رہیں۔ اور حج سے فارغ ہو کر کھولیں۔ لیکن جو لوگ قربانی کے جانور نہیں لائے۔ وہ فقط عمرے کے لیے آئے ہیں۔ لہٰذا وہ اسی مقام پر احرام کھول ڈالیں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق وہ لوگ جو قربانی کے جانور ساتھ نہ لائے تھے۔ اور تمام امہات المومنین و جناب فاطمۃ الزہرا نے احرام کھول ڈالے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ارض نجران میں یمن کی طرف گئے ہوئے تھے۔ جب جناب فاطمۃ الزہرا ؓ کو احرام کھولے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا؟ انھوں نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ کہ جو لوگ صرف عمرے کی نیت سے آئے ہیں وہ احرام کھول ڈالیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ سنکر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ تم بھی طواف کر کے احرام کھول ڈالو۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں تو یہ نیت کر کے آیا ہوں۔ کہ جو نیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے وہی میری۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم قربانی کے لئے جانور لائے ہو؟ عرض کیا نہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر خاموش ہو رہے۔ اور اپنی قربانی میں حضرت علی کو بھی شریک کر لیا۔ ماسوا اس کے آپ نے اگرچہ ازواج مطہرات سے احرام کھلوا دیئے تھے مگر ان کی طرف سے بھی قربانی کی۔ اس کے بعد حضور پرنور ارکان حج بجا لانے میں مصروف ہوئے۔ تمام مناسک یعنی افعال حج میں سے ہر ایک کی جدا جدا تعلیم فرمائی اور مسلمانوں کو بتا دیا کہ مروجہ رسوم حج میں سے کتنی باتیں سنت آدم علیہ السلام ہیں۔ کتنی باتیں اصلی سنت ابراہیمی و اسمٰعیلی ہیں۔ اور کتنی باتیں زمانہ مابعد میں مشرکین نے ایجاد کر لی ہیں۔ اس موقع پر عام خلقت کے سامنے آپ نے ایک مفصل اور مشرح تقریر کی: بعد حمد و ثنائے رب العزت خدائے وحدہ لاشریک

لوگو! میں جو کچھ کہوں سن لو۔ گو مجھے معلوم نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ اس حج کے بعد پھر میں یہاں تم سے نہ

مل سکوں۔ یہ خطبہ آنحضرتؐ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر فرمایا تھا۔ لوگو! تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟
یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن ہے۔ تم جانتے ہو یہ کون مہینہ ہے۔ یہ شہر حرام یعنی حرمت والا مہینہ ہے
اور یہ دن بھی محترم ہے۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ سن لیں۔ اور جو موجود نہیں ہیں ان کو یہ پیغام سنا دیں
آج سے جب تک تم زندہ رہو۔ تمہاری جانیں، تمہاری عزتیں، اور تمہارے مال بھی ایک دوسرے
پر حرام ہیں۔ خبردار۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ لوگو! جاہلیت
کی ہر ایک بات کو میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ غرض میں حق تبلیغ کی تکمیل کر رہا
ہوں۔ لہٰذا اس ذمہ داری کی بنا پر کہتا ہوں کہ تم میں سے جس کسی کے پاس کسی کی امانت ہو۔ وہ
اس کے پاس پہنچا دے۔ سود بالکل متروک ہے۔ بس جس قدر اصل سرمایہ ہے وہ البتہ تمہارا حق ہے۔ نہ
تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم ہو۔ ارشاد باری ہے کہ سود قطعی روا نہیں ہے۔ اور عباسؓ بن عبدالمطلب کا سارا
سود متروک ہے۔ لوگو! جاہلیت کے جتنے خون باقی رہ گئے ہیں۔ ان سب کا انتقام موقوف ہے۔ اور
سب سے پہلا خون جس کو میں اپنی طرف سے ترک کرتا ہوں وہ عبدالمطلب کے پوتے ربیعہ بن حارث
کا خون ہے۔ جسے بنی ہذیل نے قتل کر ڈالا۔ بس اسی طرح اب جاہلیت کے تمام قصاص چھوڑ دیئے
جائیں۔ لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں۔ اور اسی طرح تم پر بھی ان کے حقوق ہیں۔ ان
پر تمہارا یہ حق ہے۔ کہ تمہارے بچھونے پر کسی کو شریک نہ کریں۔ اور فحش کام نہ کریں۔ اور اگر ان
سے ایسا قصور سرزد ہو تو خدا نے تم کو اجازت دی ہے۔ کہ ان کو بستروں میں چھوڑ دو۔ اور ایسی
مار مارو جو شدید نہ ہو۔ اور جب ایسے گناہوں سے باز رہیں (یعنی با عصمت ہوں) تو تم پر ان کا
روٹی کپڑا فرض ہے۔ لوگو! میں تمہیں پھر وصیت کرتا ہوں۔ کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک
کرو۔ وہ ایک انیس زندگی کی حیثیت سے تمہارے پاس تمہارے ساتھ ہیں۔ اور وہ اپنی ذات
سے تمہارے گھر کی کسی چیز کی مالک نہیں۔ اے لوگو کلمات الٰہی کے ذریعہ سے تمہاری بیویاں تم پر
حلال ہیں۔ تمہارے تمہاری بیویوں پر حقوق ہیں۔ اور تمہاری بیویوں کے تم پر۔ وہ تمہارے
ہاتھوں میں خدا تعالیٰ کی امانت ہیں۔ بس تم ان سے نیک سلوک کرو۔ اور اپنے غلاموں کیا تم

حسن سلوک سے پیش آؤ۔ جو خوراک تم خود کھاتے ہو۔ اور جو لباس تم خود پہنتے ہو۔ انہیں بھی وہی کھلاؤ اور پہناؤ۔ اے لوگو! آج شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے۔ کہ تمہاری سرزمین میں اسکی عبادت پھر کبھی ہو۔ لیکن اس کے سوا (یعنی بت پرستی کو چھوڑ کر) اگر اور امور میں اسکی اطاعت کی گئی۔ یعنی ایسے اعمال میں جن کو تم حقیر جانتے ہو۔ یہ اس کی خوشی کا موجب ہوگا۔ اے لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر آئے گا۔ اور نہ کوئی جدید امت پیدا ہوگی۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور نماز پنجگانہ ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ بطیبِ خوشی سے دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجا لاؤ۔ (مگر صاحب استطاعت) اور اپنے صاحب امر یعنی اولیاء کرام کی پیروی کرو۔ اور حکام وقت کی اطاعت۔ جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کے فردوس بریں میں داخل ہو گے۔ اے لوگو! اے لوگو میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ایک تو کتاب اللہ و سنت نبوی۔ اور دوسری میری اہل بیت ہے۔ اے لوگو! جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو سنو اور خوب سمجھ لو۔ یاد رکھو۔ کہ ہر ایک مسلمان۔ مسلمان کا بھائی ہے۔ لہذا کسی پر ظلم و جبر ہرگز نہ کرو۔ تم سب بھائی یکساں ہو۔ یعنی ایک سے حقوق اور ذمہ داریاں رکھتے ہو۔ اور تم سب ایک ہی سلسلہ اخوت میں منسلک ہو۔ یعنی پیر بھائی ہو۔ لہذا آپس میں ہمیشہ حسن سلوک رکھنا اور ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

تب آپ نے باآواز بلند فرمایا! اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ یعنی کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ تو ہشیار مسلمانوں کی زبان سے اس کے جواب میں یہ لفظ نکلے اَللّٰھُمَّ نَعَمْ یعنی بیشک آپ نے پہنچا دیا۔

اس حج میں ربیعہ بن امیہ بن خلف بھی آپ کے ہمرکاب تھے۔ اور وہ آپ کے حکم سے آپ کے الفاظ مبارک کو یوں پکار پکار کے لوگوں سے کہتے اور کوشش کرتے تاکہ تمام حاضرین پیام نبوت کو سن لیں۔ اور پکار پکار کر کہتے تھے۔ بھائیو! جو لوگ موجود ہیں۔ وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں ان احکام کی تبلیغ کرتے رہیں۔ ممکن ہے کہ بعض سامعین سے وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے والے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے۔

ناظرین کتاب ہذا۔ اس خطبہ مندرجہ بالا کو نہایت غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ اور دیکھیں کہ آنحضرت نے اپنے الوداعی خطبہ میں قرآن مجید پر عمل کرنے کی کس قدر تاکید فرمائی ہے۔ اور آپس میں حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اور اس کو اپنا دستور العمل بنائیں تاکہ سچے اور پکے مسلمان ہونے کے مستحق ٹھہریں

مولائے کائنات کے لقب کی توضیح

پیمبر بر سر منبر نشست و خواند مولائش کہ تا مولائیش را باشد اندر خلق برہانے

کیا پوچھتے ہو مذہب و مشرب فقیر کا نشہ چڑھا ہوا ہے شراب غدیر کا

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳۲ء مطابق ذوالحجہ سنہ۱۰ ہجری حجۃ الوداع سے مدینہ منورہ کو واپس تشریف لا رہے تھے اور منزل بمنزل معہ تمام مسلمانوں اور معہ تمام ازواج مطہرات کے قیام فرماتے چلے آتے تھے۔ لہذا جب غدیر کی منزل پر قیام فرمایا۔ اور آپ کو ایک وحی کے ذریعے اطلاع ملی۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے بعض لوگوں کے قلوب صاف نہیں ہیں۔ لہذا آپ اعلان کر دیجئے کہ جس کا میں مولا ہوں۔ میں آقا ہوں۔ میں سرتاج ہوں۔ اس کا میرا بھائی علی مولا آقا سرتاج ہے۔ پس آپ نے اونٹوں کے کجاوے تلے اوپر چنوا کر ایک بلند مقام بنوا لیا۔ اور ان بے شمار مسلمانوں کو اس میدان میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے ان کجاووں کے منبر پر کھڑے ہو کر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے پاس کھڑا کر کے ارشاد فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ یعنی جس کا میں مولا ہوں (حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر) اس کا یہ علی مولا ہے۔ اور جناب امیر علیہ السلام کے متعلق کچھ اور بھی محبت بھرے الفاظ فرمائے۔ یہ سنتے ہی تمام مسلمانوں نے حضرت مولا کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اور جس جس کو جناب مولا سے کینہ تھا وہ مٹ گیا سوائے ایک شخص کے۔ کہ وہ منحرف رہا۔ پس اس سبب سے جناب امیر علیہ السلام مولائے کائنات کہلاتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی ازواج مطہرات

اوّل حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور جناب سیدہ کی رحلت کے بعد حضرت زینبؓ۔ امامہ بنتؓ ابو العاص۔ ام البنینؓ۔ بی بی اسماءؓ۔ ام حبیبہؓ بنت ربیعہ۔ خولہ بنتؓ جعفر۔ ام سعیدؓ اور لیلیٰؓ بنت خالد۔ روضۃ الشہداء میں لکھا ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام کے ۳۶ لڑکے لڑکیاں تھیں۔ اور صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں کہ آپ کے ۲۲۔ فرزند اور ۱۶ دختران تھیں۔

مولائے کائنات کی اولاد کے اسماء گرامی

اول خلف ابو محمد الحسنؓ۔ دوسرے ابی عبداللہ الحسینؓ۔ تیسرے محسنؓ جن کا لقب طاہر تھا۔ محمد حنفیہ (۵) عمر۔ (۶) عباس (۷) جعفر (۸) عبد اللہ (۹) عثمان۔ (۱۰) محمد اصغر (۱۱) عبد اللہ۔ (۱۲) یحییٰ (۱۳) عون۔ (۱۴) ابوبکر (۱۵) سعد۔ (۱۶) حاتم (۱۷) حاکم (۱۸) قاسم۔ (۱۹) غالب (۲۰) ناصر (۲۱) عابد (۲۲) اکبر۔ اور یہ ۱۶ لڑکیاں تھیں۔ (۱) حضرت زینب کبریٰ (۲) زینب صغریٰ (۳) رقیہ کبریٰ۔ (۴) رقیہ صغریٰ۔ (۵) ام الحسن۔ (۶) رملہ۔ (۷) نفیسہ۔ (۸) ام ہانی۔ (۹) ام الکرام۔ (۱۰) ام جعفر (۱۱) ام سلیمہ (۱۲) میمونہ۔ (۱۳) خدیجہ۔ (۱۴) فاطمہ۔ (۱۵) ام کلثوم۔ (۱۶) ام سعد۔ ان میں سے چھ اولادیں یعنی تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں حضرت خاتون جنت کے بطن سے پیدا ہوئیں یعنی امام حسنؓ۔ امام حسینؓ۔ امام محسنؓ۔ بیوی زینبؓ۔ بیوی رقیہ۔ بیوی ام کلثوم۔ محسن اور بیوی رقیہؓ کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ بیوی زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر طیار کے ساتھ ہوا اور حضرت بیوی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ فاروق کے ساتھ ہوا۔

ام البنین سے عباس۔ جعفر عبداللہ اور عثمان چار بیٹے ہوئے۔ بیوی لیلیٰ بنت مسعود سے عبداللہ اور ابوبکر دو بیٹے ہوئے۔ اسما بنت عمیس سے محمد اصغر۔ یحییٰ پیدا ہوئے۔ اور محمد بن ابی بکر اور ام کلثوم بنت ابی بکر آپ کے رضاعی بھائی بہن ہیں۔ امامہ بنت ابو العاص سے محمدؐ

پیدا ہوئے۔ خولہ بنت جعفر سے محمد بن حنیفہ پیدا ہوئے جن کا اصل نام محمد اکبر تھا۔ سعیدہ بنت عروہ سے اُمّ الحسن۔ رملۃ الکبریٰ اور اُمّ کلثوم تین لڑکیاں ہوئیں۔ بی بی صہبا بنت زمعہ سے رقیہ پیدا ہوئیں۔ (تاریخ ابن اثیر، تاریخ طبری سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہزادہ امام حسنؑ امام حسینؑ۔ محمد بن حنیفہ۔ عباسؑ، ابوبکرؓ عمرؓ سے آپکی نسل جاری رہی۔ الغرض ۶۳۱ء مطابق ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ مکہ میں نازل ہو چکی تھی۔ (پوری سورۃ کا ترجمہ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی مدد اور فتح (یعنی فتح مکہ) واقع ہو جائے۔ اور آپ دیکھیں کہ اللہ کے دین میں لوگ فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی تسبیح اور تحمید کیجئے اور اس سے بخشش مانگئے یا استغفار کی درخواست کیجئے۔ کیونکہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

سنہ ۳ ہجری تک تو معمولی حالت رہی۔ البتہ سنہ ۴ ہجری میں خدا کی رحمت سے مسلمانوں نے بنی نضیر کی سرزمین کو حاصل کیا۔ سنہ ۷ ہجری میں خیبر کی سرزمین اسلامی قلمرو میں شامل ہوئی۔ اسی سال فدک۔ وادی القریٰ۔ تیماء۔ مملکتِ شام علم اسلام کے سایہ میں آئے۔ سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ اور اسی سنہ میں طائف۔ تبالہ۔ اور جرش پر بھی اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ سنہ ۹ ہجری میں تبوک۔ ایلہ۔ اذرح۔ مقنا۔ جرباء۔ اور دومۃ الجندل فتح ہوئے۔ غرضکہ سنہ ۱۰ ہجری کے آخر میں اسلام کی سطوت تمام جزیرۃ العرب پر سایہ ڈال چکی تھی۔ یعنی شمالی سمت تو تبوک اور ایلہ وغیرہ پر اسلام کا قبضہ ہو چکا تھا اور جنوب کی طرف نجران۔ یمن۔ عمان۔ بحرین اور یمامہ اسلام کے سایہ میں آ چکے تھے۔ مشرق کی طرف خلیج فارس سے شروع ہو کر مغربی سمت بحرِ قلزم تک اسلامی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ اُن مقامات میں اللہ و رسول کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ سنہ ۱۱ ہجری کے شروع ہوتے ہی آنحضرت نے حکم دیا کہ مجاہدین اسلام کا ایک زبردست لشکر ارض فلسطین اور شام کی طرف روانہ ہو جائے۔ اور حضورؐ نے اس مہم کی سپہ سالاری کا شرف اسامہ بن زید کو بخشا جو ایک آزاد شدہ غلام کا بیٹا تھا۔ اور غلام تھا۔ اور ساتھ ہی مہاجرین اوّل یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ

اور حضرت عمر فاروق کو بھی اس زبردست مہم کے ساتھ جانبگی خدمات عطا ہوئیں۔ یہ حکم ماہ صفر ۱۱ھ ہجری کے آغاز میں دیا گیا تھا اس ارشاد رسول کی تعمیل میں ہر طرف سے بہادرانِ اسلام جمع ہونا شروع ہوئے۔ سامانِ سفر درست ہو رہا تھا جان نثارانِ اسلام دولتِ روم کے مقابلہ میں بڑے جوش خروش سے اپنے اپنے اسلحہ درست کر رہے تھے۔ کہ ماہ صفر کی آخری تاریخوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ طبیعت ناساز ہوگئی۔ اس وقت آپ حضرت ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے گھر میں رونق افروز تھے۔

آفتاب عالمتاب کا غروب

یعنی خواجہ عالم صلعم کی وفات

ابتداءً تو آپ کی بیماری کا کچھ خیال نہ ہوا۔ (اگرچہ آپ مختلف مواقع پر اپنے سفر آخرت کو اشاروں ہی اشاروں میں فرما چکے تھے) اور حضور حسب معمول ازواج مطہرات کے مکانات میں باری باری آتے جاتے رہے۔ انھیں دنوں میں جب آنحضرت صلعم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ تو آپ نے رات کو اٹھکر اپنے غلام ابو مویہبہ کو جگاکر فرمایا کہ مجھے حکم باری ہوا ہے کہ میں جنت البقیع کے اہل قبور پر دعائے مغفرت کروں تم میرے ساتھ چلو۔ یہ سنکر ابو مویہبہ ساتھ ہوئے اور آپ جنت البقیع میں پہنچے۔ مدفون بقیع کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ اس کے بعد فرمایا:۔ میں تمہاری حالت پر تم کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس لئے کہ فتنوں کا زمانہ شب تار کی طرح سروں پر آگیا۔ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں۔ اور ہمیشہ یہاں زندہ رہنے کا مجھکو اختیار دیا گیا اور کہا گیا کہ آپ ہمیشہ دنیا میں رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ یا پروردگار کی خدمت میں حاضر ہونے کو

پھر مجھ سے کہا گیا۔ کہ اے محمدؐ! تم جس چیز کو چاہو اختیار کر لو۔ میں نے قربِ باری کو ترجیح دی۔ اور قبول کر لیا۔" مصرع۔ "جمالِ یار سے کب عاشقوں کو جان پیاری ہو" یہ ارشاد فرما کر اہلِ قبور کے لئے دعائے مغفرت کی۔ اور جب وہاں سے واپس ہوئے۔ اسی وقت سے مرض بڑھنا شروع ہوا۔ اور گھر آتے آتے دردِ سر کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ ایسی حالت میں بھی حضورؐ کو اپنی ازواج کے حقوق کا خیال تھا۔ اور اسی بیماری میں باری باری آپ ہر ایک گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ جس روز آپ ام المومنین حضرت میمونہؓ کے ہاں فروکش تھے۔ اس روز مرض کی اتنی شدت ہوئی کہ آنے جانے کی طاقت نہ رہی۔ ایسی صورت میں آپ نے سب ازواج کو جمع کر کے ان سے اس بات کی اجازت لی۔ کہ یہ دورہ موقوف کر دیا جائے اور آپ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر ٹھہر کر علاج کریں۔ جب سب بیویوں نے اجازت دی تو آپ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں مقیم ہوئے۔ اس اثنا میں خبر پہنچی کہ یمن میں اسود عنسی یمامہ میں مسیلمہ کذاب۔ اور بنی اسد میں طلیحہ نبوت کے دعویدار ہیں۔ بلکہ بہت سے لوگ ان کے بہکانے سے اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی پیغمبرِ خدا باوجود ناتوانی اور شدتِ دردِ سر کے سرِ اقدس پر پٹی باندھے ہوئے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ صحابہ اپنے ہادیٔ اسلام کا جمال جہاں آرا دیکھ کر نہایت خوش ہوئے۔ آپؐ نے نماز پڑھائی۔ اور اس کے بعد کچھ وعظ فرمایا۔ اثنائے وعظ میں ارشاد فرمایا۔ کہ ایک بندہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں جو اس کے پاس ہے اس کو اختیار دیا۔ سو اس بندہ نے جو اللہ کے پاس ہے اسے چن لیا۔" حضرت ابوبکر صدیقؓ ان جملوں کی گہرائی تک پہنچ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلعم اپنی وفات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اور وہ رو پڑے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ مسجد میں جس قدر دروازے کھلتے ہیں وہ سب سوائے ابوبکرؓ کے دروازہ کے بند کر دیئے جائیں۔ پھر آپ نے مہاجرین کو نصیحت کی۔ کہ وہ انصار سے نیک سلوک کریں اور ان ارتداد کی وحشتناک خبروں کے باعث حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ سپہ سالار اسامہؓ

کی روانگی ملتوی نہ کی جائے۔ فوراً کوچ کر دینا چاہیئے۔ ان ارشادات کے بعد آپ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں واپس تشریف لے آئے۔ اسامہ نے اس حکم کے مطابق اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ سے کوچ کر کے مقام سرف میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اور تمام جاں نثاران اسلام کو حکم دیدیا کہ سب لوگ اسی مقام پر جمع ہو جائیں۔ لیکن حضور کی حالت ساعت بساعت نازک ہوتی جاتی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کے قدم نہ اٹھتے تھے۔ اگلے دن آپ زیادہ کمزور ہو گئے۔ اور جب نماز کے وقت بلالؓ کے بلانے پر آپ نے وضو کے لئے اٹھنا چاہا۔ تو آپ نے اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا۔ اس لئے فرمایا۔ کہ ابوبکرؓ سے کہو۔ کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ ابوبکرؓ کی آواز نکلتی ہے۔ اور وہ قرآن پڑھتے وقت بہت زیادہ روتے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے پھر اسی طرح عرض کیا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اسی طرح ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن مرض میں ذرا افاقہ ہونے پر آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور مسجد میں قدم رکھا۔ تو دیکھا کہ سب لوگ نماز میں مصروف تھے اور حضرت ابوبکر امامت کر رہے تھے۔ یہ دیکھکر آپ کا چہرہ مبارک خوشی کے مارے چمک اٹھا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ کس طرح وہ لوگ جن کی ہدایت آپ کے سپرد ہوئی تھی۔ اللہ تعالےٰ کے حضور نہایت عاجزی کے ساتھ جھکتے ہیں۔ اور اپنے فرائض میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر آپ اپنے آپ کو کم طاقت پاکر واپس ہو گئے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ آپکی طبیعت انشاءاللہ اچھی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک روز آپنے اکثر لوگوں کو اپنے مکان میں بلوا کر جمع کیا جب سب جمع ہو گئے تو سب کی طرف دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ جوش گریہ کو روک کر فرمایا۔ مرحبا! تمھیں اللہ تعالےٰ خیریت سے رکھے۔ تم پر اپنی رحمت نازل کرے۔ تم کو اپنی امان اور پناہ میں لے۔ تمھیں اپنے آغوش رحمت میں لے۔ تمہارا مرتبہ بلند کرے۔ تمھیں توفیق خیر دے۔ تمھیں سلامت رکھے۔ تم کو اللہ قبول کرے۔ تمھیں میری بڑی وصیت یہ ہے۔ کہ خدا سے ڈرتے رہو۔ میں تم کو خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی کے سہارے چھوڑتا ہوں

اور تم کو اسی کے حوالہ کرتا ہوں۔ دیکھو بندگان خدا پر دست درازی نہ کرنا۔ عورتوں اور غلاموں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آنا۔ خدا نے مجھ سے اور تم سے دار آخرت کا وعدہ کیا ہے اور فرمایا ہے۔ کہ عاقبت کی فلاح ان لوگوں کے لئے ہے جو زمین پر سرکشی نہیں کرتے۔ فساد نہیں کرتے۔ اور انجام خیر پرہیز گاروں کے لئے ہے۔ دیکھو میں تمہیں پھر بتاتا ہوں۔ کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسرے اہل بیت۔ تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہنا۔ اگر تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہے تو جنت میں مجھے حوض کوثر پر آملو گے۔ وفات سے پانچ روز قبل یعنی جمعرات کے دن آپ کی حالت بہت ہی نازک ہو گئی۔ مرض کی شدت تھی اسی حالت میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ کاغذ اور قلم دوات لاؤ۔ میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں۔ کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ یہ ارشاد سنکر لوگوں میں یہ فکر ہوا کہ لکھنے کا سامان پیش کیا جائے یا نہیں۔ کیونکہ آپ تو قطعی اُمّی ہیں۔ اور لکھنے کو فرماتے ہیں۔ یہ ہوش کی بات سمجھی جائے یا بیہوشی کی۔ چنانچہ بعض اصحاب نے کہا کہ یہ بیہوشی کی باتیں ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ قلم۔ دوات ضرور لایا جائے کیونکہ جو لفظ رسول اللہ کی زبان سے نکلے اس کی فوراً تعمیل ہونی چاہئے۔ الغرض اس رائے پر سب متفق ہو گئے۔ اور فوراً تعمیل حکم کی گئی۔ بعض اصحاب بار بار پوچھنے لگے حضور کا کیا حکم ہے؟ کاغذ قلم دوات حاضر ہے۔ تو آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ البتہ اس قدر فرمایا کہ تم لوگ مجھے میرے حال پر رہنے دو۔ اور بار بار بات چیت نہ کرو۔ کیونکہ ۔۔۔۔۔۔ مستغرق فواشم میں فرق آتا ہے۔ حضرت اسامہ نے جب یہ حالت سنی تو کوچ کرنا کیا۔ ان کے ہوش و حواس کوچ کرنے پر تیار ہو گئے۔ لہٰذا مقام سرف ہی میں تمام لشکر کا سازوسامان چھوڑ کر مدینہ منورہ پلٹ آئے۔ لیکن رسول اکرم صلعم اس وقت کچھ بات چیت نہ کر سکتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی طبیعت کچھ ایسی بگڑی کہ عالم نزع شروع ہو گیا۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ آپ کے پیچھے بیٹھی تھیں۔ اور حضور انور ان کے سینہ پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ ایک پیالہ میں پانی بھر کے پاس رکھ لیا تھا۔ بار بار اس میں ہاتھ ڈالتے۔ اور پھر اس گیلے ہاتھ کو روئے مبارک پر ملتے ہوئے فرماتے

«بارِ الٰہا! سکراتِ موت کے برداشت کرنے میں میری مدد فرما۔ اسی حالت میں ایک مرتبہ آپ پر ناقابلِ برداشت تکلیف شروع ہوئی جس کی وجہ سے بے چینی بڑھ گئی۔ اور حضرت سیّدہ اپنے والد کے جوشِ محبّت کی وجہ سے مضطرب ہو کر رونے لگیں۔ اور فرمانے لگیں۔ ابّا جان! مجھے تو جو کچھ تکلیف ہے آپکی تکلیف سے ہے۔ فرمایا۔ بیٹی! اب اسکے بعد تمھارے باپ کو کبھی تکلیف نہ ہوگی۔ مگر اس پر بھی جب جناب فاطمہؓ کا اندوہ و ملال بڑھتے دیکھا تو حضورِ پُر نور صلعم نے ان کو قریب بلا کر کان میں کچھ فرمایا جسکے سُنتے ہی وہ زار و قطار رونے لگیں۔ اس کے بعد آپنے پھر اُن کے کان میں کچھ کہا۔ تو جناب سیّدہؓ بے اختیار ہنس پڑیں۔ اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت عائشہؓ صدیقہ کو جسم مبارک بھاری معلوم ہوا تو گھبرا کر چہرہ مبارک پر نظر ڈالی۔ اور دیکھتے ہی معلوم ہوا کہ شہنشاہِ کونین کی پتلیاں بدل چکی تھیں۔ مگر زبان مبارک پر یہ آخری کلمہ تھا اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی چنانچہ جب حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ نے حضورِ انور کی زبان مبارک سے یہ آخری کلمہ سنا تو بے اختیار ہو کر کہنے لگیں۔ «لو آپنے تو ہمیں چھوڑ کر خدا کو اختیار کر لیا» اتنے ہی وقفہ میں حضورِ پُر نور کی روحِ پُر فتوح نے جسمِ اطہر سے پرواز کیا۔ یعنی شاہنشاہ کونین آفتاب دارین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ ہجری بروز دو شنبہ مطابق گیارہ جون ۶۳۲ء ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وفات کے وقت آنجناب کی عمر مبارک تریسٹھ ۶۳ برس اور پانچ یوم کی تھی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَ سَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○ اس حادثہ جانکاہ پر ازواجِ رسول اللہ رونے لگیں۔ جناب فاطمہ زہرا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ عنہا کے زبان سے جو بے اختیاری میں جملے نکلے اُن میں سے چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے۔

از جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

اے میرے پیارے باپ آپ نے جنّت الفردوس میں نزول فرمایا۔ آہ آپ کے انتقال کی خبر جبرئیل کو کون پہنچا سکتا ہے۔ الٰہی! فاطمہ کی روح کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کے پاس پہنچا دے

الٰہی مجھے دیدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف اور مسرور بنا دے۔ الٰہی مجھے بھی اپنے حبیب کے پاس پہنچا دے۔

از جناب اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

آہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے فقر کو غنا پر اختیار کیا۔ درویشی کو تونگری پر اختیار فرمایا۔ ہائے وہ دین پرور، جو گناہگارانِ اُمت کی فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا۔ آہ جس نے منہیات کو ذرا بھی التفات سے نہ دیکھا۔ جس کے ضمیر منیر کے دامن پر مخالفین کی ایذا رسانی کا ذرہ بھر بھی غبار نہ بیٹھا۔ جس نے احسان کے دروازے فقیروں اور محتاجوں پر کبھی بند نہ کئے۔ جس کے موتیوں جیسے چمکیلے دانت پتھر سے توڑے گئے افسوس جس نے کبھی دو دن برابر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی۔ افسوس آج وہ رخصت ہو گیا۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک پوشیدہ ہو گئی میرا والی میرا وارث اللہ کی جوارِ رحمت میں جا پہنچا۔ افسوس میری آنکھوں کی روشنی چھپ گئی۔ بارِ الٰہا! تو ان کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اٹھا لے تاکہ جنت میں جا کر میں آپکی خدمت کروں۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

الغرض کاشانہ نبوت میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اُدھر جھوٹے نبیوں نے بہت سے مسلمانوں پر قبضہ کر لیا تھا یعنی بہت سے مسلمان مرتد ہو کر گمراہ ہو گئے تھے۔ اور خود مدینہ منورہ کے مسلمان حضور کی وفات سے بے حد پریشان تھے۔ اُدھر جنگ فلسطین و شام جیکے لئے حضرت اسامہ سپہ سالار مقرر کئے گئے تھے۔ وہ نہایت ضروری تھی۔ اِدھر مدینہ میں بعض بعض مسلمانوں کے خیالات منتشر ہونا شروع ہو گئے۔ جوں جوں آپ کی وفات کی خبر مشتہر ہوتی جاتی تھی۔ کمزور ایمان والوں کے ایمان متزلزل ہوتے جاتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچکر فرمایا کہ کوئی شخص یہ لفظ زبان سے نہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ جو شخص یہ کہیگا اس کا سر اڑا دیا جائے گا۔

عام طور پر آنحضرت کی تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری مشہور ہے مگر محققین کے ہاں

۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری تاریخ وفات نبوی مستند مانی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت نظام الدین
اولیا محبوب پاک غریب نواز فرماتے ہیں کہ "جب میں ۲ ر ماہ ربیع الاول ۶۵۶ھ ہجری کو
حضرت شیخ الاسلام والمسلمین یعنی حضرت بابا گنجشکر فریدالدین رحمت اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر
ہوا۔ اس بندہ کو خلعت خاص سے مشرف فرمایا۔ اور بہت سے عزیز حاضر خدمت تھے۔ زبان
مبارک سے فرمایا کہ مولانا نظام الدین کو ہم نے ہندوستان کی ولایت سپرد کی۔ اور صاحب سجادہ
کیا۔ جو میں یہ فرمایا۔ میں نے دوبارہ سجدہ کیا۔ حکم ہوا کہ اے جہانگیر عالم سر اٹھا۔ آپ نے جو تبرکات
حضرت قطب عالم قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمت اللہ علیہ سے پائے تھے۔ اور جو دستار سر
پر بندھی ہوئی تھی عطا فرمائی۔ عصا دیا۔ اور خرقہ اپنے ہاتھ سے پہنایا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ دوگانہ
ادا کر۔ جب میں رو بقبلہ ہوا تو ہاتھ پکڑ کر۔ اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ کہ تجھے خدا کو سونپا۔ جب
میں چلنے لگا تو فرمایا کہ آج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے۔ آج ٹھیر و کل چلے جانا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوسری ماہ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو ہوئی۔ اس وجہ سے
حضور کی تاریخ وفات ۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری مطابق ۸ جون ۶۳۲ء نہایت مستند ہے
اور صاحب تاریخ طبری، ابن جوزی۔ ابن خلدون۔ ابو اسحاق۔ سیرت نبوی۔ سیرت خیر البشر
سب مورخین کا سنہ عیسوی پر اتفاق ہے۔ کہ آنحضرت کی وفات ۸ جون ۶۳۲ء کو ہوئی۔
اور ایک یورپین مورخ۔ ڈاکٹر کولیر ایل۔ ایل۔ ڈی کی شہادت سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن
بعض مورخین کہتے ہیں کہ جناب رسالتماب کا جسد اطہر انتقال سے چار روز کے بعد دفن ہوا
بعض کا مقولہ ہے کہ ۲۴ گھنٹہ کے بعد دفن ہوا۔ اور کوئی کہتا ہے کہ دسویں روز ۱۲ ربیع الاول
کو حضور دفن ہوئے۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا
ہر شخص بیتاب و مضطرب تھا۔ کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق یہ سانحہ جانکاہ
سنکر اپنے گھر سے تشریف لائے۔ اور حجرہ عائشہ صدیقہ میں تشریف لے گئے۔ تو دیکھا کہ جسم مبارک
اور چہرہ اقدس چادر میں چھپا ہوا ہے۔ سرہانے کی طرف سے چادر الٹ کر چہرہ انور دیکھا تو جھک کے بوسہ

دیکر فرمایا ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ۔ آپ زندگی میں بھی اچھے تھے اور وفات کے بعد
بھی اچھے ہیں اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ظاہری انتقال آپ کے حق میں لکھ دیا تھا وہ پورا ہوا ۔ مگر در حقیقت
آپ حیات النبی ہیں ۔ پھر اسی طرح چادر روئے مبارک پر ڈال دی ۔ مجمع عائشہ صدیقہ میں آپ کو خبر پہنچی
کہ مسلمانوں میں بعض بعض ہستیوں کو بے حد جوش بڑھ رہا ہے ۔ بعضے اس سانحہ غم کو سنتے ہی بے ہوش ہو گئے
ہیں ۔ بعض مجنونانہ انداز سے جنگل کی طرف بھاگ گئے ہیں بعض بہت زیادہ بیقرار ہیں ۔ اور اکثر لوگوں
میں حد سے زیادہ پریشانی ہے بلکہ بعض لوگ آپ کی وفات کی خبر سنکر ترک اسلام پر آمادہ ہیں ۔ جن کا ایمان
ضعیف تھا ۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق مسجد نبوی میں آئے ۔ اور سب لوگوں کو متوجہ کر کے حمد و
نعت کے بعد فرمایا ۔ "اے لوگو! جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا ہو وہ سن لے کہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ۔ اور جو خدا کی پرستش کرتا ہو وہ جان لے کہ وہ زندہ ہے اور کبھی
نہ مریگا ۔ اس کے بعد قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی ۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ ترجمہ ۔ اور محمد صلعم
صرف خدا کے ایک رسول ہیں ۔ ان سے پہلے بھی سب رسول گذر چکے ۔ پس کیا اگر وہ وفات پا جائیں
یا قتل ہو جائیں ۔ تو کیا تم الٹے پاؤں واپس جاؤ گے ؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں واپس جائے گا ۔
وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گا ۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنیوالوں کو جزائے خیر دیگا ۔"

پس اس بات پر گھبراہٹ کیسی ہو ۔ قد خلت من قبلہ الرسل نے بتا دیا کہ خدا کا یہ قانون نہیں ۔
کہ موت کے معاملہ میں دوسرے انسانوں سے الگ معاملہ کرے ۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر پہلے کوئی
رسول زندہ رہا ہوتا ۔ تو آنحضرت صلعم کا زندہ رہنا ضروری ہوتا مگر جب پہلے سب رسول فوت ہو چکے ۔ تو
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے کیوں گھبراتے ہو ۔ اس خطبہ اور اس آیت نے تمام طبقوں
میں تسکین پیدا کر دی ۔ اور یہی آیت ہر ایک شخص کی زبان پر تھی ۔ اور یہ ہر شخص کی زبان پر تھا ۔
ایک اللہ کا نام باقی رہے گا ۔ باقی سب اپنا اپنا کام کر کے رخصت ہوں گے ۔ مگر محمد الرسول اللہ

صلعم کا پوری کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہونا تاریخ عالم میں ایک بے نظیر واقعہ رہے گا۔

اس کے بعد لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں دفن کئے جائیں۔ انصار یہ چاہتے تھے کہ آپ مدینہ شریف ہی میں دفن ہوں۔ اکثر مہاجرین کا تقاضہ تھا کہ آپ کو مکہ معظمہ لیجا کر دفن کئے جائیں۔ ایک گروہ نومسلم یہ کہتا تھا کہ آپ کو بیت المقدس میں دفن کرنا چاہیئے کیونکہ وہ سرزمین تمام انبیائے سلف کی خواب گاہ ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ میں نے خود حضرت رسالتمآب صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تمام پیغمبر اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں ان کا قبض ارواح ہوا ہے۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ اور حجرۂ عائشہؓ صدیقہ میں جس جگہ کہ حضور پر نور کا بچھونا تھا۔ اسی جگہ اس رائے کے مطابق ابوطلحہؓ انصاری نے قبر کھودنا شروع کر دی۔ اب اس بات میں اختلاف ہوا کہ غسل میت کے لئے آپ کے بدن مبارک سے کپڑے جدا کئے جائیں یا نہیں۔ اس اختلاف پر کسی طرح اتفاق ہی نہ ہوتا تھا۔ ناگاہ تمام حاضرین پر ایک غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اور اس غنودگی کے عالم میں کسی کو باآواز بلند کہتے سنا کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے پہنے ہوئے ہی غسل دو۔ اور کفنانے کے بعد اس وقت تک جنازے کو تنہا چھوڑ دیا جائے جب تک کہ ایک خاص ندائے غیبی کے ذریعہ اطلاع ہو۔ اس آواز کو ندائے غیبی سمجھ کر اس پر عمل کیا گیا۔ چونکہ حضورؐ نے وصیت بھی فرمائی تھی۔ کہ میرے قرابتدار اور میرے گھر والے مجھے غسل دیں اور میری میت کو کفن پہنانے کے بعد اس وقت تک تنہا چھوڑ دینا۔ جب تک کہ ندائے غیب کے ذریعہ سے حکم ملے۔ اس ارشاد کے مطابق دیگر سب اصحاب اس وقت علیحدہ ہو گئے صرف مولائے کائنات یعنی علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عباسؓ۔ اور ان کے دونوں فرزند فضل و قثم اور آپ کے غلام اسامہ بن زید۔ اور شقران غسل میت میں شریک ہوئے۔ انصار میں سے فقط ایک صاحب اوس بن خولی اس موقع پر البتہ موجود تھے۔ غسل یوں ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جسم اطہر مل کے دھوتے تھے حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں فرزند آپ کے جسم کو

کو اِدھر اُدھر پلٹاتے، اور کروٹیں دلاتے تھے۔ اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت علیؓ آپ کی پاکیزگی وصفائی دیکھ دیکھ کر اور جسد اطہر کی خوشبو سونگھ سونگھ کر فرماتے تھے۔ کہ اے رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ زندگی میں کیسے پاک صاف تھے اور وفات کے بعد بھی کیسے پاک وصاف ہیں۔ اور آپ کے جسم اطہر سے تو آبِ حیات سے بھی زیادہ خوشبوئیں نکل رہی ہیں۔ چنانچہ آنجناب کا آبِ غسل اس قدر معطر تھا کہ برسوں اس سے خوشبو میں آیا کیں۔ اس کے بعد آپ کو کفن پہنایا گیا۔ پہلے خاکستری رنگ کے کپڑے پہنائے گئے۔ اور ان کے اوپر ایک لمبی چادر لپیٹی گئی۔ کئی پیچ دیے گئے۔ جوں ہی نہلا دھلا کر اور کفنا کے جنازہ قبر مبارک کے برابر رکھ دیا گیا۔ آپکی وصیت کے مطابق اور غیبی آواز کے بموجب آپ کے جنازے کو تنہا چھوڑ دیا گیا۔ جب کئی دن تک کوئی ندائے غیبی سنائی نہ دی تو اکثر اصحاب کو تشویش ہوئی اور سب نے مولائے کائنات سے کہا کہ آج کئی دن گذر گئے ہیں۔ اور اس وقت تک کوئی غیبی آواز سنائی نہیں دی۔ اگر کسی ندائے غیب کے ذریعے سے آپ کو کوئی اطلاع ملی ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا بھائیو! ابھی ذرا توقف کرو۔ اور صبر سے دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے کئی دن بعد فلسطین کے یہودیوں کا ایک گروہ جس میں ایک ہزار یہودیوں سے کچھ زیادہ بتائے جاتے ہیں، مدینہ طیبہ کی طرف سے گذرا تھا کہ یکایک وہ کاشانۂ رسالت کی طرف پلٹ آئے۔ قدرت الٰہی دیکھو کہ آنحضرت صلعم کے جسد اطہر کی خوشبو سے تمام مدینہ طیبہ معطر تھا۔ وہی خوشبو ان کو یہاں تک کھینچ لائی۔ اور انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا۔ کہ اس مکان کے اندر اس قدر خوشبو کیونکر آتی ہے؟ کیا اس میں کوئی خوشبو سازی کا کارخانہ ہے؟ ہم نے تو ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی ہے۔ کیا یہ عطر یا خوشبو اس کارخانہ میں فروخت ہوتا ہے؟ ان کے سوال پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا۔ کہ یہ عطر آج تک فروخت نہیں ہوا۔ البتہ فی سبیل اللہ ہے اگر تم کو اس عطر کی خواہش ہو۔ اور دل سے خواہش ہو۔ تو بڑی خوشی سے سونگھ سکتے ہو۔ ان سب نے بہت زیادہ خواہش ظاہر کی۔ تو آنحضرت کے جنازہ پر لے گئے جو بالکل تنہا رکھا ہوا تھا۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی قدر آدمیوں کو جس قدر حجرہ عائشہ صدیقہؓ

میں سما سکتے تھے اپنے ہمراہ لیجا کر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی خوشبو سونگھاتے تھے۔ اور جتنے یہودی اس خوشبو کو سونگھتے جاتے تھے ایمان لاتے جاتے تھے اور جناب مولا کی تلقین سے کلمہ طیبہ پڑھ پڑھ کر مسلمان ہوتے جاتے تھے..........

..........بالآخر وہ سب یہود مشرف باسلام ہوگئے۔ چنانچہ جسد اطہر کے اتنے روز تک دفن نہ ہونے میں یہ مصلحت الٰہی مخفی تھی۔ اور یہ معجزہ تمام عالم کو دکھانا تھا اور تاریخ عالم میں بطور یادگار کے رہنا تھا۔ لہٰذا آنحضرت صلعم بارہ ربیع الاول ۱۱ھ کو حجرہ عائشہ صدیقہ میں اس طرح دفن ہوئے۔ کہ مرد، بوڑھے، بچے آ آ کر نماز جنازہ پڑھنے لگے۔ جب نماز جنازہ سے فراغت پائی۔ تو قبر میں اتارنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ، فضیل، قیثم قبر میں اترے اس موقع پر اوس انصاری بھی آگئے۔ انھوں نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات کا واسطہ دلا کر حضرت علی سے قبر میں اترنے کی اجازت مانگی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت حاصل کرکے اوس بھی قبر میں اترے۔ اور حضور پرنور صلعم کے جسم مبارک کو ان سب نے احتیاط کیساتھ قبر میں اتارا۔ اس کے بعد لحد کا پہلو بند کرکے یہ سب اصحاب باہر نکل آئے۔ اور مٹی دی جانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں آفتاب رسالت کرہ خاک میں نہاں ہوگیا۔ چنانچہ تدفین مبارک شب چہارشنبہ کو عمل میں آئی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللهِ۔ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُوْرًا مِّنْ نُّوْرِ اللهِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ۔

خلفائے راشدین

خلافت کے واقعات کو کتاب کے طول کی وجہ سے ملتوی کیا جاتا ہے۔ اور اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اول خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سب سے پہلے خلیفہ سرور کائنات کے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہوئے

آپ کے والد کا نام قحافہ ہے۔ آنحضرت کے ساتویں جد جن کا نام مرہ اُن تک آپ کا شجرہ نسب پہنچتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق واقعہ اصحاب فیل سے دو برس چار مہینے کے بعد دوشنبہ کے دن مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کے ہاں خلیفہ کو معصوم نہیں مانا جاتا۔ اور نہ اسے مہبط وحی تسلیم کیا جاتا ہے۔ البتہ خلیفہ کے لئے عالم باعمل اور فقیہ ہونا شرط ہے کہ وہ بذات خود حق و باطل صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکے اور سہولت کے ساتھ عدل کو قائم رکھ سکے۔ چنانچہ ۱۳ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ سوم کی۔ اور مدینہ منورہ کے تمام مسلمانوں کو آنحضرت کی فاتحہ کا کھانا کھلایا۔ اور اسی تاریخ آپ خلیفہ اول مقرر ہوئے۔ آپ نے دو سال تین مہینے دس دن مسندِ خلافت کو رونق بخشی۔ اور جب اصحاب کرام جہاد میں شہید ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے خلیفہ رسول اللہ صلعم اصحابہ کی شہادت سے قرآن شریف کے مفقود ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے صدیق اکبرؓ نے آیات قرآنی کو جمع کر کے لکھوانا شروع کر دیا۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق کو جامع القرآن کہتے ہیں۔ اور آپ کے زمانہ میں بہت سے ملک فتح ہوئے۔ آپ نے دو سال دس دن خلافت کی۔ اور پندرہ روز تک بیمار رہ کر ۲۲ - یا ۲۷ - جمادی الاول سنہ ۱۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ روضہ رسول اللہ صلی اللہ صلعم میں مدفون ہیں۔ آپ کے ایام بیماری میں حضرت عمر فاروقؓ نے نماز پڑھائی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے سامنے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ مقرر فرما دیا۔

دوسرے خلیفہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق ابن خطاب رضی اللہ عنہ

دس برس چھ مہینے چھ دن تک مسندِ خلافت پر رونق افروز رہے۔ اور آپ کا نکاح حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا سے ہوا۔ آپ سات محرم کو بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق مکہ میں پیدا ہوئے اور ۲۶ ذی الحجہ سنہ ۲۳ ہجری کو مسجد نبوی میں ابو لولو کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ آپ کا مزار بھی

روضہ رسول اللہ میں ہے۔ آپ کے زمانہ میں بہت زیادہ ممالک فتح ہوئے جن میں سے ایران اور شام کے بڑے بڑے ملک شامل ہیں۔ آپ کی عمر ۶۳ سال پانچ ماہ کی ہوئی۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

۲۳ رمضان المبارک ۶ء فیل بروز جمعہ مکہ میں پیدا ہوئے اور اٹھارہ ذوالحجہ بروز جمعہ ۳۵ھ کو شہید ہوئے۔ آپ نے بارہ سال گیارہ ماہ پندرہ دن تک خلافت کی۔ اور نوے برس کی عمر میں بلوائیوں کے ہاتھ سے اپنے گھر میں محصور ہو کر شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے القاب جامع قرآن۔ ذوالنورین۔ ابو عبداللہ ہیں۔

چوتھے خلیفہ مولائے کائنات جناب امیر علیہ السلام

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۳ رجب ۳۰ء فیل کو بروز جمعہ مکہ معظمہ میں بمقام خانہ کعبہ تولد ہوئے اور شب اکیس رمضان المبارک ۴۰ھ کو ابن ملجم خارجی کے ہاتھ سے مسجد کوفہ میں شہید ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرقد نجف اشرف بلاد کوفہ میں موجود ہے۔ (اور تاریخ طبری میں واقعہ شہادت اس طرح لکھا ہے) کہ آپ کی اذان پر قطامہ نے ابن ملجم خبیث کو جگا کر بھیجا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے **وردان** اور **شبیب** دونوں خارجی بھی تھے اور مسجد میں آکر روپوش ہو گئے اور مسجد کے دونوں درون میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے باہمی مشورہ کر لیا تھا کہ دو طرف سے دو وار یک لخت ہوں۔ یعنی اگر وردان کا ہاتھ خالی جائے تو شبیب کا ہاتھ پڑے۔ اور ابن ملجم سے کہہ رکھا تھا کہ تو مسجد کے اندر چھپ جانا۔ اگر ہم کامیاب نہ ہوں تو تو اندر کام پورا کر دیجیو۔ چنانچہ جب حضرت مولا علی شیر خدا اسد اللہ رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے۔ اور مسجد کے در میں قدم رکھا۔ تو شبیب خبیث نے وار کیا۔ اس کی تلوار طاق پر لگی اور ٹوٹ گئی۔ فوراً ہی وردان نے وار کیا۔ اس کی بھی تلوار دیوار سے ٹکرا گئی۔ اور وہ دونوں بھاگ گئے جناب

مولا قدرت کے یہ کرشمے دیکھکر خاموش ہو گئے اور کسی سے تذکرہ نہ کیا۔ اندرون مسجد جیسے ہی محراب میں قدم مبارک رکھا۔ آپ نے نہایت اطمینان سے نماز کی نیت باندھی اور ابن ملجم چھپا ہوا دیکھتا رہا جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو اس نے سر مبارک پر تلوار کا وار کیا۔ یہ زخم اس مقام پر لگا جہاں پہلے حربِ خندق میں عمر بن عبدود نے وار کیا تھا۔ اب وہی زخم کھل گیا۔ اور آپ کے سر سے مغز باہر آگیا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ (ترجمہ) خدا کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ ابن ملجم اس آواز کو سنکر بھاگا۔ اور کہتا ہوا چلا۔ افسوس امیر المومنین شہید ہو گئے یہ خبر سنتے ہی تمام اہل کوفہ مسجد میں بھر گئے حسنین علیہم السلام یہ خبر سنتے ہی بیتابانہ مسجد کی طرف دوڑے۔ اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ جناب مولا خون آلودہ ریش مبارک پر ہاتھ پھیر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں اسی صورت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں گا۔ جناب سیدہ فاطمہ زہرا سے ملوں گا۔ اور اپنے چچا حمزہ سے ملاقات کروں گا۔ یہی حلیہ اپنے بھائی جعفر طیار کو دکھاؤں گا۔ یہ دیکھکر دونوں شاہزادے زار و قطار رونے لگے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور یہ کس خبیث کا کام ہے۔ فرمایا (جس کا مفہوم خواجہ حافظ شیرازی کے اس شعر سے بالکل ادا ہو جاتا ہے)۔ شعر

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم — کہ بامن ہر چہ کرد آن آشنا کرد

یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ شبیب نظر آیا۔ اس سے کسی نے پوچھا کیا تو نے مولا علی کے تلوار ماری ہے بجا چاہتا تھا کہ انکار کرے۔ مگر بے اختیار منہ سے نکل گیا۔ ہاں۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے اسے اس قدر مارا کہ ہلاک ہو گیا۔ ابن ملجم بھاگ کر اپنے چچازاد بھائی کے ہاں جا پہنچا۔ اور ہتھیار تن سے علیحدہ کر کے بیٹھا تھا کہ بھتیجے نے پوچھا کہ تو اس قدر پریشان کیوں ہے؟ کیا تو نے ہی علیؑ کو قتل کیا ہے؟ اس نے اپنے بھتیجے کو جواب دیا کہ ہاں بیٹے ہی تلوار لگائی ہو۔ وہ فوراً ابن ملجم کو گرفتار کر کے مسجد میں لایا۔ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جب ابن ملجم گرفتار ہو کر آیا آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا۔ دیکھ میں جو کہتا تھا وہی ہوا یا نہیں؟ اس نے عرض کیا کہ حضور میں حافی

چاہتا ہوں اور خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابن ملجم! مجھے کس لالچ نے میرے قتل پر آمادہ کیا ہے تو نے کس وجہ سے میرے بچوں کو یتیم کر دیا۔ میں تو تیرے ساتھ ہمیشہ سلوک ہی کرتا رہا ہوں۔ اُس نے شرمندہ ہو کر پھر معافی چاہی۔ جناب مولا نے اپنے ہاتھ بڑھا کر اسکے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ شعر

ہمشِ حیدر آ کے رہ جائے گرہ ممکن نہیں   دستِ قاتل کھول دے مشکل کشا ایسا تو ہو

جب شاہزادہ کونین یعنی امام حسین علیہ السلام شربت بنا کر لائے اور اپنے والد کے سامنے شربت کا ایک جام پیش کیا۔ تو آپ نے اپنے قاتل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس کو پلاؤ۔ لہٰذا آپ کے حکم سے آپ کے قاتل کو جب شربت دیا تو اُس نے پینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ متواتر ابن ملجم کو شربت دیا گیا لیکن اُسے نہ پینا تھا نہ پیا۔ ناظرین! اس وقت تک تاریخ عالم میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ کسی نے اپنے قاتل کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہو۔ اسکے بعد مولائے کائنات نے حکم دیا کہ اسے جیلخانہ لیجاؤ۔ مگر جو میں کھاؤں پیوں وہی اسے کھلاؤ پلاؤ۔ اگر میں بچ گیا تو میری جو رائے ہوگی وہ کروں گا۔ اور اگر میں فوت ہو گیا۔ تو وصیت کرتا ہوں کہ اس نے میرے ایک ضرب ماری ہے لہٰذا میرا قصاص اس طرح لیا جائے کہ اس پر بھی ایک ہی وار ہو (دیکھو یہ مسلمانوں کی شانِ ترحم ہے اور یہ اسلام کا عدل و انصاف ہے) پس ۱۹ رمضان المبارک کی صبح کو آپ کے سرِ اقدس پر یہ زخم لگا تھا۔ لہٰذا حسنینؑ علیہم السلام آپ کو مسجد سے اٹھا کر گھر لائے تو اچھی خاصی طرح سے صبح ہو گئی تھی آپ نے گھور کر فرمایا۔ اے صبح! میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں۔ جسکے حکم سے تو آتی ہے۔ تجھے بھی قیامت کے دن گواہی دینی ہوگی۔ کہ میں سب سے اول محمد الرسول اللہ پر ایمان لایا۔ سب سے پہلے آنحضرت کی تعلیم فریضہ الٰہی ادا کیا۔ اور اے صبح جب سے ابتک تو نے مجھے سوتا نہ دیکھا ہوگا پھر فرمایا وکفیٰ باللہ شہیدا یعنی مجھے میرے رب کی گواہی کافی ہے۔ یہ سنکر اہلبیت چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ علاج کے لئے عمر بن نعمان جراح حاضر کئے گئے۔ وہ زخم کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہائے افسوس! یہ زخم زہر آلودہ تلوار کا ہے اور زہر تمام جسم میں سرایت کر گیا ہے۔ اس کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ الغرض علاج سے

مایوسی ہو چکی تھی۔ اور زہر زخم کی تکلیف نے شیر خدا کو بہت خستہ کر دیا تھا لو ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ شب یکشنبہ کو آپ نے اپنی صاحبزادی بی بی ام کلثوم سے فرمایا۔ اے بیٹی! دروازہ بند کر دو۔ آپ نے دروازہ بند کر دیا۔ تو اپنے پاس سب بال بچوں کو بلا کر پیار کیا اور حسنین علیہم السلام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بیٹا! مصیبتوں کو نہایت صبر سے جھیلنا شریعت مقدسہ کے عامل رہنا۔ مجھے ایسی جگہ دفن کرنا جو کسی کو معلوم نہ ہو۔ بس جب وصال پاک کا وقت قریب آیا تو آپ کی زبان مبارک سے لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ادا ہوتے رہے ۲۱ تاریخ رمضان سنہ ۴۰ ہجری کا دن ختم کر کے ۲۱ شب کے آغاز میں اس شاہ باز قدس نے اپنے مرجع اصلی کی طرف پرواز کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی عمر مبارک شہادت کے وقت ۶۳ سال کی تھی۔ آپ تین سال نو ماہ آٹھ دن مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔ آپ کو حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر طیار نے غسل دیا۔ محمد بن حنفیہ نے پانی ڈالا۔ تین کپڑوں کا آپ کو کفن دیا گیا جس میں قمیص نہ تھی۔ حضرت امام حسنؑ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حسب وصیت آپ کے جنازے کو گھوڑے کی پشت پر رکھ کر باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد وہ گھوڑا جسد اطہر کو کوفہ سے لیکر ایک میدان کی طرف چل دیا۔ اور نظروں سے غائب ہو گیا معتبر روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ گھوڑا مولا علی کرم اللہ وجہہ کے جنازے کو لیکر پہاڑ کے درہ میں سے گذر رہا تھا کہ یک ادھر اور ادھر کے پتھروں نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ اور گھوڑا نکل کر درہ سے باہر چلا گیا۔ اب اس مقام کو نجف اشرف کہتے ہیں جہاں آپ کا مزار مقدس ہے۔

حدیث نبوی صلعم

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا

ایک مرتبہ دس کافر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آنجناب نے جو حدیث فرمائی ہے یعنی اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ہم لوگ آپ کی اس حدیث کو اس وقت برحق سمجھ سکتے ہیں۔ جب ہم میں سے ہر ایک شخص ایک ہی مسئلہ حضرت علیؑ سے

بہ تکرار دریافت کرے۔ اور وہ ایک ہی مسئلہ کا ہر شخص کو جداگانہ طرز میں جواب دیں۔ یعنی جو ایک کو جواب دیں اس کے علاوہ دوسرے کو جواب دیا جائے۔ اور کافی طور پہ سمجھا دیا جائے۔ لہذا ارشاد نبوی ہوا۔ کہ یا علیؑ تم ان لوگوں کی کافی طور پہ تسکین کر دو۔ پس ان میں سے ایک شخص نے سوال کیا۔ یا علیؑ! علم افضل ہے یا مال؟ آپ نے جواب دیا علم۔ اس نے پوچھا اس کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ علم پیغمبروں کی میراث ہے اور مال کافروں کی۔ پھر دوسرے نے سوال کیا۔ کہ علم افضل ہے یا مال؟ فرمایا علم! اس نے کہا کس وجہ سے؟ فرمایا کہ علم تیرا نگہبان ہے۔ اور مال کا تو نگہبان ہو۔ پھر تیسرے نے سوال کیا۔ کہ علم افضل ہے یا مال؟ آپ نے فرمایا علم۔ اس نے پوچھا کیونکر؟ فرمایا علم کے بہت سے دوست ہیں اور مال کے بہت سے دشمن۔ پھر چوتھے نے یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا علم۔ اس نے پوچھا کس طور پہ۔ فرمایا کہ اگر مال میں سے کچھ دیتے ہیں تو کم ہو جاتا ہے۔ اور علم میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہیں کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ پانچویں نے یہی سوال کیا اور وجہ پوچھی۔ تو فرمایا مال والے کو بخیل و شوم کہتے ہیں۔ اور علم والے کی تعظیم کرتے ہیں۔ چھٹے نے سوال کیا اور وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ مال کی چوروں سے نگرانی کی جاتی ہے۔ اور علم محتاج نگہبانی نہیں ہو۔ ساتویں نے سوال کیا تو فرمایا کہ علم دل کو روشن کرتا ہے اور مال دل کو سیاہ کرتا ہے۔ آٹھویں نے سوال کیا۔ تو فرمایا۔ کہ مال کا حساب ہے اور علم بے حساب ہے۔ نویں نے سوال کیا تو فرمایا کہ علم آخرت میں ساتھ لیجاتے ہیں اور مال کو دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ دسویں نے سوال کیا۔ تو فرمایا کہ علم دار بندگی کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ علم کی وجہ سے خاص بندہ بن جاتا ہے۔ اور مالدار فرعونی کا دعویٰ کرتا ہے یعنی خدا بنجاتا ہے۔ اور فرعون بے سامان کہلاتا ہے۔ بس یہ جواب سنتے ہی سب کے سب آنحضرتؐ کے قدم مبارک پر جھک گئے۔ اور ہر ایک نے کہا کہ آپ بالکل سچے ہیں۔ اور آپ کی حدیث برحق ہے۔ یہ کہکر سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اور آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت طریقت کی۔ سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم۔

بارہ اماموں کے نام

اول امام امیرالمومنین جناب مرتضیٰ علی علیہ السلام۔ دوسرے امام جگر بند مصطفیٰ ابو محمد حسن مجتبیٰ

علیہ السلام۔ تیسرے امام حضرت امام حسین علیہ السلام۔ چوتھے امام حضرت امام زین العابدینؒ پانچویں امام حضرت امام محمد باقرؒ۔ چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؒ۔ ساتویں امام موسیٰ کاظمؒ۔ آٹھویں حضرت امام علی رضاؒ۔ نویں حضرت امام محمدؒ کنیت ابو جعفر و لقب تقیؒ۔ دسویں امام حضرت علی یعنی حضرت نقیؒ۔ گیارہویں امام حضرت عسکری۔ بارہویں امام حضرت محمدؒ لقب امام مہدی آخر الزماں۔

عشرہ مبشرہ کے نام

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ (۲) حضرت عمر بن خطابؓ۔ (۳) حضرت عثمان بن عفانؓ۔ (۴) حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔ (۵) حضرت طلحہؓ۔ (۶) حضرت زبیرؓ۔ (۷) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ۔ (۸) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ (۹) حضرت سعیدؓ۔ (۱۰) حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان حضرات پر آتش دوزخ حرام ہے کیونکہ ان کے بہشتی ہونے کی خبر مخبر صادق یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

زمانۂ خلافت

خلافت خلفائے راشدین ۳۰ برس تک رہی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ دو برس تین ماہ دس روز تک خلیفہ رہے۔ حضرت عمرؓ دس برس چھ ماہ چھ روز تک خلیفہ رہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بارہ برس گیارہ ماہ پندرہ یا بیس دن تک خلیفہ رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تین برس نو ماہ آٹھ دن تک خلیفہ رہے۔ ان کے شہید ہونے کے بعد حضرت امام حسنؓ نے پانچ مہینے اکیس دن خلافت کر کے عہد خلافت کے دن پورے کر دیئے۔ اور اس کے بعد ہی ترک خلافت فرمائی۔

محققانہ خلاصہ حیات جناب سرور کائنات علیہ السلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول سنہ فیل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ معظمہ میں ہوئی لیکن ولادت کی تاریخ عام طور سے ۱۲ ربیع الاول مشہور ہے۔

آنحضرت کا سب سے پہلا نکاح بی بی خدیجہؓ کے ساتھ ۵۹۵ء میں ہوا۔ اور آپ کی زندگی بھر حضرت

نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چھ اولادیں پیدا ہوئیں جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت قاسمؓ، حضرت عبداللہؓ جن کا لقب طیب۔ طاہر تھا۔ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثومؓ۔ اور حضرت فاطمہ زہراؓ۔ ۶۱۰ء کو آپ پر غار حرا میں سب سے پہلی وحی نازل ہوئی غار حرا مکہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس غار کا عرض پونے دو گز اور طول ۴ گز بتایا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے دوسری وحی کے بعد سے نبوت کا کام شروع کر دیا۔ آپ کو ۶۱۹ء میں بمقام مکہ معظمہ معراج ہوئی۔ ۶۲۰ء میں حضرت خدیجہؓ و حضرت ابو طالب کی وفات مکہ میں ہوئی لہذا اس سال کو اسلام میں عام الحزن کہتے ہیں۔ آنحضرت صلعم ۶۱۶ء کو مع اپنے خاندان بنی ہاشم کے شعب ابو طالب میں محصور ہوئے۔ آپ نے ۶۲۲ء کو مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی۔ ۶۳۰ء میں فتح مکہ ہوئی۔ اور اسلام تمام عرب میں پھیلنا شروع ہو گیا۔ ۶۳۱ء میں اسلام غیر ممالک تک پہنچ گیا۔ اور خدا کے دین میں فوجوں کی فوجیں داخل ہونے لگیں ۶۳۲ء مطابق ۱۱ ہجری۔ ۲۔ ربیع الاول کو آنحضرتؐ کا وصال مبارک ہوا۔ وصال کے وقت آنحضرتؐ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔

آپ اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بیگانہ تھے۔ آپ کی طرز زندگی بھی بچپن سے لیکر وفات تک نہایت سادہ تھی۔ آپ اس قدر حالات مختلفہ میں سے ہو کر گذرتے ہیں۔ کہ ایک انسان کی زندگی میں اس قدر مختلف حالات کا جمع ہونا مشکل ہے۔ یتیم ہونیکی حالت ایک انسان کی انتہائی بیکسی کی حالت ہے۔ اور بادشاہ ہونیکی حالت اس کی انتہائی طاقت ہونیکی حالت ہے۔ آپ یتیمی کی حالت سے نکل کر بادشاہت پر پہنچتے ہیں۔ مگر آپ کی ضروریات خورد و نوش۔ لباس و رہائش۔ جس قسم کی حالت یتیمی میں تھی وہی بادشاہت کی حالت میں رہی بلکہ بادشاہت کی حالت میں دنیا کی آسائشوں کو اور بھی کم کر دیا ہے۔ بادشاہت کو چھوڑ کر فقیر ہو جانا اتنا دشوار نہیں جس قدر بادشاہ ہو کر انسان فقیر کی زندگی بسر کرے۔ مال و دولت اس کے قبضہ میں ہو اور اسے اپنے صرف میں نہ لائے۔ اور اس مال و دولت کو نہایت فیاضی کیساتھ دوسروں

پر صرف کرے۔ ہر وقت وہ چیزیں آنکھوں کے سامنے ہوں۔ جو فطرتِ انسانی کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں۔ مگر کوئی چیز اس کے لئے لالچ کا موجب نہ ہو سکے۔ اس زمانہ میں جب آپ مدینہ اور اس کے اردگرد کی بادشاہت حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے گھر کا سامان ایک چارپائی جس پر کھجور کی موٹی چٹائی بچھی ہوئی ہے اور ایک پانی کی ٹھلیا ہے۔ آپ بعض وقت فاقہ سے رات کاٹتے ہیں۔ گھر میں کئی کئی دن تک کھانا پکانے کے لئے آگ نہیں جلتی۔ کھجوروں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر آپ اپنی آسائش کے لئے مال کے خواہاں ہوتے۔ تو نہ صرف بیت المال سے آپ جس قدر چاہتے لے سکتے۔ بلکہ آپ کے جاں نثار ہر ایک چیز حاضر کرنے کے لئے تیار تھے مگر آپ کی نظر دنیا کی ان حقیر چیزوں سے بہت بلند تھی۔

آپ نے اپنی وفات سے پہلے اپنے آخری خطبہ میں بھی عورتوں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے۔ آپ نے تنگ خیالی کے دائرہ کو بالکل ختم کر دیا۔ یعنی آپ کی ولادت سے قبل دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری ہے وہ دیگر مذاہب و اقوام ناری ہیں۔ اور ہماری سرزمین دیوی دیوتاؤں کا مرکز ہے۔ ہماری ہی زبان خدا کی خاص زبان ہے۔ بابل ہو کہ مصر، یونان ہو کہ ایران۔ عرب ہو یا عجم، شام ہو یا روم ہو یا ہندوستان۔ کوئی ملک بھی اس تنگ خیالی سے مبرا نہ تھا۔ مگر آنحضرت نے یہ سبق پڑھایا دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں۔ نہ عرب کو عجم پر، نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے۔ نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر کوئی تقدم حاصل ہے۔ ساری زمین خدا کی ہے۔ تمام قومیں ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم سب ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہو جو مٹی سے پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا تم سب مٹی سے بنے ہو۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ انسان اور قوموں کا امتیاز رنگ و روپ ملک و قوم سے نہیں ہے بلکہ صرف تقویٰ اور نیکوکاری سے ہے۔ اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوموں اور ملکوں کی فضیلت کی فخری اور بیانی داستانیں فراموش ہو گئیں اور دنیا کی قومیں ایک سطح پر آ گئیں۔ مساوات انسانی کا راستہ صاف ہو گیا۔ بنی اسرائیل جن کو اپنے خاندا

تعالٰی کے کنبہ میں ہونے پہ ناز تھا۔ وحی محمدی نے ان کی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (ترجمہ) بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو بنی اسرائیل کا دعوٰی تھا۔ کہ نبوت اور پیغمبری ہمارے گھر کی ہے اور ہمارے ہی خاندان کی وراثت ہے جس طرح آریہ ورت کا دعوٰی ہے کہ خدا کی بولی صرف ہمیں کے رشیوں اور منیوں نے سُنی اور خدائی علم صرف وید مقدس کے اوراق میں محفوظ ہے۔ اسی طرح دوسری قوموں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر ایسا ہی خیال تھا۔ آنحضرتؐ نے اس تخصیص کو رحمت عامہ اور عدل و انصاف کے بالکل خلاف بتایا۔ اور یہ تعلیم دی کہ روئے زمین کے ہر ملک و قوم میں اور ہر زبان میں پروردگار کی طرف سے انکی راہ دکھانے والے۔ انکی آواز پہنچانے والے اور انسانوں کو غفلت سے بیدار کرنے والے پیغمبر یا نائب پیغمبر آئے اور یہ سلسلہ نبوت آنحضرتؐ کی بعثت تک جاری رہا۔

ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت کی باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سُننے کا کبھی حق نہ سمجھا ان کے نزدیک پرم ایشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی چاہتا تھا۔

زردشت نے پاک نژادانِ ایران کے سوا سب کو یزدان کے جلوۂ نورانی سے محروم کر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل اپنے خاندان کے سوا اور کہیں کسی رسول کی بعثت کا خیال تک نہ لاتے تھے۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم نے آکر بتا دیا۔ کہ خدا کی نظر میں سب یکساں ہیں۔ اس کی رہنمائی کے لئے ملک قوم اور زبان کی خصوصیت نہیں اُس کے عدل و انصاف کی نگاہ میں۔ عرب۔ عجم۔ روم۔ شام۔ افریقہ امریکہ۔ انگلستان اور ہندوستان سب برابر ہیں۔ آنحضرتؐ کی ہمہ بین آنکھوں نے ہر قوم اور ہر مذہب میں خدا کا نور دیکھا۔ ابیات۔

بسیار نظر کردم در کعبہ و بتخانہ	در دیدہ نمی آید جز جلوۂ جانانہ
جلوۂ یار نمودار ہر اک شان میں ہو	صوفی و رِند میں ہندو میں مسلمان میں ہو

اور ہر قوم میں ہادی اور پیغمبر تسلیم کئے۔ قرآن شریف کی یہی تعلیم ہے۔

اور ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ

اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما آیا۔

اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے نبی بھیجے۔

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کو بتا سکے۔

جو لوگ اللہ اور اُسکے رسولوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اسکے رسولوں میں فرق نکالیں (کیا فرق یعنی کہتے ہیں کہ ہم بعضوں کو مانتے ہیں اور بعضوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ نکالیں درمیان اس کے کوئی راہ۔

ان میں سے کسی کو اجر ملیگا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہو۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ه

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِى الْاَوَّلِيْنَ ه

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ه

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔

يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ه

ایک یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا دوسرے پیغمبروں کو جھٹلا کر بھی یہودی کہلایا جا سکتا ہے۔ ایک عیسائی اور تمام پیغمبروں کا منکر ہو کر بھی عیسائی رہ سکتا ہو۔ ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ راکھشش شودر اور چنڈال کہکر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے۔ ایک زرتشتی تمام جہان کو سحر ظلمات کہہ کر اور حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہکر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان اپنے محمد رسول اللہ سے پیشتر کے تمام انبیا پر اسی طرح ایمان رکھنا فرض جانتا ہے۔ جس طرح کہ خدا پر۔ بلکہ کسی رسول کا انکار کرنے سے ہر مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہو۔ کوئی شخص اسوقت تک محمدی ہو ہی نہیں سکتا۔ جبتک وہ ابراہیمی۔ موسوی۔ عیسوی۔ ایرانی۔ اور ہندی نہ بن لے۔ اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت حقانیت راستبازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔ اور یہ یقین کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عرب کی طرح ہر ملک و قوم کو اپنی ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور سب رسولوں کا ماننا ایسا ضروری ہے

جیساکہ خدا کا ماننا۔ اسلام میں پیغمبروں کی کوئی محدود تعداد نہیں ہے۔ صرف طبری کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) انبیا مبعوث ہوئے۔

قرآن میں صرف انہیں انبیا کے نام ہیں جن سے عرب مانوس تھے یا اُن کے ہمسایہ یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں جن کے تذکرے تھے۔

قرآن شریف میں بعض ایسے انبیا کا ذکر بھی ہے جن سے یہود و نصاریٰ واقف بھی نہ تھے۔ مثلاً۔ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام وغیرہ۔ اور بعض ایسے تھے جن کو وہ جانتے تو تھے لیکن ان کو پیغمبر تسلیم نہیں کرتے تھے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ مگر وحی محمدی صلعم نے اُن سب کو پیغمبر تسلیم کیا ہے۔ اور تعلیم محمدی کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قوموں اور ملکوں میں جیسے چین۔ ایران۔ مصر۔ شام عرب۔ عجم۔ ہندوستان۔ وغیرہ میں بھی محمد صلعم سے پہلے انبیا مبعوث ہو چکے ہیں اس لئے تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت و عظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب کو انکی طرف منسوب کرتی ہیں۔ ان کی صداقت و راستبازی کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ اسی بنا پر بعض علماء نے ہندوستان کے رامچندر جی سری کرشن جی۔ بدھ جی مہاراجگان اور خواجہ زردشت کو بھی پیغمبر تسلیم کیا بہرحال امکان میں تو شک نہیں۔

مگر قرآن پاک میں انبیا کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو وہ جن کے ناموں کی اُس نے تصریح کی ہے۔ اور دوسرے وہ جن کے نام اُس نے بیان نہیں کئے۔

لہٰذا جن انبیا کے نام قرآن شریف میں مذکور ہیں تمام مسلمانوں کو ان پر نام بنام ایمان لانا چاہیے اور جن کے نام قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ انکی نسبت صرف یہ اجمالی ایمان کافی ہے۔ کہ ان قوموں میں بھی خدا کے فرستادہ پیغمبر آئے۔ خدا نے ہدایت سے کسی قوم اور کسی خطہ کو محروم نہیں رکھا لیکن خصوصیت کے ساتھ اُن کے نام نہیں معلوم۔ اس قسم کے انبیا جن کے نام گو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ مگر وہ آنحضرت سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور اُن کے متبعین ان کو نبی یا اوتار کا درجہ دیتے ہیں۔ بس اُن کی پہچان

اور شناخت کا قرآن شریف نے یہ معیار قرار دیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہو اور خدا پرستی کرائی ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ (ترجمہ) ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا جس کو وحی بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔ بس مجھی کو پوجو۔ بس جس بزرگ اور جس ہادی قوم کی تعلیم اس آیت قرآن کے مطابق ہے۔ وہ بیشک وہ ہر مسلمان کے لئے واجب التعظیم ہے اس لئے وہ تمام رہبران انسانی۔ اور رہنمایان عالم جو دنیا میں کسی مذہب کے شارع ہوں اور جن کی تبلیغ و تعلیم توحید تھی۔ اور بت پرستی سے نفرت رکھتی ہو۔ اور اُن کی زندگی اس تعلیم کے شایان شان ہو۔ ان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے رسول و پیغمبر نہیں تھے۔

تمام رہبرانِ عالم میں آپ کن وجوہ سے ممتاز ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

دنیا میں بہت مصلح آئے۔ ہر ملک اور ہر زمانہ میں آئے لیکن کئی ایک امور ہیں۔ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر ممتاز کرتے ہیں۔ ان امور میں سب سے پہلی بات آپ کی حیرتناک کامیابی ہے جس کا اعتراف دوست و دشمن کو یکساں ہے چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں قرآن کے عنوان پر جو مضمون ہے اس میں ذیل کے الفاظ ہیں۔ یہ اعتراف آنحضرت کے متعلق موجود ہے کہ "آپ دنیا کے تمام انبیا اور مذہبی اشخاص میں سب سے زیادہ کامیاب انسان ہیں" یہ اعتراف بلا وجہ نہیں یہ بالکل سچ ہے کہ دنیا میں کوئی مصلح نہیں آیا جس نے اپنی قوم کو اس گری ہوئی حالت میں پایا ہو۔ جس میں آنحضرت صلعم نے ملک عرب کو پایا۔ یہ لوگ نہ مذہب کے صحیح اصول سے واقف تھے۔ نہ سیاسیات کے نہ تمدن کے نہ معاشرت کے۔ نہ علم ان کے اندر تھا۔ نہ ان کے تعلقات بیرونی لوگوں سے کچھ تھے۔ نہ ان میں کوئی اتحاد و اتفاق تھا۔ نہ ایک قوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ غرض ہر پہلو سے یہ قوم اصلاح طلب

تھی۔ اور خطرناک جہالت میں مبتلا تھی۔ صرف یہی نہیں یہودی اپنا پورا زور ان کی اصلاح میں صرف کر چکے
عیسائی پورا زور لگا چکے۔ اور دونوں ایسے ناکام ہوئے کہ کسی ایک امر میں بھی ملک کے اندر اصلاح
پیدا نہ کر سکے۔ حنفیت کی اندرونی تحریک بھی پیدا ہو کر ختم ہو چکی۔ تب آنحضرت صلعم کا ظہور ہوا اور چند
ہی سال کے عرصہ میں ایک ایسا انقلاب پیدا کر کے دکھایا کہ ملک عرب کے آسمان و زمین بدل گئے
ذلیل سے ذلیل بت پرستی اور وہم پرستی سے نکال کر توحید کے اس بلند سے بلند مقام پر پہنچا دیا جس پر
نہ اس سے پہلے کوئی قوم پہنچی اور نہ بعد میں پہنچ سکے گی۔ پھر اس توحید کے لئے ایسا جوش کہ دنیا کے ممالک
میں چاروں طرف نکل گئے اور دور دور کے کونوں میں جا کر ندائے حق کو بلند کیا۔ خدا کی عبادت میں ان
لوگوں کا مقام تمام راہبوں اور دنیا سے کنارہ کشی کر لینے والوں سے بڑھکر تھا۔ اس لئے کہ وہ دن
کو کاروبار میں گذارتے ہوئے اسد اکبر کی صدا سنکر دیوانہ وار خدا کے حضور جا کھڑے ہوتے تو راتوں
کو بیداری میں گذارتے ہوئے عبادت آلہی میں مصروف ہوتے۔ وہ دنیا میں ہونے کے باوجود دنیا سے
قطع تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے جو لذت اور جو خشوع خضوع ان کو عبادت میں حاصل ہوتا تھا۔ وہ کسی گوشہ
نشین زاہد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر روحانیت کے لحاظ سے عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچے
تھے۔ تو دنیوی نقطۂ نگاہ سے بھی اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے تھے۔ جس پر انسان مشکل سے پہنچ
سکتا ہے۔ یعنی دنیا کے وہ عظیم الشان فاتح بنے۔ اور بڑی بڑی سلطنتیں ان کے سامنے یوں گرتی
چلی گئیں۔ کہ گویا ان کی کچھ حقیقت ہی نہ تھی۔ پھر فاتح ہی نہ تھے۔ بلکہ فتح کے بعد ہر ملک کا ایسا نظام
قائم کیا۔ کہ پچھلے لوگوں کی غفلت کے باوجود بارہ صدیوں تک اس سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ غرض
وہ زاہدوں میں سب سے بڑے زاہد۔ اور فاتحوں میں سب سے بڑے فاتح ہوئے۔ اور ان دونوں باتوں
کے باوجود تیسری بات جس میں انہوں نے کمال کر دکھایا وہ علم تھا۔ انہوں نے زہد و فتوحات کے ساتھ
ساتھ علم کو ایسا کمال پر پہنچایا کہ آج انہی کی بدولت دنیا علم کے نور سے منور ہے۔ غرض حضرت نبی
کریم صلعم نے ملک عرب کو ایسی حالت میں پایا جس سے بڑھکر گری ہوئی حالت کسی ملک کی متصور
نہیں ہو سکتی اور دنیوی اور روحانی ترقی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچایا جس سے آگے کوئی مقام نہیں

اور یہ سب کچھ بیس برس کے عرصہ میں ہوگیا۔ اس میں یہ بھی دکھانا مقصود تھا کہ آپ کی تعلیم قوائے انسانی کی کل شاخوں پر مشتمل ہے۔ اور دنیا کی کوئی بیماری نہیں جس کا علاج آپ کی تعلیم میں نہیں جس طرح سب سے بڑا طبیب وہ نہیں جو سب سے بڑھکر دعوی کرے۔ بلکہ وہ ہے جو سب سے زیادہ بیماروں کو اچھا کرے۔ اسی طرح سب سے بڑا وہ نہیں رہنما کہ بعض کا خیال ہے جو سب سے بڑھکر دعوے کرے بلکہ وہ ہے جو سب سے بڑھکر اصلاح کرے اور یہ وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ کو دنیا کے کل انبیاء او کل مصلحین کا سرتاج بناتی ہے۔

دنیا میں ہر ایک نبی ایک قوم کی اصلاح کے لئے آیا۔ وہ نور اور ہدایت لایا۔ مگر صرف ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے۔ اس کے دنیا میں آنے کی غرض انسانوں کا تزکیہ نفس تھا۔ مگر انہیں کا جن کی طرف وہ بھیجا گیا۔ لیکن محمد الرسول صلعم کل دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ وہ نور اور ہدایت جو آپکو دیا گیا ایک قوم کے لئے نہ تھا بلکہ دنیا کی کل قوموں کے لئے تھا۔ تزکیۂ نفوس کے لئے آپ کی قوت قدسیت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ تمام دنیا کو اپنے اندر شامل کر لیا۔ یہی وہ بات ہے جس کی طرف آیت مندرجہ عنوان میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اسی قسم کی دیگر آیات سے قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ۝ اور فرمایا۔ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ پھر فرمایا۔ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔ پھر فرمایا قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ مصلحت الٰہی کا یوں تقاضا ہوا کہ جس وقت نسل انسانی مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ پڑی ہوئی تھی اور قوموں کے باہمی میل جول کے ذرائع بہت کم تھے ان کی ضروریات اور خیالات بھی محدود تھے۔ تو اس نے ہر قوم کی اصلاح کے لئے ایک نبی بھیجدیا یا بعض قوموں میں کئی کئی نبی بھی بھیجدیئے۔ ان انبیاء نے اپنے اپنے زمانہ کے مطابق ان قوموں کی اصلاح کی۔ مگر جس طرح وہ قوم محدود تھی۔ اسی طرح ان کا عقد ہمت بھی اسی دائرہ کے اندر تھا۔ اور وہ صرف مکان کے لحاظ سے بلکہ زمانہ کے لحاظ سے بھی انکی قوت قدسی کا دائرہ ایک جگہ آکر ختم نہیں ہو جاتا۔ جہاں یا جب دوسرے نبی کی ضرورت پیش آتی لیکن جہاں اس طرح سے اللہ تعالے نے کل عالم ربوبیت روحانی کا سامان کر دیا۔ اس کے ساتھ

ہی انسانوں کی تنگ ظرفی کی وجہ سے ہر قوم میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ نے فلاں خاص قوم کو ہی اپنی مہربانی کے لئے چن لیا ہے۔ اور دوسری کسی قوم کو اس نعمت سے حصہ نہیں ملا بس یہ ایک خطرناک قومی تفریق پیدا ہو گئی اور ملکی حد بندیوں نے تعلقات انسان کے اندر ایسی قیود پیدا کر دیں کہ ہر ایک قوم اپنے سوائے دوسروں کو ہیچ سمجھنے لگی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے یوں مقدر فرمایا کہ تمام انبیاء کے آخر پر ایک نبی بھیجے جو کل قوموں کی طرف مبعوث ہو۔ اور جس کی قوت قدسی جس طرح مکان کے لحاظ سے ساری زمین پر محیط ہو۔ اسی طرح زمانہ کے لحاظ سے اس کا دائرہ قیامت تک وسیع ہو۔ اس لئے جب قومی نبیوں کا دائرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منتہی ہو گیا اور حضرت عیسیٰ کو بھی یہی کہنا پڑا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوائے اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ تو رحمۃ للعالمین کا ظہور دنیا میں ہوا۔ انبیاء سابقین کی مثال ایسی تھی جیسے ایک اندھیری رات میں مختلف مکانات میں مختلف چراغوں کی روشنی ہو۔ ان کا وجود تاریکی کے اندر ایک شمع نور افگن تھا۔ مگر جس طرح چراغ ایک گھر کے اندر ہی روشنی دے سکتا ہے۔ اسی طرح ان کے نور ہدایت ان کی قوت قدسیہ کا دائرہ بھی اسی قوم کے اندر محدود تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کا ظہور اقدس آفتاب عالمتاب کا طلوع ہے جس کے باعث دنیا کے چاروں کونوں میں روشنی پہنچ جاتی جس کی شعاعیں زمین کے ہر کونہ کو منور کر دیتی ہیں۔ انبیائے عالم سب روشن چراغ تھے۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم آفتاب عالمتاب تھے۔ چراغ کی روشنی ایک مکان کے اندر محدود ہوتی ہے۔ اور ایک وقت کے بعد وہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہی حالت ان انبیاء کی تعلیم کی تھی آفتاب کل عالم کو روشن کرتا ہے اور اس کی روشنی قیامت تک اس عالم کو منور کرتی رہے گی یہی کیفیت محمد الرسول اللہ کی تعلیم کی ہے۔ بس یہ دوسری بات ہے جو آپ کو مصلحین عالم میں ممتاز کرتی ہے۔

دنیا میں کوئی ترقی بغیر ایک قید لگانے کے ممکن نہیں۔ اس لئے ہر قوم نے اپنی قوم کی ترقی ہی کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ لیکن اگر آپ بھی انہیں لوگوں کا اتباع کرتے۔ تو آپ کے آنے کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی۔ آپ کے آنے کی بہت سی اغراض میں سے ایک غرض قومی اد

ملکی قیود کو توڑ کر ایک عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھنا تھا۔ اور ایک عالمگیر اخوت کا سلسلہ قائم کرنا تھا۔ اور غور کیا جائے تو قومی اور ملکی قیود مصنوعی قیود ہیں بس ایک فطری مذہب مصنوعی قیود کو قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اگر اور مذاہب کے افراد کو اکٹھا کر کے ایک قوم بنانا تھا۔ تو اسلام کی غرض قوموں کو اکٹھا کر کے نسل انسانی کا ایک اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اسلام کی تعلیم نے قومی قیود کو اسی طرح توڑ کر نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی ہے۔ جس طرح مختلف مذاہب نے شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ بھی ایک بڑا کام تھا جو پہلے انبیا کے سپرد کیا گیا۔ مگر یہ کام اس سے بدرجہا اعلیٰ ہے۔ بلاشبہ شخصیت کی قیود کو توڑ کر قومی وحدت کا پیدا کرنا ایک بہت بڑا کام ہے۔ مگر قومی تفرقوں کو دور کر کے نسل انسانی کی وحدت کا پیدا کرنا ایک نہایت دشوار امر ہے لیکن قومی تفرقوں کو دور کر کے نسل انسانی کی وحدت کے پیدا کرنے کے سامنے ہیچ ہے۔ یہ بڑی خصوصیت ہے۔ جو نبی کریم صلعم کو تمام انبیا میں ممتاز کرتی ہے۔ اور بھی بیشمار خصوصیات ہیں جن کی ان صفحات میں سمائی نہیں۔

خوشتر آن باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید با حدیث دیگراں

آنحضرت کی بابت ان غیر مذہب پیشواؤں کے خیالات اور رائیں جو اس وقت موجود ہیں

رسول اکرم مصلح اعظم

از راج کماری مادھوری صاحبہ بی اے ایڈیٹر رسالہ مادھوری الہ آباد

ہر پیغمبر لازمی طور پر ایک ریفارمر ہوتا ہے۔ ایک پیغمبر کی ضرورت ہی اس وقت ہوتی ہے کہ جب دنیا سے حق و صداقت مفقود ہو کر ظلم و عدوان کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور جب لوگ اپنے خالق اور اپنے

...... مالک کو بھول کر پیکر ہائے محسوس کی پرستش اور عبادت کرنے لگتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک مصلح تھے۔ اور واقعات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ دنیا کے مصلح اعظم تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہاتما گوتم بدھ کے متعلق بھی اسی قسم کے دعوے کئے جاتے ہیں اور بہت سے لوگ ان دونوں بزرگوں کو دنیا کے سب سے بڑے مصلح قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کے مصلح ہونے سے بھی انکار نہیں ہے۔ اور دنیا پر انہوں نے اپنے وقت میں جو کچھ احسان کیا ہے اس کا بھی دل سے اعتراف ہے لیکن اگر دقیق نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ "مصلح اعظم" کا خطاب سب سے زیادہ جس مقدس ہستی پر پھبتا ہے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو حقیقت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے مشن میں کامیاب ہی نہ ہوئے اور مذہب عیسوی کی جو کچھ ترقی ہوئی وہ آپ کے بعد آپ کے معتقدین کی کوششوں کی رہین منت ہے۔ اس لئے مصلح اعظم کا خطاب تو صرف اسی بنا پر ان سے واپس لیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی اصلاح کرنے میں کامیاب ہی نہ ہو سکے۔ اور ان کی مدت حیات میں کوئی ان کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہی نہ ہوا۔ ان کے مصلح اعظم نہ ہونے کے اور وجوہ بھی ہیں اور وہ یہ کہ ان کی تعلیمات میں جہاں بہتر سے بہتر اور پسندیدہ سے پسندیدہ اجزا موجود ہیں وہاں بعض ایسی چیزیں بھی ملتی ہیں جن کے متعلق یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس دنیا کے انسانوں کے لئے نہیں تھیں۔ ان کا یہ حکم کہ "اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو تم بایاں گال بھی اس کے سامنے کر دو" یہ ایک ایسا حکم ہے جس کی پابندی شاید خود ان کے لئے بھی دشوار ہی ہوتی۔ اور یہ تو یقینی ہے کہ ایک بھی عیسائی خواہ وہ مذہب کا کتنا ہی سچا عاشق کیوں نہ ہو اس حکم کی تعمیل ہرگز نہیں کر سکتا۔

مہاتما بدھ کا مشن نسبتاً بہت زیادہ کامیاب رہا اور انہوں نے اپنی کوششوں کا نتیجہ اپنی زندگی ہی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا لیکن جہاں تک تعلیمات کا تعلق ہے ہیں ان کے ارشادات میں بھی بہت سی ایسی ہی باتیں ملتی ہیں جو انسانوں کے لئے ناقابل عمل ہیں یا کم سے کم ایسی ہیں کہ

کہ اگر ان پر عملدرآمد کیا جائے تو دنیائے عشاق کو ترقی کے کئی زینے نیچے کی طرف اترنے پڑیں گے
حضرت عیسیٰ اور مہاتما بدھ دونوں کی تعلیم کا اصل اصول "رہبانیت" یا دنیا سے ترک
تعلق ہے۔ اور بدقسمتی سے یا خوش قسمتی سے انسان صرف اسی لئے پیدا ہوا ہے کہ اسی دنیا میں
رہے اور اپنے گردوپیش کی چیزوں سے تعلقات رکھے دونوں کی تعلیم میں رحم کرنے کی تلقین
بدرجہ اتم کی گئی ہے لیکن رحم کی افراط فی الحقیقت ظلم کا دوسرا نام ہے۔ ایک ڈاکو پر رحم کرنے کے
معنے اسکے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم بہت سے نیک اور اچھے لوگوں پر ظلم کر رہے ہیں جنہیں وہ
لوٹیگا۔ رحم کے استعمال کو صحیح اور مناسب اسی وقت تک کہا جا سکتا ہے کہ جب تک وہ انصاف
پر غالب نہ آئے اور اس معاملہ میں شاید کسی مذہب کی تعلیم بھی اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو اپنے
پیروؤں کو نہایت سختی کے ساتھ حکم تو دیتا ہے انصاف کرنے کا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی
بتا دیتا ہے کہ خدا معاف کر دینے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس کے معنے یہی نکلتے ہیں کہ اگر کسی دوسرے
پر ظلم نہ ہوتا ہو تو ہمیں ضرور رحم ہی کرنا چاہیئے۔ لیکن ایک شخص پر رحم کر کے دوسروں پر ظلم کرنا کسی
طرح بھی جائز نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے بھی سب سے زیادہ کامیاب مصلح تھے کہ آپ کی تعلیمات
کو آپکی زندگی ہی میں عالمگیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہو گئی اور اس لحاظ سے بھی کہ آپ کی تعلیمات
کا مقصد انسان کو "فرشتہ" یا کوئی اور چیز بنانا نہ تھا بلکہ "انسان کامل" بنانا تھا۔ آج مہذب اور
متمدن دنیا اپنی ترقیوں اور کامیابیوں پر جس قدر چاہے ناز کرے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے
کہ اگر دنیا میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا ظہور نہ ہوا ہوتا تو علم و فن اور تمدن و تہذیب سب یورپ کے
تنگ نظر اور نفس پرست عیاش راہبوں اور پادریوں کے ہاتھوں کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے اور آج
دنیائے انسانی ترقی کی اتنی اونچی منزل پر پہنچنے کی بجائے پستی اور ذلت کے غار میں پڑی ہوتی۔
دنیا سے غلامی اور شہنشاہی کو مٹا کر مساوات قائم کرنا اور دنیائے انسانی کی آدھی آبادی یعنی
فرقہ نسواں کو ذلت اور غلامی کے [illegible] سے نکال کر مردوں کے پہلو بہ پہلو بٹھانا اسلام کے لئے

کارہائے نمایاں ہیں کہ جن پر تمدن مدت العمر ناز کریگا۔ اور حصول علم ہر مسلم مرد و عورت پر فرض کر دیا اور علم کی تلاش میں انھیں ساری دنیا میں مارے مارے پھرنے کا حکم۔ تو دنیا اسلام کے ایسے کارنامے ہیں کہ جن کے احسان سے تہذیب کبھی سر نہیں اٹھا سکتی۔ یونان کے علوم و فنون مردہ ہو چکے تھے اور عیسائی پادریوں کے فتوے کے مطابق ہر وہ شخص کافر تھا جو دینیات کے محدود علم کے علاوہ کسی اور علم کی طرف توجہ کرے۔ اگر مسلمان اندلس کو فتح نہ کرتے اور یونانی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے کی مبارک کوشش نہ کی جاتی تو بوثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ انسان آج موٹروں اور ہوائی جہازوں میں اڑتے پھرنے کی بجائے پھر اسی دور سنگین میں پہنچ گیا ہوتا کہ جب پتھروں سے بنی ہوئی گپھائیں اس کا مکان تھیں اور پتھروں کے نوکدار اور دھار دار ٹکڑے اس کے تیشے اور بسولے۔ تو دنیا والے بھول جائیں مگر دنیا اسلام کے اس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتی کہ اس نے انسانی کشتی کو ڈوبنے سے بچالیا۔ اور تہذیب و تمدن کو پھر ترقی کے راستہ پر لگا دیا۔

میں دوڑے تری اُور

(از شریمان ترلوک چند صاحب پوری بی۔ اے شملوی)

ہے سنسا کار نرا کار تیرے اس مند دوار کو تیرے ملنے کی آسا نے بیاکل بنا رکھا ہے۔ دیکھنے میں کشل پروک ہوں پر ہے جیون پران اپنے روپ کی کرو کرندن کس پرکار سنوں آؤ۔ آؤ۔ میری اکولت آکانکشا کی پیاس بجھاؤ۔ آؤ کیوں مرے دیکھت رہے ہو پر یہ شوک کی شعلہ ہر رہے ہو تمہاری شکتی اسیم ہے کیا تم اتنا بھی نہ کرو گے۔ کہ میرے پاس آؤ۔ پربھو میں نے تمھیں اپنے سامنے کریڑا کرتے کبھی نہ دیکھا۔ ہاں ایکبار تمھیں سپنے میں دیکھا تھا۔ آہا کیا بھولی موہنی روپ تھا۔ کیسی الوکک چھٹا تھی۔ پرنتو وہ مورتی اسی پرکار جھلک دکھا کر چھپ گئی جس پرکار بجلی بادلوں میں ابھی اوپر کرتی کو جانک کر پھر بادلوں کی اوٹ ہو جاتی۔ آؤ میں تمھیں من مندر میں بٹھاؤں گا۔ شردھا آسن پر بٹھاؤں گا۔ کرشن گوائے کی سوگند تمہاری لگن تازے دودھ سے ہوئے دودھ سے دھو دوں گا۔ تمہارے [illegible] چرن پیوں گا اور اپنے

سو بھاگ پر گھمنڈ کروں گا .... ہے عرب و دیش کے راج کمار
پریم پیارے تم اکلیشن ہو تمہارے داس کیوں کلیشن میں رہیں۔ تم سرویش ہو ہم دوسروں کے
داس بنکر کیوں رہیں۔ ہو جبکہ تم جگت داتا ہو تمہارے نام لیوا دوسرے کے آگے کیوں ہاتھ پھیلائیں
دیکھو میرے ردے مندر میں پرویش کرنیوالے دیکھو میں تمہارا داس ہوں میری لاج رکھنا تجھے
تم پر مان ہے۔ یہ مان ترسکار کی اگنی میں جلنے دیا ہے اس سنسار کے رہنے والوں نے اتیا
چار رکھا ہے دھرم پر ادھرم کی بھاری مار ہے آؤ اور دکھا دو کہ پتھر میں نہیں چمک ہیرے میں ہے
جھوٹ میں نہیں جیسا سچ میں ہے۔

بھری سبھا میں ستی سادھوی کرشنا کی لاج رکھوانے والے جنتا جنی کے من کی اندھیری گتھی
میں اپنی پوتر رکھشا کے پھول برسانے والے تیرا یہ داس بھی شتروں کے جال میں پھنسا ہے گیا گلا دیا جھ
گیا ہے۔ ہے پربھو ہے مادھو دیکھنا یہ چکور چندرمان کو تیاگ کر بیٹھے بجنے کی اور درشٹی نہ لائے گیان
کو چھوڑ کر اگیان پر دھیان نہ دے۔ یدی ایسا ہی ہوا تو ہمارا کیا ہے لوگ بھاگ تمہیں پر کلنک لگینگے
کہ اپنے بھگتی مان کے دھن اور ان کے یہ در بھاگ۔ دوش ہمارا ہی سہی پر تم ...... کیا کہوں

نین دو ڈبھرے آگری آور

حضرت محمد صاحب

(از مسز لکھوتی جین صاحبہ ممبر لیجسلٹو کونسل پنجاب)

حضرت محمد صاحب کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے تو نوح کی عمر بھی ناکافی ہے۔ اور تمام دنیا کی سیاہی اور کاغذ بھی اگر اس مضمون پر ختم کر دیے جائیں۔ تو میری اپنی رائے میں نفس مضمون کے پورا پورا انصاف نہیں ہوگا۔ میں ایسا کہنے میں کسی قسم کی مبالغہ آمیزی نہیں کر رہی ہوں بلکہ یہ میرے دلی جذبات ہیں۔

جس محترم شخصیت [illegible] کو روحانی روشنی سے منور کر دیا جس نے دنیا کے

تمام انسانوں میں ایک نئی روح پھونکدی ان کے متعلق کچھ کہنا مجھ جیسی ابلا کی شکتی سے باہر ہے۔

بلاشک وشبہ اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ حضرت محمد صاحب کا درجہ دنیا کی ممتاز ہستیوں میں بلند ترین ہے۔ انھوں نے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ اور اپنی شخصیت سے اس دنیا میں جو نہ مٹنے والا اثر ڈالا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ نہ محض اسلام کے پیروؤں میں بلکہ غیر مسلموں میں بھی محبوب ہیں۔

حضرت محمد صاحب سے پہلے تمام ملکوں کی سوسائٹی میں عورت کا کوئی درجہ نہ تھا۔ اور وہ محض شخصی جائداد بھی جاتی تھی۔ حضرت محمد صاحب نے ان کو مردوں کے برابر حقوق عطا کئے۔ والد، خاوند اور بھائی کی جائداد میں اس کا حصہ مقرر کیا۔ اور مجھے تو یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ عورتوں کو جو آزادی آج حاصل ہے۔ اس کا بیج حضرت محمد صاحب کے دست مبارک سے ہی بویا گیا تھا۔ اور اسلئے دنیا کی عورتیں جتنا بھی ان کا شکریہ ادا کریں۔ تھوڑا ہے۔

فیس ازم اور کمیونزم

آج دنیا بھر کی سیاسیات نے کمیونزم و فیس ازم کا بہت چرچہ ہے۔ اور کیپٹل ازم کے برخلاف بہت پروپیگنڈا کیا جارہا ہے۔ اور اس میں شک بھی کوئی نہیں ہے کہ بہت سی مجلسی بیماریاں اسی کیپٹل ازم کی بدولت ہیں۔ اور اگر آج یہ جاتا رہا تو امن اور شانتی کا راجیہ ہوجائے سب سے پہلے کیپٹل ازم کے برخلاف آواز حضرت محمد صاحب ہی نے اٹھائی۔ اور سود کا لینا دینا پرکلیم موقوف کردیا۔ اور اس کو گناہ قرار دیا۔ آجکل جو فیس ازم کا طریق حکومت ہے اسکے بانی بھی حضرت محمد صاحب ہی تھے۔

انہوں نے اسلام میں خلافت کی بنیاد ڈالی جسمیں خلیفۃ المسلمین ڈکٹیٹر ہوتے تھے۔ اس میں حضرت صاحب نے فیس ازم و کیمونزم کو اس خوبی سے ملایا ہے۔ کہ بڑے بڑے سیاستداں بھی حیران ہیں حضرت محمد صاحب اول درجہ کے انصاف پسند تھے (انکے زمانہ کی درجنوں بلکہ بیسیوں کی روایات

نہ کرتے تھے۔ عدل وانصاف کی جو مثال انھوں نے قائم کی ہے۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی نہایت دشوار ہے۔ اپنے نزدیک سے نزدیک اور عزیز سے عزیز رشتہ دار کو قانونی سزا دینے میں انھوں نے کبھی تامل نہیں کیا۔ اسلام کی ایک اور بڑی خوبی جس کی دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ اس میں اونچ نیچ کا برتاؤ بالکل نہیں ہے۔ خدا کے سب بندے یکساں ہیں۔ ہر ایک آدمی اپنے اپنے عمل ہی سے چھوٹا بڑا ہے۔ اور کوئی دوسرا مذہب انسانی اخوت اور مساوات کے اصول پیش نہیں کرتا۔

بعض گمراہ آدمی یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اسلام میں (Tolerance) نہیں ہے۔ اور شاید یہ حضرت محمد صاحب کی تعلیم ہی سمجھو۔ مگر ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ حضرت محمد صاحب نے امن وامان کی مکمل تعلیم دی ہے۔ اور ان کی اپنی زندگی اس قسم کے ہزار ہا واقعات سے پر ہے۔ انھوں نے اپنے دشمنوں کے مذہب میں کبھی دخل نہیں دیا۔

میری خواہش ہے۔ کہ حضرت محمد صاحب کی یہ تعلیم دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلے۔ اور امن وامان کا راجیہ ہو۔ ان کی زندگی ہمارے لیے مشعل ہدایت ہے اور ہم اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کی زندگی سے متذکرۃ الصدر چند واقعات سے ہم کچھ سبق لیکر ملک اور قوم کی خدمت کریں۔

شمبل دیپ کا کلنگی اوتار یعنی عرب کا شیام سندر

(از پنڈت گوپال کرشن صاحب بی۔ اے ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی)

رشی محمد صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے ان کو سنسار سدھار کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ ریفارمر اور ایک مہاپرش میں ہونی چاہیے۔ آ[illegible] کے چرواہوں کو جو ظلم وستم کے عادی ہے۔ انسان کا حق دیا ان کے اندر رحم وکر[illegible] اور پریم کے جذبات پیدا کئے۔

وہ جاہل اور وحشی تھے، پرنتو چند روز میں ان کو حکمرانی کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچا دیا۔ وہ اپنے بھائیوں کا خون بہانا ایک معمولی کام سمجھتے تھے۔ لیکن حضرت محمد صاحب کی تعلیم سے ایسے دیالو ہو گئے کہ دنیا کی بگڑی ہوئی امن و سلامتی کو دوبارہ قائم کر دیا اور خود امن و شانتی کے محافظ بن گئے۔

حضرت محمدؐ رحمدل بھی تھے۔ اور سخت مزاج بھی اگر ایک غریب پریشان حال اور یتیم کو دیکھکر آپ کو رحم آجاتا تھا تو ایک ظالم اور امن کے دشمن کے مقابلہ میں آپ سخت مزاج تھے۔ اور اس کے لئے آپ کے پاس رحم نہیں تھا۔ ایشور نے ان کے ہردے کو پوتر بنایا تھا۔ وہ بہت دیالو تھے، پرنتو انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ عرب کے فاتح اعظم تھے لیکن مفتوح اقوام کے لئے رحیم و کریم تھے۔ جن لوگوں نے آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم کیا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو انکو سولی پر لٹکا دیتے۔ لیکن آپنے ان کے گناہ معاف کر دیئے۔ اور ان سے انتقام نہیں لیا۔ یہ ایسا تاریخی واقعہ ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ آپ کے جیون چرتر میں یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ امن و شانتی کے دشمن کو آپ نے کبھی معاف نہیں کیا۔ اسی طرح اپنے ذاتی دشمن سے کبھی بدلہ لینے کی خواہش ظاہر نہیں کی لیکن بدلہ لینے کو ناجائز نہیں بتلایا کیونکہ ایسا کرنا نیچر کے خلاف تھا۔ آپکے رحم و کرم کی یہ کیفیت تھی کہ آپ سخت سے سخت باتیں نہایت شانتی سے سن لیتے تھے۔ آپ کے جیون میں ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی، کہ اپنے دشمن کا آپ نے ویسا ہی سخت جواب دیا ہو۔

آپ کی غریب پروری کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی بھکشک آپ کے دروازہ سے محروم نہیں گیا۔ یہانتک کہ اگر آپ کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نام سے قرض لیلو جس وقت میرے پاس ہوگا ادا کر دوں گا۔

آپ کے کیریکٹر کے متعلق کبھی آپکے دشمن نے بھی کوئی شبہ [illegible] نہیں کیا۔ اور سب آپ کو پوترمنش سمجھتے تھے۔ دنیاوی جیون بھی آپ کا سندر تھا۔ [illegible] کے واسطے خود محنت

کرتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی محنت کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے حضرت مسیح کی طرح تمام عمر سنیاس کا اپدیش نہیں دیا۔ بلکہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کے ایسے زرین اصول بتائے جن میں عزت ہے اور شانتی ہے۔

آپ کے پیدا ہونے سے پہلے عرب میں اسی طرح مورتی پوجا ہوتی تھی جس طرح ہندوستان میں ہوتی ہے۔ آپ کی تعلیم سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا۔ اور یہ آپ ہی کی کرپا تھی۔ کہ عرب کے ظالم ڈاکو اعلیٰ درجہ کے سنت اور سوامی بن گئے۔ آپ نے عربوں کے اندر صفات پیدا کر دی کہ وہ ایک ہی سمے میں آتما کی سدھار کا کام بھی کرتے تھے۔ اور جنرل کمانڈر اور چیف جسٹس بھی تھے۔ آپ نے استریوں کی مظلومیت کا خاتمہ کیا۔ آپ کے پیدا ہونے سے پہلے ان کے کچھ حقوق نہ تھے۔ ان کی مظلومیت حد سے گذر چکی تھی۔ آپ نے ان کو عزت دی اور ان کے حقوق مقرر کئے۔ اور ان کو مساوات کا تاج پہنایا۔ آپ کے جیون میں سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لئے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اگر آپ چاہتے تو لاکھوں زر جمع کر سکتے تھے۔ اور شاندار مکانات بنوا سکتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنے بچوں اور استریوں کے لئے کوئی سرمایہ جمع نہیں کیا۔ اور بالکل سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ ایک چمکتی ہوئی تعلیم آپ کی یہ ہے کہ آپ نے امیر و غریب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ آپ کے آنے سے پہلے غریبوں کو جانور سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ ان کے کچھ حقوق نہ تھے۔ آپ نے ان کو عزت دی۔ آپ نے فرمایا غریبوں کے پہلو میں بھی ایک دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش ہوتا ہے اور برے سلوک سے ناخوش۔ یہ غریب نوازی کی تحریک آج بھی زندہ ہے۔ آپ مساجد میں جا کر دیکھئے وہاں آپ کو امیر و غریب ادنیٰ و اعلیٰ اور راجہ و بھکشک سب ایک ہی صف میں نظر آئیں گے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جن کو سمجھدار آدمی پسند کرتے ہیں۔ اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ یہ خوبی محمدؐ کی ہے۔

محمدؐ کی امتیازی شان

(مصر کے پادری لیف رائے کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

میں اپنے اس مضمون میں محمدؐ کی حیات اور آپ کی رسالت کے ان گوشوں پر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں جو میرے علم کے مطابق ابتک بالکل اچھوتے ہیں۔ اور جن کی طرف مجھ سے پہلے کسی کی نظر نہیں گئی۔ اس لئے کہ ہر سیرت نگار نے آنحضرت کی تاریخ حیات اور بلاغت قرآن کے اعجاز سے بحث کرنے پر اکتفا کی ہے۔ میں قرآن کی بلاغت اور محمدؐ کے شرف کا انکار نہیں کرتا۔ اور اس شرف و اعجاز رسالت کو جو جو کامیابیاں حاصل ہوئیں ان سے بھی مجھے انکار نہیں لیکن ان کامیابیوں کے سلسلہ میں یہ ماننا پڑے گا کہ آپ کی غیر معمولی شخصیت ہی کام کر رہی تھی۔

وہ شخصیت جس نے اپنے سرکش دشمنوں کو رام کرنے میں عجیب و غریب حذاقت و فطانت کا ثبوت دیا ہے۔ اس لئے اس موقع پر یہ بھی مناسب ہے کہ محمدؐ کی شخصیت کی تحلیل اور تجزیہ کیا جائے کیونکہ یہی سب سے زیادہ توجہ کے قابل نکتہ ہے۔ رہا قرآن اور اس کا معجزہ ہونا۔ تو ائمہ سلف اور خصوصاً محمدؐ نے اس کی بلاغت کو پوری قوت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔

میرا بنیادی مقصد اس وقت یہ ہے کہ میں محمدؐ کی نبوت کو ثابت کروں جس کا انکار ایک بالکل ہی جاہل کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کے بعد ان مسیحی نوجوانوں کو جن کے دل آنحضرت کی عظمت و حرمت سے خالی ہیں انھیں آپ کی شخصیت کے اعتراف پر مجبور کروں گا۔

کبھی، بلکہ جب کبھی، مجھے کسی مسلمان شخص یا مسلمان جماعت کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا اور بالقصد یا بلا قصد آدم سے لیکر اس وقت تک کے تمام نبیوں میں سے کسی ایک کا ذکر آگیا تو میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی استہزائی یا معترضانہ جملے ان کی زبان سے ادا ہوا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ اسلام اپنے مبلغین کو تمام انبیا کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ کہ مسلمان بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ دینی تعلیمات اور رسول کے حکموں کے پرستار ہیں۔ اس عمل میں بوڑھے اور جوان جاہل اور عالم سب برابر ہیں۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور مجھے ناقابلِ بیان صدمہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ نجات دہندۂ عالم محمدؐ کا ذکر کسی مسیحی مجلس میں آیا تو یک بیک نفرت و حقارت کے ساتھ پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ غیظ و غضب اور جہالت کا اظہار زبانوں سے ہونے لگتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قریش کا یہ سردار گویا افریقہ کا خونخوار درندہ ہے جس کا ذکر قوت سامعہ پر ناگوار اثر ڈالتا ہے۔

مسلمان مسیح کا احترام کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کا معترف اور آن پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ البتہ اس میں اس کو شک ہو کہ مسیحیت ویسی ہی پاک و صاف حالت میں ہم تک پہنچی ہے جس حالت میں اس کی حضرت مسیح نے نشر و اشاعت کی تھی بخلاف ایک مسیحی کے وہ حضرت محمدؐ کی نبوت کا انکار کرتا ہے ان کی کسی فضیلت کا معترف نہیں۔

مسیحیوں کی ایک کثیر جماعت کی نظر میں محمدؐ کی شخصیت ایک بدوی سے زیادہ نہیں جو اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے وقت کا منتظر ہو۔ اور جس نے تلوار کو حصول مقصد کا ذریعہ بنایا حتیٰ کہ یہاں تک کہ اُسے استقلال حاصل ہو گیا اور ملک اس کا مطیع ہو گیا۔ اس لئے محمد صلعم نہ تو رسول تھے نہ ان پر وحی آتی تھی۔ لیکن اس انکار نے محمدؐ کی عظمت کے میدان کو اور مستحکم کر دیا اس لئے کہ قرآن جس روحانیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور جن عبرت آموز قصوں کو بیان کرتا ہے وہ توریت و انجیل کی تعلیم سے بالکل مختلف نہیں ہیں۔ یہ وہی چیز ہے جو عرب کے یہود و نصاریٰ کی زبان سے بھی نکل چکی ہے۔ اور محمدؐ اور آپ کی رسالت کے بارہ میں بھی یہ اظہار سنگدلی ہے۔ کوئی نئی بدعت نہیں بلکہ آپ کے زمانہ کے قریش اور غیر قریش مخالفین نے بھی اس قسم کی باتیں کہی تھیں۔ اس لئے آجکل کے عیسائیوں کا انکار کوئی [illegible] بلکہ ایک چیز کی تکرار اور اعادہ ہے۔ ہم ان کے خیال کی کبھی تردید نہ کرتے اگر [illegible] تا کہ ان میں تاریخ رسالت سے واقفیت رکھنے والے

عرب ہیں بلکہ سارے عالم مسیحی میں دس سے زیادہ نہ ہوں گے۔ اور یہ دس بھی تقریباً تمام کی تمام جماعت متعلمین سے متعلق ہوں گے۔ اور اگرچہ ہم ان کو اپنا مخاطب بنانا نہیں چاہتے۔۔۔ کیونکہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ جن کی علمیت پر لفّاظیت کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔ اور اس لئے انہوں نے ازراہ تکبر نجات دہندۂ مشرق سیدِ عرب محمدؐ کی عظمت ہی کا انکار کر دیا۔ ہمیں مغالطہ میں ڈالنے کے لئے کوئی مسلمانوں کی طرف سے یہ معذوری پیش کر سکتا ہے کہ ان پر حضرت مسیح کی رسالت کا اعتراف واجب و ضروری ہے۔ جس کی قرآن بھی تائید کرتا ہے بخلاف مسیحی کے کہ اس کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ مسیحیت کی حدود سے آگے قدم بڑھاتے ہوئے ایسی نبوت کا اعتراف کرے۔ جو انجیل کی بنیاد کو منہدم کرتی ہو۔ اصولی عقائد میں اس سے اختلاف رکھتی ہو۔ اور وہ اس کے ساتھ انجیل سے متاخر بھی ہے۔ اور ہر ایک اپنے آخری مذہب کو تمام شریعتوں کا جامع سمجھتا ہے۔ پس جس طرح مسلمان حضرت محمدؐ کے سوا کسی اور کی نبوت و رسالت کے معترف نہیں ہو سکتے تو اسی میں کیا مضائقہ ہے اگر مسیحی عیسیٰؑ کے بعد ہر ایک نبی کا انکار کریں۔ لیکن اس کی حیثیت ایک منطقی مغالطہ سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ اس خیال کو عقل کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو بالکل ہی کھوٹا ثابت ہو گا۔ اس دعویٰ کو سمجھنے کے لئے پہلے ہم نبوت کی تعریف کرینگے پھر اس کی تحلیل عقلی نبوت ہمارے نزدیک ایک مختصر لیکن جامع الفاظ میں اس وصف کو کہتے ہیں جس کے فہم سے عقل بشری قاصر ہو اور جو امکان کی حدود سے نکل کر ایک عجیب اعجازی شان اختیار کرے پھر اسی کے ساتھ وہ دعوتِ توحید اور ہدایت کرنے میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔ اب سوال ہوتا ہے کہ کیا محمدؐ اپنی دعوت میں یا آپ کی دعوت روحِ نبوت کے لحاظ سے مذکورہ بالا تصریحات کے سوا کوئی اور شان رکھتی ہو۔

اگر یہ لوگ کوئی مذہب رکھتے بھی ہوں تب بھی کیسی قدر حیرت انگیز کرشمہ ہے کہ ایک ان پڑھ انسان دعویٰ رسالت کے ساتھ اُن کے قلب کو نشانہ بناتا ہے۔ اُن کے مذہب کو ختم کرنے کی ٹھان لیتا ہے۔ اُن کے سامنے اس زور و شور سے گرجتا ہے کہ بلغاء کی زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں اور موت کی بازی لگا کر اُن کے ذاتی فخر و غرور شرافت [illegible] پر رد دیتا ہے کہ اب

سوچنا چاہیئے کہ محمدؐ کس طرح اور کس صورت سے کامیاب ہوئے۔

حضرت محمدؐ صرف اپنی بلاغت کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوئے۔ نہ صرف اعجاز بلاغت قرآن کی وجہ سے۔ اگرچہ کسی حد تک اعجاز قرآن اور اس کی بلاغت کو اثر اندازی میں دخل ضرور رہا ہو لیکن اس حیرت انگیز انقلاب کو صرف بلاغت کا رہین منت نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے عرب کی سرزمین نے امراؤالقیس، قس، اور ابن ابی الصلب جیسے شعرا پیدا کئے۔ اسی خاک سے امیر المومنین علیؑ، سحبان، جاحظ، ابن المقفع، متنبی، معری، اور بہت سے لوگ تھے۔ مگر ان لوگوں نے دلوں میں وہ بات پیدا نہ کی جو محمدؐ نے پیدا کر دکھائی۔ ان کی فصاحت نے وہ اثر پیدا نہ کیا۔ جو محمدؐ نے جس نے عقلوں کو سرگرداں اور ذہنوں کو متحیر بنا دیا۔

ربِ محمدؐ کی قسم۔ محمدؐ کی کامیابی کا راز ان کی شخصیت میں مضمر ہے۔ جس کا مثل عرب کی حدود علم میں نہیں ملتا۔ ان کی کامرانی میں وہ روح کارفرما تھی جس کی قوت و تاثیر کے سامنے تمام قومیں ہیچ ہیں۔ بلاغت ایک عطیہ الٰہی ہے جس میں بعض اوقات بہت سے لوگ مساویانہ حصہ پاتے ہیں۔ اور یہ نعمت بہت سے لوگوں کو دی بھی گئی ہے۔ مگر وہ اس عظمت سے یقیناً محروم ہیں جو محمدؐ کو حاصل ہے۔ خدا نے اس عظیم الشان نعمت کے خلعت سے محمدؐ کو نوازا جس کے نتیجہ میں آپ فخر شوق اور فاتح عالم بنے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ محمدؐ کی رسالت بلاغت کی رہین منت ہے۔ اس لئے کہ ہر عربی بلیغ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر بلیغ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ عرب محمدؐ کی بلاغت سے متاثر ہو کر ان کے مطیع ہو جاتے۔ اگر اس بلاغت کے سوا آپ اپنی غیر معمولی شخصیت کے حامل نہیں ہوتے۔

بلاشبہ محمدؐ زبان عربی میں ایک پاکیزہ شستہ کلام لائے تھے لیکن اگر آپ کی مقبولیت کو اسی کا محصول قرار دیدیں۔ تو بلاد قوموں کی اطاعت اسلام کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ جو عرب نہیں تھیں۔ اور جن کو کلا[illegible] فصاحت سے اثر پذیری کا کوئی موقع حاصل نہیں تھا۔

لیکن کہا جاسکتا [illegible] وں نے اسلام کا حلقۂ اطاعت خوشی سے اپنی گردنوں

میں نہیں ٹالا تھا۔ بلکہ وہ اس لئے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے کہ وہ مجبور تھے۔ اگر چہ اس قسم کا اعتراض تاریخ سے جہالت و ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ لیکن پھر بھی اگر اس اعتراض کو تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ ہوتا ہے۔ کہ وہی لوگ جو کل تک اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کرتے تھے، آج اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کیلئے تیار ہیں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں۔ جو علم کے اثرات اور اس کی قوت کا انکار کر سکے۔ اسی طرح آج کوئی تمدن جدید کی درخشانی و تابانی کا بھی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا دور حاضر کی بڑی سے بڑی مادی طاقت یا کسی وسیع ترین گہوارۂ علمی کے بس میں یہ بات ہے کہ کسی ان پڑھ تہذیب و تمدن سے بالکل ہی ناآشنا جماعت کو بیس سال کی حقیر مدت میں مدنیت اور تہذیب کا خوگر بنا دے تو پھر تعجب ہوتا ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے ساتویں صدی عیسوی میں ایک امی شخص نے اس قدر مشکل کام کیسے انجام دیدیا۔ کیا اسے اسباب و علل کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ یا ایک معجزہ ہے جو طاقتِ بشری کے احاطۂ امکانی سے خارج ہے۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ عرب اپنی وحشت و بربریت کے ساتھ ساتھ راہزن، خونخوار، سخت دل اور اپنے رئیس کے فرمانبردار تھے۔ ان میں بہت کم اتفاق رائے ہوتا تھا۔ صنعت و حرفت اور علوم سے انھیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ ہر چیز کا سطحی مطالعہ کرتے تھے۔ فکر میلانات۔ اطاعت سے یکسر معرا تھے ایسی قوم کو ایک امی نے بے نظیر نظم و اتفاق تہذیب و تمدن۔ اجتماعیات و عمرانیات اور علم و ادب کا والہ و شیدا بنا دیا ہے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے۔ جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بہر حال ایسی جاہل قوم میں تہذیب و علم محمد کا رہین منت ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر محمد اور قرآن اس قوم کے پاس نہ آتا تو اپنی ہستی کو فنا کر بیٹھتی۔ اور اس میں دوسری قومیں ہرگز ہرگز جذب نہ ہوتیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس دن یہ روحانیت اس میں نہ ہوگی اس دن خدا ہی جانے وہ کس حال میں ہوگی۔ نجومین اور [illegible] کی فہمائش سے پردۂ عدم سے نکال کر ایک قوم کو منصۂ شہود پر لا کھڑا کیا۔ ان میں سے کسی نے [illegible] قوم کو مہذب اور

تعلیم اقتدار بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ سکندر کے مرتے ہی اس کی فتوحات کا حلقہ سکڑنے لگا۔ اس کے رعب دبدبہ کی پرچھائیاں محو ہونے لگیں۔ یہی نپولین کا حشر ہوا۔ زندگی کے آخری لمحات میں جبکہ وہ دنیا کو الوداع کہہ رہا تھا وہ اپنی آنکھوں سے اپنی عظمت کے بت کو ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن محمدؐ...... ہاں محمدؐ انہوں نے اس حالت میں دنیا سے کوچ کیا۔ کہ ان کی رسالت کا قدم اب تک مصروف راہ پیمائی ہے۔ رسالت کی کرنیں اپنے مرکز سے نکل نکل کر برابر مصروف ضوفشانی ہیں۔

محمدؐ انسانیت کا نجات دہندہ ہے

(مشہور عالم ادیب مسٹر برنارڈ شاہ کے خیالات)

مسٹر جارج برنارڈ شاہ انگلستان کا وہ مایہ ناز فلسفی ہے جس کی شہرت کا آجکل ڈنکا چاروانگ عالم میں بج رہا ہے۔ وہ ایک ملحد شخص ہے لیکن حضور سرورِ کائنات کی سوانح حیات اور فلسفہ زندگی نے اسے بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ انسانیت کے نجات دہندہ تھے۔ مسٹر جارج برنارڈ شاہ فرماتے ہیں:۔

"میں نے ہمیشہ محمدؐ صلعم کے مذہب کو بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز زندگی پائی جاتی ہے۔ میرے نزدیک محمد صلعم کا مذہب ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکے اندر ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنیکی صلاحیت موجود ہے۔

بلاشبہ دنیا کو چاہئیے کہ میرے جیسے بڑے آدمیوں کی پیشینگوئیوں کی از حد قدر و منزلت کرے۔ چنانچہ محمد صلعم کے مذہب کی نسبت میری پیشین گوئی یہ ہے کہ امروز فردا میں یورپ اسی کو قبول کریگا۔ مگر میں نے اس حیرت انگیز انسان حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ [illegible] یہ ہے۔ کہ محمدؐ کو حضرت عیسیٰ اور عیسائیت کا مخالف تو نہیں بلکہ عالم انس[illegible] سمجھا جانا چاہئیے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر محمد صلعم جیسا

آدمی موجودہ دنیا کا ڈکٹیٹر بنجائے تو اُسے موجودہ دُنیا کی ان تمام الجھنوں کو سلجھا دینے میں ایسی کامیابی ہوگی کہ دنیا کو جس امن و شادمانی کی اس قدر ضرورت ہے وہ امن و شادمانی دنیا کو حاصل ہو جائے گی۔

گو دورِ حاضر کا یورپ تو بہت ہی ترقی کر گیا ہے۔ لیکن انیسویں ۱۹ صدی میں یورپ نے اتنی ترقی حاصل نہیں کی تھی اس وقت بھی یورپ کے اندر کارلائل اور گوئٹے۔ اور گبن جیسے ایماندار مفکرین موجود تھے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کی حقیقی قدر و قیمت پہچان لی تھی اور انکے ان کے زمانہ سے اسلام کے ساتھ یورپ کے طرزِ عمل میں ایک خوشگوار تبدیلی شروع ہوگئی تھی مگر دورِ حاضر کے یورپ کو محمد صلعم کے مذہب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ انسیت ہوتی جارہی ہے بیسویں ۲۰ صدی تک یورپ کے قدم اس معاملہ میں اور زیادہ بڑھ جائینگے۔ اور یورپ اپنی الجھنوں کو سلجھانے کے باب میں محمد صلعم کے مذہب کی فائدہ رسانی کو محسوس کریگا۔

خیر یہ تو آئندہ کی بات ہے۔ لیکن اس وقت بھی بہت سے ہم قوموں اور دوسرے یورپین لوگوں نے محمد صلعم کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور اس طرح یورپ نے اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا شروع کر دیا ہے۔

آنحضرت کی صداقت پر ڈاکٹر کولیر ایل ڈی کے خیالات

ڈاکٹر ڈبلیو۔ الیف کولیر ایل۔ ایل۔ ڈی۔ انگلستان کے بہت نامور ادیب اور مورخ ہیں جن کی تصانیف میں ہسٹری آف انگلش لٹریچر۔ ہسٹری آف دی برٹش ایمپائر گریٹ ایونٹس آف ہسٹری وغیرہ۔ بہت ممتاز کتابیں ہیں۔ انہوں نے حضور سرور کائنات کی نسبت ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ڈاکٹر کولیر کہتے ہیں کہ اسلام کے جلیل القدر بانی [illegible] مکہ کے اندر پیدا ہوئے ان کی زندگی کے چالیس سال کاروبار میں بسر ہوئے۔ [illegible] انہوں نے

اپنے دین اور اپنے مقصد حیات کا اعلان کیا وہ آل قصیٔ کی اولاد تھے جن کا تعلق محافظین کعبہ یعنی قبیلہ قریش سے تھا۔ جو شریف و نجیب ہونے میں مسلم تھا جب انہوں نے اپنے دین کی تبلیغ کی تو خود ان کے قبیلہ کے اندر اس قدر جوش و اشتعال پیدا ہوا کہ اگر وہ بعجلت مکہ سے ہجرت نہ کرتے تو ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ اس ہجرت کی تاریخ ۱۶ جولائی ۶۲۲ء سے اسلامی تاریخ کا سنہ ہجری شروع ہوتا ہے۔ مکہ سے ہجرت کر کے محمد صلعم نے مدینہ میں پناہ لی وہاں وہ مذہب کے نظریئے بیان کرتے ایک پرزور و پرجوش جنگ آزما بن گئے۔ اور انہوں نے اس سلسلہ میں اعلان کیا کہ تلوار جنت اور دوزخ کی کنجی ہے جس سے آپ کا منشا لغا یہی تھا کہ اگر تلوار حق و صداقت کی خاطر اٹھائی جائے تو تلوار اٹھانے والے کو جنت کا حقدار بناتی ہے۔

اور اگر بیجا ذاتی اغراض اور بدی کی خاطر اٹھائی جائے تو دوزخ کا سزاوار بناتی ہے جنین کی زبردست جنگ میں جس میں کامیابی حضرت محمد صلعم ہی کو ہوئی انہیں ایک طرف اہل قریش اور دوسری طرف یہودیوں کا مقابلہ کرنا پڑا پھر موتہ کے مقام پر بازنطینی افواج کو شکست فاش دی۔ ۶۲۹ء میں انہوں نے مکہ پر قبضہ کیا۔ اور کعبہ کے فرش پر تین سو ساٹھ بتوں کو پاش پاش کیا۔ اس کے کچھ دن بعد ان کے ایک صحابی نے عقبہ پر قبضہ کیا اور وہ خود دمشق جا رہے تھے کہ انہیں دعوت اجل کی اطلاع ہوئی چنانچہ مدینہ واپس چلے گئے اور ۶۳۲ء میں وفات پائی۔

محمد عربی کی تعلیمات کے بے نظیر اثرات

ایک موجودہ جرمنی مستشرق ڈاکٹر ہیلے کے خیالات

ڈاکٹر جوزف ہیلی لکھتے ہیں [illegible] کی تاریخ نے ہر مذہب کے اثر قبول کیا ہے۔ اور تمام ہی نسبوں اور [illegible] نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کی تہذیب

وتمدن کی تعمیر میں حصہ لیا ہے لیکن عالم انسانیت کی تاریخ پر حضرت محمد صلعم کے پیش کردہ مذہب نے نہایت سرعت کے ساتھ جو اثرات براہ راست مترتب کئے ان کی نظیر دنیا کا کوئی دوسرا مذہب نہیں پیش کر سکا۔

اس کے علاوہ ایک اور نمایاں خصوصیت حضرت محمد صلعم کو یہ حاصل تھی کہ ان کو جو اثر و اقتدار حاصل ہوا ویسا اثر و اقتدار کسی دوسرے بانیٔ مذہب کو اپنے زمانہ میں اپنی قوم پر حاصل نہیں ہوا۔ لہذا ایک ایسی قوم کے نشو و نما کو جس نے اسلام کے ذریعہ تمام دنیا میں ایک نئی تہذیب و تمدن پھیلایا۔ اس وقت تک سمجھنا غیر ممکن ہے۔ جب تک کہ ان کی تعلیمات پر غور نہ کر لیا جاوے جن تعلیمات نے اس تہذیب و تمدن کو پیدا کیا پھر ان تعلیمات کو اس شخص کی ذات سے جدا رکھنا بھی بے سود ہے۔ جس نے وہ تعلیمات پیش کیں۔ اس لئے پیغمبر اسلام کی شخصیت اور ان کی تعلیمات اور پھر ان کی سیاست اور اس کے بعد ان کی قوم کا ذہنی ارتقاء یہ ساری چیزیں آپس میں کچھ اس قدر گھلی ملی ہوئی ہیں کہ کسی کو دوسری چیزوں سے جدا کر کے زیر نظر نہیں لایا جا سکتا۔

قدیم سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ جب سب سے پہلے پیغمبر اسلام نے غیبی پیغام سنا تو آپ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ اور اس پیغام سے جو غیر معمولی ہیجان پیدا ہوا جب وہ فرو ہوا تب ان کو ایک دوسرا پیغام پہنچا کہ اے چادر میں لپٹے ہوئے اٹھ اور صرف اپنے رب کی عظمت بیان کر اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی سے محفوظ رہ اور زیادہ لینے کی غرض سے احسان نہ کر اور اپنے رب کے لئے صبر کر۔ اگر قدیم سوانح نگار ان آیتوں کو سب سے پہلی وحی اور حضرت محمد صلعم کی نبوت کی ابتدا قرار دیتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں [illegible] اسلامی سیرت نگاروں کے نقطہ خیال سے آنحضرت کی کل زندگی اسی پیغام کی تفسیر تھی وہ اپنی قوم کے لئے نظیر اور عظمت خدائے واحد کے علمبردار اور قوانین عفت نفس کے حامل اور مسلمانوں [illegible] مساوات کے بانی مبانی ہوئے پھر جہاں تک اسلام کی دینی عبادت یعنی نماز یا نماز با [illegible] عقائد و اتنا می

ہے جتنا کہ اسلام قدیم ہے۔ غالباً اس طریقۂ عبادت کی ابتدا یہودیت اور عیسائیت سے ہوئی اور چاہے ایسا ہو یا نہ ہو۔ اس طریقہ عبادت کو مسلمانوں میں خاص وقعت و اہمیت حاصل ہوگئی نماز کی حرکتوں یعنی رکوع و سجود کے صحیح طور پر ادا کرنے کی خواہش کی بنا پر نماز باجماعت کی ابتدا ہوئی اور اسی طرح نماز باجماعت کی ابتدا ہوئی اور اس طرح نماز باجماعت کو کسی ایک فرد کی امامت میں ادا کیا جانے لگا۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں عام طور پر خود پیغمبر صلعم ہی امامت کرتے ہوں گے ہر شخص جس نے کبھی مسلمانوں کو باقاعدہ صفیں بنا کر ایک حیرت انگیز تنظیم و دبدبہ کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا ہے وہ اس منظم عبادت کی تربیتی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی ذہن نشیں رکھنا چاہیے کہ اس طرح منظم عبادت کی ابتدا ان مغرور و سرکش لوگوں میں ہوئی تھی جنہوں نے اپنی عمر بھر کبھی کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا تھا۔ اور جو اطاعت و فرماں برداری کے احساس ہی سے عاری تھے۔ اس بات کے ذہن نشین کرنے سے ہمیں معلوم ہوگا کہ حضرت محمد صلعم نے انھیں منظم عبادت کی جو تعلیمات دی تھیں اس منظم عبادت کے ضابطوں کی تکمیل کو عربوں کی تربیت میں کس قدر دخل و اہمیت حاصل تھی اور اسی لئے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ مسجد اسلام کی اوّلین تربیت گاہ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت محمد صلعم نے نماز باجماعت کے ذریعہ مسلمانوں میں عصبیت اور مساوات انسانی کا احساس پیدا کیا۔ حضرت محمد کے زمانہ تک عربوں میں عصبیت کا تخیل بھی نرالا تھا۔ اس کا تعلق صرف قبیلہ اور خاندان سے تھا۔ ہر شخص کو صرف اپنے خاندان اور نسل اور طاقت و قوت پر ناز تھا۔ چنانچہ وہ ہر ایک کو اپنے سے کمتر سمجھتا تھا۔ اور کمتر اور کم حیثیت لوگوں [illegible] سے نفرت کیا کرتا تھا۔ لیکن حضرت محمد صلعم نے جب ان میں ایسا اتحاد اور مساوات قائم کردیا [illegible] غریب سب برابر ہوگئے۔ اور خاندان اور قبیلہ کی تنگ دیواریں مسمار ہوگئیں تو عرب [illegible] انتشار و تفرق اٹھ گئی۔ نماز باجماعت کے علاوہ معاشری مساوات کا نتیجہ یہ [illegible] اور محتاجوں کی امداد و دستگیری نے ایک مذہبی فرض کی صورت اختیار [illegible] معاملہ میں آزاد نہ رہیں کہ خیرات کرے یا نہ کرے بلکہ زکوٰۃ

کا ادا کرنا ہر مسلمان کا دینی فرض ہو گیا۔ چنانچہ زکوٰۃ بیت المال کے اندر جمع ہونے لگی اور باقاعدہ طور پر خرچ ہونے لگی۔

تصوّف

تصوّف۔ متصف ہونا اخلاق الٰہیہ کے ساتھ۔ حضرت خواجہ جنیدؒ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ هُوَ تَصْحِیْحُ الْخَیَالِ یعنی پاک کرنا اپنے قلب کو کدورات و خیالات غیر اللہ سے۔ **تصوّف** وہ علم ہے جس میں بذریعہ ہدایت نور نبوت و تعلیم سرور کائنات علیہ السلام۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات و صفات۔ اور اسرار علم لدنی۔ وصول الی اللہ کے طریقے۔ اور جملہ لوازمات سلوک طریقت کے اصول۔ رموز معرفت و حقیقت بیان کئے جاتے ہیں۔ غرض اور غایت اس علم کی انسان کامل بننا اور متخلق بہ اخلاق اللہ اور متصف بہ اوصاف اللہ ہونا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن پاک حدیث شریف۔ صحابہ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین کے کلام میں صراحتاً اور اشارتاً اس حقیقی علم یعنی تصوف کے اصول و رموز بکثرت موجود ہیں۔ اور خیر القرون میں اسکی تعلیم و تلقین بہت کثرت سے تھی۔ مگر اس وقت تک تصوف اور صوفی لقب مشتہر نہ تھا۔ بلکہ ان ہر سہ قرون میں صحابی۔ تابعین۔ اور تبع تابعین سے بہتر کوئی خطاب نہ تھا۔

صوفی

صوفی۔ صوف سے ماخوذ ہے۔ زمانہ سابق میں اہل باطن غایت انکساری سے صوف کا لباس پہنتے تھے۔ اور لفظ صوف کے معنے لغت میں پشم گوسفند [illegible] ہیں۔ اور تصوف اسی سے ماخوذ ہے۔ اور مجازاً صوفیاء کرام کے اعمال و افعال و معارف [illegible] کہتے ہیں۔ یا یہ کہ تصوف صوف سے ماخوذ ہے۔ بفتح ص جہد لغتاً یعنی یکسو ہو [illegible] کرنے کے ہیں۔ پس جبکہ صوفی [illegible] سے یکسوئی و روگردانی اختیار کرتے ہیں۔ لہٰذا ان [illegible] و معارف کو تصوف

کہتے ہیں۔ اور صوفی لغت میں مخلص کے معنے میں بھی آیا ہے وہ سب کے سب مخلص ہی ہوا کرتے
تھے ۔بعض کہتے ہیں کہ صوفی ۔صُوفہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ ایک قوم اہل تجرد اور نیک نفر میں
سے تھی ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ اور خلق اللہ کی خدمت محض اللہ واسطے پر کرتے تھے ۔بعض
کا مقولہ ہے کہ صوفیہ منسوب ہے طرف اصحاب صُفّہ کے ۔صفّہ مسجد نبوی میں ایک چبوترہ تھا جو صُفّہ
کے نام سے موسوم تھا۔ اصحاب صُفّہ ان فقراء مہاجرین کو کہتے ہیں جو رسول علیہ السلام کے زمانہ میں
ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تھے اور صُفّہ اُن کی رہائش کے لئے مختص تھا۔ اس وجہ سے وہ اصحاب
صُفّہ کہلاتے تھے ۔کیونکہ مدینہ منورہ میں ان کی رہائش کے لئے کوئی اور مکان مقرر نہ تھا مسجد
کے صُفّہ میں رات دن بسر کرتے تھے اور جمال مصطفوی سے استفادہ حاصل کرنا ان کا مدعائے دلی
تھا۔ وہ حضور کی صورت دیکھ کر جیتے تھے ۔ان میں سے جو جو باہوش تھے ۔وہ جنگل سے لکڑیاں لاتے
اور ان کو بیچ کر کھجوریں ۔خرمے خرید لے ۔اور بقدر قوت لایموت سب کو تقسیم کر دیتے تھے ۔ اصحاب صُفّہ
حضور اکرم سے انواع واقسام کے علوم حاصل کرتے تھے ۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ستّر
اہل صُفّہ کو دیکھا کہ وہ ایک چادر سے نماز پڑھتے تھے ۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ
بشارت سنا دی تھی کہ تم جنت میں میرے ساتھ رہو گے۔

معتبر روایات سے ثابت ہے کہ جس وقت حضرت موسٰی علیہ السلام کوہ طور پر حق تعالےٰ سے
ہمکلام ہوئے ۔اس وقت آپ جبّہ صوف ۔سراویل صوف اور صوف کی کلی پہنے ہوئے تھے۔
بعض کہتے ہیں کہ صوفیہ اُس پُرانے خرقہ سے عبارت ہے ۔جو از کار رفتہ یعنی بیکار ہو گیا ہو لہٰذا
صوفی اپنے نفس کی شکستگی کی [illegible] سے اُن کو جوڑ کر ستر پوشی کرتے تھے ۔اور اسی پر قناعت کرتے
تھے ۔صوف پوشی اختیار کر [illegible] ان حضرات کے یہ معنے نہ تھے کہ ان کو کوئی خصوصی لباس قرار
دیں تا کہ پہچانے جائیں ۔بلکہ [illegible] پہننے سے اُن کی اصل غرض یہ تھی کہ نفس کشی اور دنیا کی
زینت ترک ہو جائے ۔بلکہ [illegible] تھ ہی مقید نہ رہے ۔جو کچھ میسر ہوا اس سے ستر پوشی کی
اور اہل حق کی اصط[illegible] جس نے منجملہ اوصاف باطنی کے اپنے خیال کو صحیح اور [illegible]

غیر حق سے صاف کیا قلب کو خواہش نفسانی سے پاک کیا۔ اور اعیان ثابتہ یعنی مراتب ستہ کے حقائق کو جانا۔ اپنے آپ کو پہچانا۔ تعینات عالم کو مظاہر حق جانا۔ بعد تحصیل علوم دین کے بجا آوری اوامر میں مصروف رہے اور اجتناب نواہی میں مشغول رہے۔ صوفی اس کو کہتے ہیں جس کا قلب مصفی زبان سچی۔ چشم پرنم۔ دل خدا کی محبت سے لبریز ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح رابطہ ہو وعدہ کا پکا۔ عفو خلائق شعار ہو۔ سب بندگانِ خدا کے ساتھ محبت رکھے۔ کبر۔ عجب۔ نخوت۔ حسد۔ حب دنیا۔ حب جاہ وغیرہ ان بری خصلتوں کو ترک کردے۔ خود بین نہ ہو۔ دوسروں کی نسبت بدگمان نہ ہو بدبین نہ ہو بخیل نہ ہو خلق اللہ کا فائدہ مدنظر رکھے۔ ضعیفوں کی مدد کرے۔ اپنے چھوٹوں پر شفقت کرے۔ راحت پر شکر مصیبت پر صبر اور نفس پر جبر کرے۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ہستی کو ذات مطلق کی ہستی میں محو کردے۔ اور اس قدر مستغرق ہوجائے۔ کہ اپنی ہستی اور معشوق کی ہستی کی مطلق خبر نہ رہے۔ لہذا اس حالت میں ادب و آداب کا لحاظ بھی باقی نہیں رہتا جیسے حضور سلطان الدنیا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے ایسی حالت میں دریافت فرمایا تھا مَنْ اَنْتَ عَائِشَتَہٗ عَائِشَہ یعنی اے عائشہ تم کون عائشہ ہو۔ جواب دیا بنتِ صدیق۔ پھر حضور نے پوچھا من الصدیق جواب دیا حَضْرُوْ مُحَمَّدٌ پھر حضرت نے فرمایا مَنْ مُحَمَّدٌ پس حضرت صدیقہ نے خیال کیا کہ آنحضرت اس وقت عالم میں نہیں ہیں۔ علماء باطن کہتے ہیں کہ اگر حضرت صدیقہ پھر کہتیں کہ محمد الرسول اللہ تو حضور فرماتے مَنْ اللہُ۔

قرون ثلاثہ میں بھی علم حقائق ثابت ہے۔ علوم طریقت رموز حقیقت صحابہ کرام کے زمانہ میں ثابت و متحقق تھے۔ اگرچہ اس قرن میں کوئی صوفی نہیں کہلاتا تھا چنانچہ صحابہ کرام میں سے بعض صحابہ نبی کریم علیہ السلام کے علم باطن کی ترویج فرماتے تھے ... بعض شریعت کی خدمات ادا کرتے تھے اور جہاد وغیرہ کی تیاریاں میں کوشاں رہتے تھے ... اپنی قوم سلطان الدنیا علیہ السلام کے باطنی علم کے مراتب تعلیم دیتے تھے۔ یہ خدمات خلفائے راشدین ... متعلق تھیں۔ خصوصاً مولائے کائنات یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حذیفہ بن الیمان۔ ... عبد اللہ بن مسعود

ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہما۔ اور دوسرے قرن میں یعنی تابعین کے زمانہ میں بھی علم باطن کی وافر سعی فرماتے تھے۔ جیسے حضرت امام زین العابدین امام محمد باقر، محمد بن حنیفہ، کمیل بن زیاد، اور حسن بصری وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

قرن ثالث میں، حامیانِ باطن میں سے، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم اور ائمہ اہل بیت سفیان ثوری، مالک بن دینار، محمد بن سماک، حبیب عجمی، شیبان راعی، اسد، داؤد طائی وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم تھے۔ ان کے بعد علوم باطنی کی، بایزید بسطامی، ابو محمد سہیل تستری، حارث بن اسد محاسبی، بشر حافی، سید الطائفہ جنید بغدادی، ابو حفص حداد، اور ابو سلیمان دارانی وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے جنہوں نے تعلیم باطن میں بلیغ کوشش فرمائی۔

قرن اوّل میں آنحضرت صلعم کی صحبت کافی تھی، اس زمانہ میں صحابہ کے لقب سے کوئی اور لقب بہتر نہ تھا۔ اس کے بعد قرن ثانی میں تابعین کے لقب سے اور کوئی اشرف لقب نہ تھا۔ قرن ثالث میں علیٰ ہذا تبع تابعین کے لقب سے اور کوئی لقب اعلیٰ نہ تھا۔ ان کے بعد فرقہائے مختلفہ ظہور میں آئے اور انواع و اقسام کی بدعتیں شروع ہوئیں۔ ہر ہر فریق نے زہد کی نئی صورتیں اختیار کیں جہلاء میں سے اکثر طالب جاہ و دنیا پیدا ہوئے۔ اس وقت جو لوگ اہل سنت والجماعت کے خواص تھے اپنے دلوں کو غفلت و بدعت سے نگاہ رکھتے تھے۔ اور حفظ انفاس حق تعالےٰ کے ساتھ رکھتے تھے، یعنی جن کا کوئی سانس خدا کی یاد سے خالی نہ ہوتا تھا۔ صوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان میں سب سے پہلے جن کو صوفی کا خطاب ملا وہ سید ابو ہاشم محمد بن احمد تھے جن کا انتقال ۱۶۲ھ میں ہوا۔ اس کے علاوہ زمانہ قدیم سے ثابت ہے کہ ہر زمانہ میں ہادی، ناصح اور رہنما آئے جن کو نبی، پیغمبر، رسول، ولی، اوتار، رشی، منی، راہب کے نام سے تعبیر کیا گیا ہو اور ہمارے جدید دور [illegible] سوامی جی کے چیلے یعنی سوامی آنند سروپ صاحب کا بھی اتفاق ہے کہ پیر و مرشد کی ضرورت ہو۔

پیر و مرشد، ہادی [illegible] گرو کی ضرورت اور اس کی پہچان

کائنات کی وسعت [illegible] اس کے اندر مقیم ارواح کا حساب، اس کے نظام کا

حال اور اس کے مالک و حکمران کی شان و شوکت، حشمت و عظمت کا بیان سنتے ہی ہر سمجھدار انسان کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے: میں! میں کیا؟ اور میری بساط کیا؟ کل کائنات کے مقابلہ میں یہ نظام شمسی ایک تل کے دانہ سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے۔ اور نظام شمسی کے تمام عوالم کے مقابلہ میں یہ زمین ایک رائی کے دانہ سے بھی چھوٹی ہے اور روئے زمین پر جتنے ذی روح آباد ہیں ان کے شمار کے مقابلہ میں، انسان مٹھی بھر بھی نہیں ہیں۔ پھر ان حقیر انسانوں میں سے میں صرف ایک ہوں۔ کل پانچ فٹ سات انچ لمبا، گوشت پوست استخوان کے قالب میں مقید، زمین سے بندھا، کرہ ہوا سے دبا، قوانین قدرت کا پابند، خواہشات کا غلام، بے بال و پر کا طائر، محض آنکھ، کان، ناک، وغیرہ کی قوتوں کی امداد یعنی ان تین نالیوں کے اندر محدود عقل کے بوتے پر کیا کر سکتا ہوں؟ میں کیا؟ اور میری بساط کیا؟ یعنی چادر اوڑھ کر چپ چاپ ایک گوشہ میں لیٹ جانا چاہیے۔ اپنا پہچاننا، باطن کی سیر، روح کا دیدار، سچی نجات، لازوال سرور، لافانی زندگی، یہ ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر کرنا میرے لئے "چھوٹا منہ بڑی بات" ہے۔ ذات باری کے مقابلہ نہیں نہیں، کسی عالم کے والی کے مقابلہ نہیں نہیں، آفتاب و ماہتاب تک کے مقابلہ میں میری حیثیت ایک مچھر یا پسو سے زیادہ نہیں ہے۔

مجھے ان حدود میں رکھنے والی قوتوں پر بھی فتح حاصل نہیں ہو سکتی۔ مجھے کبھی آنکھ، ناک، کان وغیرہ کی قوتوں کی حد سے باہر کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ قید میں پیدا ہوا، قید میں پلا اور قید ہی میں مروں گا۔ لیکن تصوف ایسے پژمردہ دل، افسردہ خاطر انسان کو مژدہ دیتا ہے۔ کہ "اے نادان تو ایسا بے حیثیت و بد نصیب نہیں ہے۔ اول تو ذرا حقیقت سن لے۔ پھر کوئی رائے قائم کرنا۔ تو اسی ذات مطلق کے جوہر کا ایک ذرہ ہے جس کی جلوہ [illegible] آفرینش کا حال سنکر تو اس قدر مایوس ہوگیا ہے۔ تیری قدرت، تیری قابلیت اور تیری بزرگی [illegible] بے پایاں ہے۔ اگرچہ پانچ فٹ سات انچ تیرا جسم ہے۔ گوشت، پوست اور استخوان [illegible] مگر تو ان سے علیحدہ جوہر ہے تو نہ زمین سے بندھا ہے، نہ کرہ ہوا سے دبا ہے، نہ خواہشات [illegible] بے بال و پر کا طائر

تیری روح یعنی جیو آتما ہے۔ تو حقیقت روحانیت مجسم، سرورِ عشق مصور ہے۔ تیری قدرت لامتناہی، تیرا علم لامتناہی۔ تیرا سرور لامتناہی ہے۔ آفتاب، ماہتاب نہیں نہیں بلکل مادی کائنات کی تیرے سامنے کیا حقیقت ہے؟ تو اس ذات باری کی ایک شعاع ہے۔ جو اوصاف آفتاب کے۔ وہی ایک شعاع کے۔ ابھی تجھے اپنی اصلی ہیئت کی خبر نہیں۔ بادشاہ کا بیٹا چمار کے ہاں پرورش پاکر اپنی اصل و حقیقت بھول گیا ہے۔ اٹھ، آنکھ، کان، ناک بند کر چشم باطن کھول۔ اپنی طاقت اور اپنے جد امجد کی قدرت کا جلوہ دیکھ۔ آگے قدم بڑھا۔ اور اپنے وطن پہنچ کر اپنی آبائی بزرگی کا لطف حاصل کر۔

یہ مژدہ جانفزا سنتے ہی فہیم انسان کا رواں رواں حرکت میں آجاتا ہے۔ اس کا پژمردہ دل یکدم شگفتہ ہو جاتا ہے۔ اور کچھ تامل کے بعد اس کے دل سے آواز نکلتی ہے۔ کیا میں اپنی طاقت سے اندرونی آنکھ کھول سکتا ہوں؟ کیا میں اپنے بوتے سے آگے قدم بڑھا سکتا ہوں؟ کیا میں اپنی طاقت سے آنکھ، ناک، کان بند رکھ سکتا ہوں۔

علمائے ظواہر کی طرف سے ان سوالوں کا جواب تو محض دو لفظی ہے۔ یعنی ہرگز نہیں۔ مگر علمائے باطن کا مژدہ سنو۔ اور صبر سے سنو۔ اس میں تمہاری بہبودی مضمر ہے۔ اس کے سمجھ لینے سے تمہارے دل کے سب وسوسے دور ہو جائینگے۔ اور تمہاری سمجھ میں آجائے گا کہ آئندہ کیا کرنا چاہیئے۔ اور اس پر عمل کرنے سے تم بہت جلد اپنی حقیقت کو پہچان کر شاہراہِ حقیقت پر گامزن نظر آؤ گے۔ توجہ

جب انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔ تو کیا اپنے لئے کوئی بندوبست کر کے آتا ہے؟ ہرگز نہیں سب انتظام قدرت ہی کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ماں باپ کے دل میں بچہ کی خواہش و محبت قدرت ہی پیدا کرتی ہے۔ بچہ کی پر[ورش کے لئے] ماں کے خون کو قدرت ہی دودھ بناتی ہے۔ بچہ کے چلنے پھرنے کھیلنے کودنے کے [illegible] سانس لینے کے لئے ہوا۔ دیکھنے بھالنے کے لئے روشنی کا بندوبست بھی قدرت ہی [illegible] باپ دو فرشتے ہیں جو قدرت کی جانب سے اس غرض سے متعین ہیں کہ [illegible] رہا ہیں۔ اور انسان بنائیں۔ یہ سب سہولتیں اور امداد کیا

پاکر ہی بچہ انسان بنتا ہے۔ اگر قدرت کی طرف سے ایسا مکمل انتظام نہ ہو تو اول تو بچے اس دنیا میں قدم رکھتے ہی نہ پائیں اور اگر کوئی بچہ قدم رکھ بھی لے۔ تو وہ بھوک کا شکار یا کسی بیماری کے جراثیم کا شکار ہو کر یا کسی درندہ کا نوالہ بن کر ملکِ عدم کی واپسی کا سفر اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اور اگر بالفرض کوئی بچہ ان حادثات سے زندہ بچ بھی جائے۔ تو بلا قدرت کے سامان روشنی۔ آگ۔ پانی۔ مٹی۔ لکڑی۔ لوہے وغیرہ کو استعمال میں لائے بغیر زندگی کا کیا لطف اٹھائیگا؟

واضح ہو کہ پروردگارِ عالم نے جیسے عالمِ ارواح کے اِس زمین پر جسمِ انسانی اختیار کرنے اور اس سے مستفیض ہونے کے لئے اپنی قدرت سے سب ضروری سامان مہیا فرمائے ہیں۔ ایسے ہی ان کے دوسرے عالم میں رسائی اور انسانی جسم سے بہتر جسم حاصل کرنے کے لئے بھی اسباب بہم پہنچائے ہیں چونکہ اس دنیا میں مادّہ کا غلبہ ہے۔ اس لئے اس کی طرف سے یہ انتظام ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً دنیا میں اس قسم کی ارواح کی آمد ہوتی ہے جو معمولی ارواح کے مقابلہ میں بہت زیادہ روحانی ہوتی ہیں جن پر مادہ کا غلبہ نہیں ہو سکتے ایسی ارواح دنیا میں تشریف لا کر انسانوں کی توجہ دنیا کی بے ثباتی و بے حقیقتی کی طرف مبذول کراتی ہیں اور انھیں درجاتِ علوی حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ جو لوگ ان کے کلام اور تلقین پر یقین کرتے ہیں۔ وہ انھیں جسمِ انسانی کے اندر پوشیدہ قوتوں کے راز۔ اور ان کے بیدار کرنے کی ترکیب بتلا کر سب تعلیم دیتی ہیں۔ جیسے ماں بچہ کو چٹکی بجا کر توجہ قائم کرنا۔ ہاتھ پکڑ کر اٹھنا۔ بیٹھنا۔ اور چلنا پھرنا سکھاتی ہے۔ اور جیسے ماں باپ بچہ کو تربیت دیکر آئے ایک دن اپنا سا انسان بنا لیتے ہیں ایسے ہی وہ اپنے روحانی بچوں کو اپنی روحانی مدد سے باطن میں توجہ قائم کرنا۔ چلنا پھرنا۔ چڑھنا اترنا۔ یعنی سانس کے ذریعہ سے آمد و رفت عروج و نزول سکھاتے ہیں۔ اور جیسے تربیت دیکر آئے ایکدن اپنا سا انسان بنا لیتے ہیں۔ ایسے ہی وہ ان [illegible] کو ایکدن اپنی طرح ہر قسم کی قیدوں سے آزاد پوری طرح بیدار۔ اور ازلی وطن میں واپس [illegible] اپنی طرح بنا کر روحانیت کی اعلیٰ منزل پر پہنچاتی ہیں۔ یہی ارواح رسول۔ نبی پیغمبر اولیاء۔ [illegible] رشی۔ منی۔ سادھو۔ سنت مہاتما کے ناموں سے موسوم ہیں۔ یہ ارواح وہ مقدس ارواح [illegible] سے دنیا میں ظہور

مستحق ارواح کو سنبھالنے اور انھیں علوی عوالم میں پہنچانے اور ایک اصلی روحانی صورت رونما ہونے پر صفات باری کے حضور میں باریاب کرانے کے لئے مامور ہوتے ہیں۔ اس زمانہ میں چونکہ علم و فن کا بہت زور ہے اور اس کی مدد سے انسان نے بہت سی قدرت کی طاقتوں مثلاً آگ بجلی کو قابو میں کر لیا ہے اس لئے اکثر لوگوں کا گمان ہے کہ فقراء اور اولیا کی روحانی مساعی اور علوی مقامات کی نسبت جو کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ سب لغو ہے۔ کیونکہ وہ لوگ نہ تو اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ نہ علوم متداولہ سے آشنا تھے۔ ان کے نزدیک اگر طاقت ہے تو سائنس میں ہے۔ اگر تحصیل کے قابل کوئی علم ہے تو سائنس ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ بزرگوں کے پیروؤں نے کچھ جوش عقیدت اور کچھ نافہمی سے ان کے متعلق ایسی بعید از عقل کرامتیں مشہور کر رکھی ہیں جن کا نقص پکڑ لینا آجکل کے تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے ایک معمولی بات ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دن بدن پیشواؤں سے لوگوں کا عقیدہ کم ہو رہا ہے۔ اور فقراء اور اولیا اور علم روحانی دنیا میں بدنام ہیں۔ اس کے علاوہ خود غرضوں اور سیاہ دلوں نے بزرگان دین کا ظاہری لباس وضع اختیار کر کے ایسا طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے کہ سچے مذہب کے عاشقوں کے لئے خالق زمین کا نام تک زبان سے نکالنا دشوار ہو رہا ہے۔ نیز اکثر لوگ دیگر ممالک کے علماء کی ایسی تصانیف پڑھ کر جن میں در اصل دین عیسوی کی بگاڑی ہوئی تعلیم پر حرف گیری کی گئی ہے۔ مذہب اور خدا ہی سے متنفر ہو رہے ہیں۔ انھیں یہ خیال نہیں آتا کہ ان علماء کا اعتراض مذہب کے متعلق اس خاص تعلیم کی بنا پر ہے جو انھوں نے اپنے ملک میں پادری صاحبان کے توسط سے حاصل کی ہے۔ اور یہ کہ پادریوں کی غلط سلط باتوں کے لئے حضرت مسیح و خدا کو دو سردار گرداننا کیونکر جائز و درست ہو سکتا ہے اس لئے تصوف ہر شوقین سلامتی کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ بزرگان دین کی سوانح عمریوں اور واعظان مذہب کے ظاہری لباس کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔ [illegible] پیشواؤں کی ذاتی تلقین اور ان کی رفتار و گفتار کی جانب رکھیں۔ ہر مذہب میں دو قسم [illegible] ہیں۔ (۱) ضروری (۲) غیر ضروری۔ ضروری باتوں کے متعلق جملہ بزرگان [illegible] ہے۔ یعنی سب ہی ان باتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ البتہ

غیر ضروری باتوں کی نسبت ان کی تلقینات میں اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ وجہ یہ کہ ہر ایک بزرگ اپنے وقت میں کچھ ایسی باتیں رائج کرتا ہے جو زمانہ اور ملک کی ضروریات سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور ان کا مذہب یعنی روحانی تلقین سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً روزہ کا رکھنا تندرستی نیز ذکر و فکر کے وقت طبیعت کی موزونی کے لئے ایک نہایت مفید عمل ہے۔ مسلمان آنحضرت صلعم کی تعلیم کے زیر اثر روزہ کے پابند ہیں۔ (کیونکہ روزہ ان پر فرض ہے) اور چونکہ عرب میں کھجور کا پھل عام ہوتا ہے۔ اس لئے اس ملک میں روزہ افطار کرنے کے لئے خشک کھجور کا استعمال مروج ہوا۔ لیکن اگر کسی ایسے ملک کے باشندے جہاں کھجور دستیاب نہیں ہوتی اس بات پر زور دیں کہ روزہ رکھنا تب ہی درست ہوگا جب اس کے افطار کے لئے خشک کھجور استعمال کی جائیں تو یہ مذہب کی ایک غیر ضروری بات کو غیر ضروری اہمیت دینا ہے۔ اس لئے ہر متلاشی کو چاہیئے کہ ضروری و غیر ضروری باتوں میں تمیز کرے۔ اور بزرگان دین کی اپنے کلام میں فرمائی ہوئی باتوں پر غور کرے۔ ان کی اور ان کی تعلیم کی نسبت رائے قائم کرے۔ متلاشی کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ کسی رہنما کی پہچان کیونکر کرے۔ دنیا میں ہزاروں گندم نما جو فروش فقیر و ولی کہلاتے ہیں۔ اور سادہ لوحوں کو اپنے دام میں پھنسا کر پریشان کرتے ہیں۔ متلاشی سچے اور جھوٹے رہنماؤں میں تمیز کیونکر کرے؟ لیکن اس مشکل کا حل آسان و دشوار نہیں ہے جتنا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ متلاشی یاد رکھے کہ ریاکار رہنما ہمیشہ حریص دنیا ہوتا ہے۔ فقراء کا روپ کسی دنیوی غرض کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور سچا رہنما ہمیشہ اپنے مالک کے عشق میں محو اور دنیا سے بے نیاز رہتا ہے۔ اور رہنمائی کے فرائض محض اپنے محبوب کی خدمت کے طور پر ادا کرتا ہے۔ اس لئے اگر متلاشی اپنے مقصد یعنی تلاش حق پر جا رہے گا۔ تو اس کی محبت [illegible] دونوں میں ریاکار کے لئے وبال جان ہو جائے گی۔ برخلاف اس کے سچا رہبر اس کے [illegible] اپنی ضرورت کی زیادہ سے زیادہ قدر کرے گا۔ طالب کو اتنا خیال رکھنا چاہیئے کہ رہبر کی تلاش کے سلسلے میں [illegible] زی سے کام نہ لے۔ کیونکہ بسا اوقات فقراء و اولیاء اپنی روش میں [illegible] دیکھ کر دنیا دار گھبرا جاتے ہیں

اعمال کی صحبت سے دور رہیں۔ متلاشی کے لئے مناسب ہوگا کہ جہاں کہیں رہنما کی موجودگی کی اطلاع ملے نہایت ذوق و شوق سے دل کا پیالہ دنیاوی خواہشات کی آلائش سے پاک کر کے حاضر ہو۔ اور ہفتہ عشرہ ان کی صحبت میں رہکر دیکھے کہ اس کے پیالہ میں کیا چیز داخل ہوئی ہے۔ اگر ان کی صحبت کے اثر کا نتیجہ دنیا سے نفرت اور اپنے مالک کے دیدار کی تڑپ میں ترقی ہو تو یقین لائے کہ کسی صاحب کمال سے ملاقات ہوئی ہے۔ اور اگر نتیجہ برعکس ہو تو دامن جھاڑ کر اپنے گھر واپس جائے۔

شروع میں متلاشی کے لئے یہ پہچانیں کافی ہیں۔ رہنما کی اصلی اور پوری پہچان رفتہ رفتہ ہی آتی ہے کیونکہ جیسے کسی ماہر علم کی قابلیت کا اندازہ لگانے کے لئے اپنے اندر اس علم کی کسی قدر واقفیت لازمی ہے ایسے ہی فقرا و اولیاء کی اعلیٰ روحانیت کا اندازہ لگانے کے لئے بھی اپنے اندر کسی قدر روحانی بیداری ضروری ہے۔ ابتدائی آزمائش کے بعد متلاشی کو چاہیئے کہ ایک سعادت مند فرزند کی طرح ان کی خدمت میں مصروف ہو جائے۔ گوش ہوش سے ان کے کلام سنے اور وقت نکال کر ان پر غور کرے اور جب وہ مہربان ہو کر اسم اعظم یا کلمہ کے ذکر کی تعلیم سے بہرہ اندوز فرمائیں۔ تو دل و جان سے اسے قبول کرے۔ اور اس کے برکات سے مستفیض ہو۔ اس کی برکت سے دن بدن اس کی اندرونی صفائی ہوتی جائیگی اور وقتاً فوقتاً رہنما کی اعلیٰ روحانیت و فضل و کرم کے اندرونی تجربات حاصل ہو کر اسے مذہب کی دشوار گزار گھاٹیوں پر چڑھنے کی ہمت ہو جائے گی اور کچھ عرصہ کے بعد ہر قسم کے وسوسے اور فکر ہٹ کر اسے دنیا سے بے نیازی ہو جائے گی۔ اور عشق الٰہی کا سرور دل میں محسوس ہونے لگے گا۔ رہنما کے قدموں میں سچی محبت پیدا ہو کر ہر قسم کے دنیوی تعلقات سے نجات اور ذات باری سے زیادہ سے زیادہ نزدیکی حاصل ہوتی جائے گی۔ ایک دن آئیگا کہ اسے اپنی ذات اور رہنما کی ذات اور ذات مطلق کی ذات [illegible] نظر آئے گی۔ اور یہ وہ دن ہو گا۔ جب اسے اصلی رہنما کی پوری پہچان ہوگی

"سلطان الاذکار" [illegible] سرت شبد یوگ۔ یہ جو صوفیاء میں عمل شغل رائج ہے اس میں صوت سرمدی یعنی آواز [illegible] یعنی جو از پیدائش خلق سے قبل موجود تھی۔ اور خلق کے فنا ہو جانے کے بعد [illegible] کان موجود ہے۔ یہ آواز بے جہت ہے نہ

زیرو بالا ہے۔ نہ یمین و یسار ہے۔ اس آواز کی دریافت بہت مشکل ہے کیونکہ آوازیں تین قسم کی ہیں
ایک یہ کہ دو چیزوں کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اُن آوازوں کو آواز محدث اور مرکب کہتے
ہیں (یعنی آہت)، دوسری آواز جو بغیر حرکت دو چیزوں کے اور بغیر ترکیب الفاظ کے عنصر آتش
اور باو کے یا بلوں انسان سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس آواز کو بسیط اور لطیف یعنی اناہت کہتے ہیں
تیسرے ایک آواز مجید اور بے جہت ہے جس کو صوت سرمدی اور سر حق کہتے ہیں۔ یہ آواز ہوا میں خالی
حجرے میں، بانسوں میں، اور انبوہ خلائق میں ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ دف، ڈہل، اور نقارہ پر بھی غالب
آتی ہے۔ کیونکر غالب نہ ہو کہ یہ تمام آوازوں کی اصل ہے اور تمام آوازیں اسی سے ظاہر ہوتی ہیں۔
کسی وقت اور کسی حالت میں اس آواز کو دفعہ اور فنا نہیں۔ اور اکثر اہل شغل اس آواز کی دریافت
میں حیران رہتے ہیں بجز کاملین کے اور کسی کو اس آواز کی خبر نہیں۔ جبکہ یہ آواز ذات مطلق کی ہے
اور صفات کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ تو جب تک کہ صفات کو دور نہ کرے اس آواز سے مطلع ہوگا
چنانچہ مولانا روم قدس سرہ نے بھی فرمایا ہے ؎

بر لبش قفل است در دل رازہا — لب خموش و دل پُر از آوازہا

ہر شخص جانتا ہے کہ ہر قوت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، یعنی ظاہر و باطن۔ جب کوئی طاقت پوشیدہ
ہوتی ہے تو انسان کو اس کا کوئی علم نہیں ہو سکتا۔ وہ غیر متشکل ولا موسوم رہتی ہے۔ جب وہ کارکن
ہوتی ہے تب ہی انسان کو اس کا علم ہوتا ہے اور جب کوئی طاقت کارکن ہوتی ہے۔ اس کا پھیلاؤ
دائرہ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے یعنی اُن کی دہاریں چاروں طرف پھیل کر اپنا دائرہ بناتی ہیں
اور ایسی ہر دہار رواں رہتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جہاں کوئی طاقت کارکن ہے۔ وہاں آواز
کی دھن بھی موجود رہتی ہے۔ دیکھئے آفتاب کی شعاعوں کے ذریعہ [illegible] قوت شمسی کرہ ہوا میں بکھر کر
روئے زمین پر اترتی ہے اس سے بھی آواز پیدا ہوتی ہے۔ مگر [illegible] ہمارے کان [illegible] لطیف آواز سننے سے
قاصر ہیں۔ مگر یہ آواز ہوتی ضرور ہے۔ واضح ہو کہ نہ صرف [illegible] ہمارے تمام حواس کی پہنچ
کا دائرہ محدود ہے۔ دیکھو ہم اپنی آنکھوں سے [illegible] صاف دیکھتے ہیں

لیکن جب اس کا خوردبین سے امتحان کرتے ہیں تو اس کے اندر صد ہا جراثیم متحرک پاتے ہیں بعینہ ہمارے جسم میں مقیم قوت روحانی کی دھاروں سے متعدد دھنیں پیدا ہوتی ہیں جنھیں ہمارے کان سننے سے قاصر ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص شغل کر کے اپنی لطیف روحانی قوت سامعہ پیدا کرے تو اس کے ذریعہ اسے ضرور لطیف و روحانی آوازوں کا تجربہ حاصل ہوگا۔ اسی اصول کے مطابق مشرب سلطان الاذکار کا پیرو ان روحانی قوتوں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہے جب کسی شاغل کو یہ آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں تو اس کے اندر نمایاں تبدیلی رونما ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک قانون قدرت ہے۔ کہ ہر آواز اپنے مخزن کا اثر لئے رہتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی عورت کی چیخ و پکار سن کر ہمیں فوراً محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہے۔ بیٹے کی موت پر ماں کی گریہ وزاری سنتے ہی ہم سمجھ جاتے ہیں کہ اس کے دل پر کوئی صدمہ عظیم پہنچا ہے۔ اسی طرح وہ لطیف روحانی آوازیں جو شاغل سلطان الاذکار کو باطن میں سنائی دیتی ہیں۔ اپنے پیدائشی مقامات کے اوصاف کا اثر لئے ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان آوازوں کے ساتھ تعلق ہوتے ہی شاغل کے اندر ان تمام آوازوں کے پیدائشی مقامات کے اوصاف کا اثر سرایت کر جاتا ہے اور اسے یکلخت ایک عجیب قسم کا سکون اور صفائی قلب حاصل ہوتی ہے۔ اور کچھ عرصہ گذرنے پر علوی اصوات کے زیر اثر اس کے روحانی حواس بیدار ہونے پر آسے روحانی کائنات نظر آنے لگتی ہے جس سے اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

ہمارا جسم انسانی بظاہر محض پوست گوشت و استخوان کا پلندہ ہے۔ مگر صانع حقیقی نے اس کے اندر مختلف الانواع علوم [illegible] قوتیں رکھے ہیں۔ جسم کے ان مقامات کو جہاں ان باطنی قوتوں کے مرکز قائم کئے گئے [illegible] لطائف کہتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حالت بیداری میں انسان کی سمجھنے بوجھنے دیکھنے سننے [illegible] حرکات اس کے اندر دماغ میں واقع مختلف مرکزوں کے کارکن ہونے پر [illegible] مرکز [illegible] صرف اسی قسم کی حرکتیں ظاہر کرنے کی قابلیت ہے۔ مگر [illegible] کہ ایک لطیفہ ایسا ہے جس کے جاری

ہونے پر انسان کو خدا کا ایسے ہی دو بدو دیدار ہوتا ہے۔ جیسے ان مادی آنکھوں کے بیدار ہونے پر مادی عالم کے آفتاب کا ہوتا ہے۔ جب آفتاب حقیقت صوفی کے بطون میں طلوع ہوتا ہے تو سالک بیاختہ کہنے لگتا ہے۔

اشعار

ذرہ ام لیکن ز مہرِ آنجناب — آفتابم آفتابم آفتاب
چو غلامِ آفتابم ہمہ آفتاب گویم — نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
خورشیدِ رخت چو گشت پیدا — ذرات دو کون شد ہویدا

اور ایک لطیفہ ایسا ہے جسکے جاری ہونے پر شاغل کو اعلیٰ روحانی یعنی مادی حدود سے بالا بے جہت لطیف جوہر کا تجربہ ہوتا ہے اور یہ امر مسلّمہ ہے کہ ان لطائف میں اعلیٰ ترین لطیفہ جاری ہونے پر انسان کو ذات مطلق کا بے پردہ دیدار ہو سکتا ہے۔ لہذا اس مشرب میں جو اشغال تعلیم دیئے جاتے ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ شاغل کی روح درجہ بدرجہ اندرون باطنی لطائف کو بیدار کر کے انسانی قالب کا پورے سے پورا فائدہ اٹھائے اور لطیف اور روحانی عوالم کی خلقت کا تجربہ حاصل کرے بالآخر خالق مطلق کے دیدار سے شرف اندوز ہو۔

یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ شغل سلطان الاذکار کا عمل ایسا آسان نہیں جیسا کہ مضمون ہذا سے ظاہر ہونے کا امکان ہے۔ نفس امارہ کی تحریک اور ناسوتی خیالات اس شغل کی کمائی میں بھی ویسے ہی مزاحم ہیں جیسے کہ دوسرے مختلف اشغال میں۔ مگر شاغل کی امداد کے لئے اس ضمن میں ایک خاص انتظام ہے۔ یعنی صوفیوں کے ہاں وہ ایسے طریقہ عمل سکھائے جاتے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ ان خللوں سے بہت کچھ نجات پا سکتا ہے۔ یہ ذکر و فکر کے عمل ہیں۔ ذکر کا مقصد اپنے باطن میں ایک خاص اسم اعظم کا ورد ہے۔ اور فکر کا باط[illegible] روحانی تشکل کا تصور۔

شاغل کو یہ بھی تلقین کی جاتی ہے کہ اپنے خورد و نوش [illegible] میانہ روی کا لحاظ رکھے۔ مسکرات اور گوشت وغیرہ اشیاء سے قطعاً پرہیز کرے [illegible] کہ جو غذا استعمال میں آئے حق و حلال کی کمائی سے حاصل کی ہوئی [illegible] میں نہ بہت زیادہ

نہ اتنی کم کہ دن بھر کھانے کی چیزوں کے خواب آتے رہیں۔ اور جسم کمزور ہو جائے۔ علاوہ بریں اسے دنیکی غیر ضروری الجھنوں سے بھی کنارہ کش رہنا ہوگا۔ اور مذموم صحبت سے تو اسے سخت گریز کرنا ہوگا مناسب ہے کہ امور متعلقہ زندگی سے فارغ ہونے پر جو وقت بچے اُسے یا تو اندرونی شغل کی کمائی میں لگائے یا فقراء و عاشقان مولیٰ کی صحبت یا اولیاء کی مقدس تصانیف کے مطالعہ میں صرف کرے تاکہ نفس کو ناپاک و متحرک ہونے کا کم موقع ملے۔ ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے سے سالک کا کام چل نکلتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ نئی روحانی طاقت حاصل ہونے پر اس کی جملہ مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک دن اس کی روح آواز کی ڈور پکڑ کر ذات مطلق سے متحد ہو جاتی ہے۔

خدائے برحق

"خدا ہے" یہ یقین اس رسوخ سے انسان کے دل میں جاگزیں ہے۔ اور یہ عقیدہ ایسا قدیم و عالمگیر ہے کہ ہمیں خواہ مخواہ اس فاضل فلسفی (رومی فلاک) کی داد دینی پڑتی ہے جس نے انسان کی تعریف قائم کرتے ہوئے اُسے اوّل نوع متلاشی حق مخلوق قرار دیا۔ ہر چند یہ صحیح ہے کہ سب انسان خدا کی نسبت یکساں خیال نہیں رکھتے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک اعلیٰ و بالاترین پوشیدہ قوت یا لامعلوم کہربائی عنصر کی موجودگی کے متعلق اعلیٰ و ادنیٰ ہر طبقہ کے انسان متفق الرائے ہیں۔ کیا روشن دماغ سائنسدان و فاضل فلسفی جنھیں انگلستان کی رائل سوسائٹی جیسے نامی اداروں میں دخل ہے اور جن کی زندگی کا بیشتر حصہ دقیق و عمیق مسائل کی چھان بین ہی میں [illegible] ہوتا ہے۔ اور کیا جنوبی افریقہ کے وہ پست قامت بلو شین جو ایسے تنگ و تاریک جنگلوں [illegible] بود و باش رکھتے ہیں جہاں زمانہ حال کی تہذیب کی شعاع اب تک نہیں پہنچ سکی۔ اور [illegible] [illegible] اپنے وقت کا [illegible] حصہ محض شکم پری کے متعلق دھندوں میں صرف کرتے [illegible] [illegible] جب ان کا دل اس بالاترین پوشیدہ

قوت کے جلال کے سامنے سربسجود ہونے کی آرزو کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ ان جنگلیوں کو ذات باری کی ان صفات کی کوئی سمجھ نہیں ہو، جو مہذب انسانوں نے قرار دی ہیں۔ لیکن اس امر کا انھیں احساس ضرور ہے کہ ان کی زندگی، آسائش اور خورش اور پوشش کا انتظام کسی غیبی قوت کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ ہم لوگ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔ جو روحانیت اور حقانیت کا معمور ہے۔ اس لئے ہمیں موقع ہے۔ کہ اپنے ان سادہ لوح بھائیوں کے روبرو جو ہم جیسے خوش نصیب نہیں ہیں خیالات کا مذاق اڑائیں۔ بہرکیف ہمیں تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ بھائیوں کے سادہ دلوں میں بھی طلب حق اسی پیمانہ میں مضمر ہے جیسی کہ ہمارے دلوں میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہرچند انسان کو مخلوقات میں نہایت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ لیکن تاہم اس کے اندر فطرت حیوانی غالب ہے۔ اس لئے جب کبھی کسی وجہ سے اس کی فطرت حیوانی کی کارروائیاں مسدود یا کمزور ہو جاتی ہیں تو اسکی روحانی فطرت زور دکھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نامہذب افراد جن کی زندگی کا بیشتر حصہ شکم پروری کے کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ نیز مہذب اصحاب جن کے ضمیر ہمیشہ دنیاوی خواہشات سے گرانبار رہتے ہیں معبود برحق کی جانب اسی وقت مخاطب ہوتے ہیں جب کسی جسمانی تکلیف خوف حسرت یا کسی دوسری وجہ سے ان کے نفس کی آزادانہ حرکت یک گونہ ساکن ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سالکین اور شاغلین روحانی شغل کے ذریعہ اپنے نفس و حواس کو پورے طور سے حالت سکون میں لاکر علی التواتر خدا کا تصور کر سکتے ہیں۔ سطور بالا قلم بند کرتے وقت ہم اس امر واقع کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ دنیا میں ہمیشہ ہزاروں ایسے انسان موجود رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو خدا کی ہستی کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ اس مختصر تحریر میں یہ ناممکنات سے ہے کہ ان کی بے اعتقادی کے وجوہ کی چھان بین کی جا سکے یا ان کے خیالات کے [illegible] و نقائص کا بیان ہو سکے مگر اس قدر ضرور گذارش کیا جا سکتا ہے۔ کہ زیادہ تر اصحاب [illegible] ہستی سے انکار کا باعث یہ ہو کہ وہ خدا کو اس صورت و ڈھنگ سے دیکھنا و محسوس [illegible] رہے ہیں جس صورت و ڈھنگ سے وہ دنیوی اشیا کو جن کی [illegible] دیکھنے کے [illegible] رہے ہیں، لیکن یہ پوزیشن

اختیار کرنے پر وہ فرض کرتے ہیں کہ دنیا میں فقط انھیں اشیار کا وجود قائم ہے جن تک ظاہری
حواس خمسہ کی پہنچ محدود ہے۔ اور ہر حس کا دائرہ عمل مخصوص ہے۔ انھیں یہ علم نہیں
کہ ان کے وجود کے اندر کچھ اور بھی قوتیں پوشیدہ ہیں جو فی الحال خفتہ ہیں۔ مگر جو حواس خمسہ کی
قوتوں کے مقابلہ میں کہیں افضل ہیں۔ ایسے اصحاب کا علم حواس خمسہ کے تجربات اور ان کی بنیاد
پر قائم اور دلائل عقلی پر موقوف رہتا ہے۔ اور علم باطن کی روحانیت سے وہ قطعی بے بہرہ ہوتے ہیں

تصوف سکھاتا ہے کہ انسان کے لئے خدائے برحق کا دیدار ویسا ہی ممکن ہے جیسا کہ آنکھ
والے کیلئے سورج کا جلوہ دیکھ لینا۔ مگر اس کے لئے اول ہیں اس چشم باطن کا پتہ لگانا ہوگا جس
کے ذریعہ خدا کا دیدار ہو سکتا ہے۔ اور پھر اسے بیدار کر کے ان نورانی شعاعوں کیساتھ وابستہ کرنا
ہوگا۔ جو کل موجودات کی جان ہیں۔ عام لوگ اس حس کا ذکر تو کرتے ہیں۔ اور اس کو چشم باطن
لقطہ سویدا۔ و چشم تحیر وغیرہ ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ مگر معدودے چند ہی ایسے ہیں جو منعم
حقیقی کے اس افضل ترین عطیہ کے استعمال سے باخبر ہیں یا اس کی قدر کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے
کہ نفس امارہ کی سفلی یا بیرونی حرکات ایسی زور آور ہیں۔ کہ بہتوں کو وہ ابتدائی شغل تک ناممکن
العمل معلوم ہوتا ہے۔ جو انسان کی روحانی طاقت کو سلب ہونے سے محفوظ رکھکر اسے دیدار حق
کے اہل بنانے کے لئے ضروری ہے۔ واضح ہو کہ جس طرح سورج کی منتشر شعاعیں آتشی شیشہ کے
وسطی نقطہ پر مجتمع ہو کر شہ زور ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی روحانی اشغال کے عمل سے جسم انسانی میں
دریائے روحانیت کی معمولی لہروں کا اندرونی مرکز پر اجتماع ہونے سے وہ بجانیت زور آور ہو جاتی
ہیں۔ اور جب شاغل مرکز مخصوص [illegible] پر کافی مقدار میں یکسوئی توجہ حاصل کرنیکا اہل ہو جاتا ہے تو
اسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ [illegible] اندر تحصیل علم کی ایک نئی قوت بیدار ہو رہی ہے۔ بعد اُسا
نئی قوت کے ذریعہ آئے [illegible] احساسات ہوتے ہیں کہ اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ شغل
کامیابی کے ساتھ بڑھ رہا [illegible] پیدا ہو رہا ہے کہ اگلے روحانی مقام یا مرکز کی طرف
قدم بڑھائے۔ ہر [illegible] اور ادراک نمودار ہوتی ہو

جو پہلے مرکز کی قوتِ ادراک سے قطعی مختلف اور افضل ہوتی ہے اور یہ تجربہ حاصل ہونے پر وہ محسوس کرتا ہے کہ نئی منزل پر رسائی افضل تر و بیشتر روحانی شخصیت کی بیداری کا موجب ہو رہی ہے۔ بالآخر ایک دن یہ نوبت آجاتی ہے۔ کہ اس کے اندر وہ روحانی مرکز بیدار ہوجاتا ہے۔ جس کے ذریعہ دیدارِ حق ممکن ہو۔

ہمارے ہر حس کے ذمہ ایک مخصوص کام ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر حس میں پانچ امہات عناصر یعنی حواس خمسہ میں سے جو خمسہ عناصر کی لطیف اشکال ہیں۔ ایک اہم عناصر مقیم ہے۔ مثلاً آنکھ میں آتش یا نور کی اہم عناصر رکھی ہے۔ اس لئے ہم آنکھوں کے ذریعہ صرف روشنی یا اشکال ہی کو دیکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح اس مرکز میں جس کے ذریعہ دیدارِ حق حاصل ہوتا ہے۔ روح کی نہایت لطیف شکل عنصر مقیم ہے۔ اور اس مرکز کے بیدار ہوجانے پر جب اس کا کل روحانیت کے مخزن (یعنی) خداوند تعالےٰ سے رونما ہونے والی کسی روحانی لہر کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ تو فی الفور اس مرکز میں حرکت پیدا ہو کر ذاتِ حق کا اس طرح دیدار ہوجاتا ہے۔ جس طرح ظاہری آنکھوں کی معرفت آفتاب کی شعاعوں کے ذریعہ آفتاب کا دیدار ہوجاتا ہے۔

اور قرآن شریف کے مضامین سے بھی رہبر کی تلاش کرنی واجب بلکہ فرض ہے۔ چنانچہ پروردگار عالم کلام اللہ شریف میں ارشاد فرماتا ہے۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ وَجَاهِدُوا فِی سَبِیلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (ترجمہ) اے ایمان والو! اور اے متقیو! اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ پھر مجاہدہ کرو۔ بیشک تم فلاح پاؤ گے“۔

آیت مندرجہ عنوان میں جو وسیلہ کا لفظ ارشاد ہوا ہے۔ اس میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے۔ بعض علمائے ظواہر وسیلہ سے نبی اکرم صلعم مراد لیتے ہیں۔ [illegible] محض ان کی ذاتی رائے ہے۔ مگر علمائے تصوف یعنی صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم [illegible] وسیلہ سے پیر و مرشد مراد لیتے ہیں۔ اس جگہ رہبر ہی کے معنے صادق آتے ہیں۔ [illegible] سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں لفظ [illegible] [illegible] ہی مراد ہیں۔

اوّل یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس آیۂ مبارک میں پروردگارِ عالم کن لوگوں سے مخاطب ہے۔ تو ہر منصف مزاج سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی مخاطبت ایمان والوں سے ہے۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آمنو میں اس وقت تک کسی شخص کا شمار ہو ہی نہیں سکتا جب تک جناب سرورِ کائنات علیہ السلام کو اپنا وسیلہ ...... نہ گردانے۔ دوسرے یہ گمان ہو سکتا تھا کہ وسیلہ سے شاید پرہیزگاری اور نیکوکاری مراد ہو گی۔ لیکن ذات باری نے اس کو بھی واتقوا اللہ کہکر صاف کر دیا ہے۔ یعنی آمنوا سے ایمان والو اور واتقوا اللہ سے اتقا کرنے والوں سے مخاطب ہے۔ لہٰذا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَ اتَّقُوا اللہَ کے صاف معنے یہی ہیں کہ اے ایمان والو۔ اور اے پرہیزگارو۔ وابتغو۔ وسیلہ تلاش کرو یعنی پیرومرشد کو تلاش کرو جو حصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ پس وابتغوا امر ہے۔ اور امر بھی صاف وجوب کے معنے دے رہا ہے۔ یعنی ہر ایمان والے پر پیرومرشد کی تلاش واجب ہے۔ نہیں نہیں بلکہ فرض ہے۔ کیونکہ یہ نص قرآنی ہے پس اس میں تاویل کی گنجائش باقی نہیں۔ پس قرآن شریف کی اس آیت مبارکہ سے بھی پیرومرشد کی ضرورت اور اس کی تلاش فرض ہے۔

بیعت

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللہَ یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ ترجمہ: اے محمد جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ تحقیق اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہے۔ بیعت کی چار قسمیں ہیں (۱) بیعت اسلام (۲) بیعت جہاد (۳) بیعت طریقت یعنی اپنی پہچان کے ذریعہ سے اللہ [illegible] ات والارض کا اسی دنیا میں مشاہدہ (۴) بیعت تقویٰ۔

بیعت اسلام۔ اسلام قبول [illegible] وقت لی جاتی ہے اور فرض ہے۔ بیعت جہاد نبی اکرم صلعم اور صحابہ کرام جہاد کے وقت [illegible] نت سے بیعت طریقت [illegible] قت کے طالب سے لی جاتی ہے۔ اور [illegible] ور بعض اوقات

اس طرح یہ بیعت لی ہے کہ سب سے پہلے کسی ظرف میں پانی منگوا کر حضور اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر نکال لیتے تھے۔ اس کے بعد اس عورت کو جو بیعت ہونا چاہتی تھی، حکم فرماتے کہ اپنا ہاتھ پانی میں ڈالو پس عورت کو اس احتیاط کے ساتھ بیعت فرماتے تھے۔ (از صحیحین) لہٰذا بیعت طریقت واجب ہے۔ بعض بزرگان دین اس بیعت کو فرض کہتے ہیں۔ اور استدلال میں یہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (ابن ماجہ) (ترجمہ: جو شخص بلا بیعت کے ہوئے مرا وہ جہالت کی موت مرا۔) طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ (صحیح بخاری) (طلب کرنا علم الٰہی کا، ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ بیعت طریقت سنت مؤکدہ ہے۔ مگر خدا کے چاہنے والوں کے لئے فرض ہے۔ بیعت توبہ جب کوئی اپنے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ اس سے بیعت استغفار لی جاتی ہے۔ اور یہ مستحب ہے۔

آداب شیخ

(۱) جب مرید اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو تو۔ ہر وقت شیخ کے جمال پر نظر رکھے۔ اور عاشق کی طرح اس کا منہ تکتا رہے۔ یا اگر کھڑا ہے تو اپنے پیروں پر نظر رکھے۔ اور جب تک شیخ حکم نہ دے کھڑا رہے۔ جب حکم ملے تو بیٹھے۔ اگر بیٹھے تو اپنے سینے پر نظر رکھے۔ (۲) شیخ کے سامنے اور کسی سے بات چیت نہ کرے شیخ کے روبرو وظائف نہ پڑھے۔ (۳) جب شیخ کے سامنے حاضر ہو تو اپنا سر سر زمین پر رکھے۔ کیونکہ تمام خواجگان کا یہی دستور تھا۔ اور اب تک سلسلہ میں جاری ہے۔ (۴) اگر مرید کوئی چیز لایا ہے تو سامنے ادب سے رکھ دے۔ اور اگر وہ تبرک نقدی لایا ہے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر شیخ کے روبرو نہایت ادب سے پیش کرے۔ (۵) مرید کو چاہیئے کہ شیخ کے پیشہ اور اس کی ظاہری حالت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ بلکہ اس کی روحانی وجاہت اور فیضان کو مدنظر رکھے جو اللہ برتر نے اسے عطا [illegible] اور وجاہت کچھ نہ ہو

تو اسے حقیر نہ جانے۔ بلکہ آخرت کا غنی اور معرفت کا بادشاہ سمجھے۔ (۷) زمانہ بھر میں کسی کو اپنے شیخ کی برابر نہ تصور کرے۔ اگر کسی کو مثل شیخ سمجھے گا تو بھی مشرک ٹھیرے گا۔ (۸) ہر مرید کمال صدق ویقین کے ساتھ حاضر و غائب اپنے شیخ کا تابع فرمان رہے۔ تاکہ اس کی نورانی شعاعیں مرید کے دل کو جگمگادیں۔ اور انوار الٰہی کا مشاہدہ کرے۔ ورنہ تمام عمر محروم رہے گا۔ (۹) مرشد سے نہایت ادب کے ساتھ باآہستگی مختصر کلام کرے اور وہ بھی نہایت ضروری۔ قصہ ہائے دراز اور غیر ضروری باتیں ہرگز نہ کرے۔ (۱۰) مرید کو چاہیئے کہ کوئی کلمہ اپنی زبان سے ایسا نہ نکالے کہ جس سے مرشد کی کسی پہلو سے سبکی یا حقارت کی طرف خیال منتقل ہو سکے۔ (۱۱) نہ کسی اور سے اپنے شیخ کی برائی کو سننا روا رکھے۔ (۱۲) شیخ جو کچھ فرمائے اسے غور سے سنے۔ اور تامل کرے تاکہ حقیقت کے نکات دل پر کھلیں۔ (۱۳) اگر شیخ سماع کے موقعہ پر اشارات کے ذریعہ سے کچھ تعلیم کرے تو ہمہ تن محو ہو کر اس پر غور کرے اور ہر اشارہ کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ حضرات اہل چشت کا سماع کے وقت ایک اشارہ طالب صادق کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے کہ دوسرے سلاسل کے طالب چالیس سالہ مجاہدات وریاضات سے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ (۱۴) اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ اپنے پیر کی طرف پشت نہ کرے۔ تاکہ قابل فیض و برکاتِ الٰہی ہو۔ (۱۵) شیخ کی آمد و رفت کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم دینا نہایت ضروری ہے۔ (۱۶) مقام نشست گاہ شیخ پر ہرگز نہ بیٹھے۔ (۱۷) جو ادب شیخ کے روبرو بجا لاتا ہے وہی پیچھے بھی بجالائے۔ مثلاً شیخ مرید کے ہاں تشریف لادیں اور جس مقام پر تشریف فرما ہوں اس مقام کا بھی احترام واجب ہے۔ (۱۸) شیخ کے برابر چلنا کمال بے ادبی ہے۔ اور اس کے سایہ پر قدم رکھنا نہایت گستاخی ہے۔ (۱۹) ہر دم مرشد کے حضور میں عاجزوں کی طرح دوزانوں ہو کر اور سر جھکا کر بیٹھے۔ اور ادھر ادھر نہ [illegible] ورنہ فیضان سے محروم رہے گا۔ (۲۰) مرشد کی طرف کبھی پاؤں نہ کرے۔ بلکہ اس کے مکان [illegible] مزار۔ اور شہر کی طرف بھی پاؤں نہ کرے۔ (۲۱) شیخ کے تمام اطوار اور افعال پر راست و صا[illegible] (۲۲) شیخ کے کسی فعل [illegible] کا شبہ یا اعتراض نہ کرے۔ اگر اتفاقیہ [illegible] سے توبہ کرے۔ اور

حضرت خضر اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے قصوں کی طرف جو قرآن میں ہیں محمول کرے۔ تاکہ ایمان درست ہو جائے۔ ورنہ دونوں جہان میں ٹھکانا نہیں رہے گا (۲۳) مرید کو چاہیے کہ اپنے پیر کے سوائے کسی دوسرے پیر کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (۲۴) مرید اپنے پیر کو معصوم نہ سمجھے اگر اس سے خلاف شرع بھی کوئی بات سرزد ہو تو اپنے اعتقاد میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دے۔ کیونکہ اگر پیر سے کوئی لغزش بھی ہو جائے تب بھی وہ درجہ ولایت سے نہیں گرتا۔ انبیاء علیہم السلام سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں۔ مگر وہ درجہ نبوت سے نہیں گرے۔ اور نبی کے نبی ہی رہے۔ اسی طرح لغزش سے توبہ کرتے ہی ولی اپنی ولایت پر قائم رہتا ہے۔ (۲۵) اکثر شیخ اپنے مریدوں کا امتحان لینے کی غرض سے اپنی عجیب عجیب صورتیں ظاہر کرتے ہیں تاکہ مریدوں کے عقیدہ کی جانچ ہو جائے۔ (۲۶) اگر ایک مرید نماز روزہ اذکار اور اشغال میں مشغول ہے۔ اور دوسرا شیخ کے مشاہدہ اور تصور میں تو یہ دوسرا ہی افضل ہے۔ کیونکہ اس نے اصل کام کو اختیار کیا ہے۔ (۲۷) اگر شیخ امرد یا کسی عورت پر مبتلا ہو جائے۔ تو مرید کو بد اعتقاد نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ پیر نے اسکے چہرہ میں تجلی ذات کا مشاہدہ کیا ہے اسلئے اس کا مبتلا ہو گیا ہے۔ نہ کہ امرد و عورت کا۔ کیونکہ بعض وقت عالم قدس میں ایک صورت نظر آتی ہے۔ اور پھر جب ویسی صورت دنیا میں آ کے دکھائی دیتی ہے تو وہ دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ لہذا مرشد لوگ دنیوی صورت کے مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ اسی صورت قدسی کے مبتلا ہو کر ذات اقدس کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ مگر ان باتوں میں پیر کا اتباع کرنا قطعی ناجائز ہے۔ اگر اس فعل میں مرید شیخ کا اتباع کرے گا تو برباد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اگر اتفاقاً کوئی مرید اس بلا میں گرفتار ہو جائے۔ تو شیخ کو چاہیے کہ فوراً اپنے مرید کی دستگیری کر کے اعلیٰ کی طرف تجاوز کرے۔ (۲۸) مرید کو امرد کی صحبت سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ خصوصاً اس امرد سے جو خوش رو ہو [illegible] اپنی قوم [illegible] حذر کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی مجلس میں ایسا [illegible] شامل ہو۔ تو وہاں [illegible] نہ جائے [illegible] تو واپس آئے۔ اور اگر واپس نہ آ سکے تو اپنی [illegible] خوش رو [illegible] امرد

اور عورت سب یکساں ہیں۔ انھیں سب کچھ زیبا ہے۔ (خلاصہ تصوف صفحہ ۵ مصنفہ حضرت گیسو دراز
بندہ نواز) (۲۹) شیخ کی صحبت کو صحبت رسول اللہ صلعم سمجھے اور تمام عبادات پر صحبت شیخ کو ترجیح
دے۔ اور جو کچھ شیخ تعلیم کرے اسے گوش ہوش سے سنے۔ یا جو کچھ نکات معرفت بیان فرمائے
یا اشارۃً سمجھائے۔ اسکے سمجھنے کی بیچ کوشش کرے۔ اور جو کچھ قصہ یا حکایت شیخ کی زبان سے
سنے اسے اپنی حالت سے مطابق کرے تاکہ فہم اور بصیرت زیادہ ہو۔ (۳۰) شیخ کی صحبت میں بیٹھکر
ہمہ وجوہ اسی کی طرف متوجہ رہے تاکہ عجیب و غریب مشاہدے پیش نظر ہوں۔ (۳۱) شیخ کی بغیر اجازت
کے کلام نہ کرے۔ تاکہ صاحب شعور ہو۔ (۳۲) پیر کی خدمت دل و جان اور ہاتھ پاؤں سے بجالائے
اور شکر کرے کہ پیر و مرشد کی عنایت سے اس خدمت کی مجھے توفیق عطا ہوئی ہے۔ (۳۳) ہر وقت
پیر کی درازی عمر کے لئے دعا کرتا رہے۔ اگرچہ مرید کی دعا سے کیا ہوتا ہے مگر اس بات سے مرید کے
خلوص کا پتہ چلتا ہے۔ (۳۴) ہر وقت پیر کا نام زبان پر جاری رکھے کیونکہ پیر کے نام میں بھی نہایت
انعامات ہیں۔ جیسے شعر

چھوڑ بیٹھے سب عمل حب کے مذاق ۔۔۔ پڑھتے یا محبوب یا محبوب ہیں

(۳۵) مرید کو چاہیئے کہ شیخ کی بلا اجازت کوئی کام نہ کرے۔ (۳۶) شیخ کی اولاد کا احترام واجب
سمجھے اور اس کے خویش و اقربا۔ بلکہ خادم کو بھی۔ دوسری مخلوق سے بھی برتر اور بزرگ جانے۔ اور ہمیشہ
مخلص اور عقیدت مندان کا رہے تاکہ اہل فضل اور عزت میں داخل ہو۔ (۳۷) شیخ کے دوست اور
محبوں کو دوست رکھے اور عزیز جانے۔ اور اس کے دشمنوں سے ہمیشہ بچتا رہے۔ (۳۸) پیر و مرشد
کے فرمودہ پر ہمیشہ عمل کرتا رہے۔ اور کسی حالت میں اسے نہ چھوڑے۔ (۳۹) شیخ کی صحبت اور حضوری
اگر میسر ہو تو اسے دونوں جہان کی ہر نعمت سے افضل جانے۔ بلکہ شیخ کی حضوری کو دوسری لذت
پر ترجیح دے تاکہ راہ وصل [illegible] دولت میسر ہو۔ (۴۰) شیخ کی شفقت اور رحمت پر مغرور
نہ ہو۔ اس کی ہیبت و خوف [illegible] کا خیال رکھے۔ (۴۱) اگر شیخ [illegible] ظاہری صورت اور
ظاہری حالت [illegible] نہ آنے دے۔ بلکہ

دل وجان سے اس کا اخلاص مند بنا رہے۔ ورنہ بدگمان مرید ہمیشہ تعزلات اور ہلاکت میں پڑا رہےگا۔ اور کبھی اسے خلاصی حاصل نہ ہوگی۔ (۴۲) مرید کو چاہیے کہ شیخ کے آگے اور پیچھے یکساں رہے اور کسی طرح ریاکاری کو دخل نہ دیوے۔ تاکہ دولت سرمدی پاوے۔ (۴۳) مرید کو چاہیے کہ اپنا ظاہر باطن یکساں رکھے اور دل وزبان میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دے تاکہ دل منور ہو اور حقائق میسر ہوں (۴۴) شیخ کی خدمت اپنی طاقت اور حوصلہ کے موافق کرے۔ تاکہ طبیعت پر ملال نہ آنے پائے۔ اور جو کچھ میسر ہو دل وجان سے اس کے روبرو پیش کرے۔ (۴۵) شیخ کے سامنے اپنا فخر علمی وشیخی کبھی ظاہر نہ کرے اور دنیوی فوائد کا اس سے ہرگز طالب نہ ہو۔ تاکہ رحمت اور نعمت الٰہی سے محروم نہ رہنے پاوے (۴۶) جب مرید شیخ کی خدمت میں سے اٹھکر چلے تو اس کی طرف پشت نہ کرے۔ کیونکہ جس طرح دل شیخ کی طرف متوجہ ہے چہرہ بھی متوجہ رہے۔ جو شخص شیخ کی خدمت میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ اور کاروبار کے واسطے بار بار آمدورفت رکھتا ہے۔ اس سے ہر وقت یہ اہتمام نہ ہوسکیگا۔ مگر اس کو بھی اتنا ضرور چاہیے کہ پیر کے سامنے دو قدم الٹا چل کر پشت کرے پہلے ہی قدم میں پشت نہ کرنا چاہیے (۴۷) شیخ کے سامنے بیٹھکر اونگھا نہ کرے۔ اگر نیند کا غلبہ ہے تو اس کی نظر سے چھپکر کسی گوشہ میں سو رہے۔ شیخ کے سامنے ہر چیز کی تلاوت موقوف رکھے۔ اسی کے چہرہ کی تلاوت میں مشغول رہے بلکہ یہ سمجھے کہ۔ شعر

مصحف روئے تو ما را ہست قرآنے دگر　　　عاشقاں را دین دیگر ہست و ایمانے دگر

تاکہ مشاہدہ ذات نصیب ہونے لگے (۴۸) مرید کو اس بات کا یقین رکھنا چاہیے۔ کہ جس جگہ کوئی طالب صادق سینکڑوں برس کے ریاضت اور مجاہدوں [illegible] نہیں پہنچ سکتا۔ پیر ایک بات بلکہ ایک ادنیٰ اشارہ میں اس جگہ پہنچا سکتا ہے۔ (۴۹) مرید کو [illegible] کہ ہر وقت پیر کا نام ورد زبان رکھے۔ اور اس کے تصور کے لئے کوئی وقت مقرر نہ کرے۔ اپنی دانست وقت تصور شیخ سے خالی نہ رہے۔ (۵۰) مرید [illegible] سنت پیر کو غیب کے [illegible] رہ میں [illegible] وجود عنصری پر شیخ کی تجلی کا تصور کرے۔ اگر ایسا [illegible] ا اگر [illegible] ہی وہ وجود سامنے آجائے گا۔

(۵۱) مرید اپنے آپ کو ہمیشہ پیر کی حراست میں خیال کرے اگر اس شغل کی مداومت کریگا تو چند دن میں جدھر دیکھے گا پیر ہی پیر نظر آنے لگیگا۔ اور ایسی حالت ہو جائے گی کہ مرید اپنی زبان سے کہنے لگیگا۔ شعر

جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں تجھی کو نہاں اور عیاں دیکھتا ہوں

تصویر تو می بینم بر سر در و دیوارے (دیگر) اے پردہ نشیں گشتی رسوا سر بازارے

(۵۲) امور بشری میں ہر مرید اپنے پیر کو اپنے مثل بشر تصور کرے۔ اور امور الٰہی میں شیخ کو پیغمبر کی مثل جانے۔ (۵۳) پیر کی مجلس کو مرید مجلس حق تصور کرے۔ اور بغیر ضروری کام کے اس مجلس سے باہر نہ جائے۔ (۵۴) جب پیر مرید کی طرف دیکھے تو مرید اپنی نظر نیچی کرے۔ پیر کی آنکھوں سے کبھی آنکھیں نہ ملائے۔ اگرچہ پیر کا مرتبہ سمجھنا نہایت دشوار ہے۔ جس کو خدا توفیق دیتا ہے۔ وہی حقیقت شیخ کو جانتا ہے۔ لیکن رسمی مرید کو بھی کم سے کم اتنا اعتقاد رکھنا ضروری چاہیئے کہ پیر جو کچھ کرتا ہے خدا کے حکم سے کرتا ہے۔ (۵۵) اگر نماز کی جماعت تیار ہو۔ اور پیر کسی کام کا حکم دے۔ تو پہلے پیر کا حکم بجا لانا واجب ہے۔ کیونکہ جماعت دوبارہ بھی مل سکتی ہے۔ لیکن اس قضاء کی پیر ادا ناممکن ہے۔ (۵۶) امام مالک کا مذہب ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خدا کی جناب میں گستاخی کرے۔ تو اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ لیکن حضور سرور کائنات صلعم کی شان میں اگر کوئی شخص گستاخی کریگا تو وہ قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہو گی۔ اسی طرح شیخ بھی اپنے مریدوں کے گروہ میں بمنزلہ نبی کے سمجھا جاتا ہے۔ لہذا یہی احکام اس کے لئے بھی صادق آتے ہیں۔ (۵۷) جو شخص اشارۃً یا صراحۃً اپنے پیر کی توہین کرتا ہو تو تم کو اس سے قطعی بیزار ہو جانا چاہیئے۔ جیسے ... سے۔ اور محبان حضرت علی کرم اللہ وجہہ یزید سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی طرح تم کو اپنے ... ان سے نفرت کرنا چاہیئے۔ اگر تم اس سے نفرت نہ کرو گے تو بے غیرت کہلاؤ گے۔ (۵۸) ... گستاخ ... اپنا ... سمجھنا قطعی ... ہے۔ بلکہ درحقیقت مرید عاشق اور پیر معشوق ... میں شرک کہلاتا ہے

بلکہ اپنے تمام عزیز و اقارب اور اپنے جان و مال سے بھی زیادہ اپنے پیر سے محبت ہونی لازم ہے، ورنہ مومن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہے۔ کہ اے عمر! جس وقت تک تم کو اپنی جان سے زیادہ میری محبت نہ ہوگی مومن نہیں ہو سکتے۔ (۵۹) اگر کوئی مرید اپنے پیر کی خدمت میں کچھ صرف کرے اس کا شکریہ بجا لائے اور پیر کا اپنے اوپر احسان سمجھے۔ اور اگر پیر و مرشد مرید کی نذر قبول کرے، تو اس کو بھی شیخ کی عین عنایت سمجھے۔ (۶۰) جس مجاہدہ کا پیر حکم دے اس کو مرید نعمت تصور کرے۔ (۶۱) اگر پیر خوبصورت ہے اور مرید اس کے حسن ظاہری پر فریفتہ ہو جائے تو یہ اس کی بیحد خوش نصیبی ہے اور حصول الی اللہ کا راستہ بہت نزدیک ہے۔ اور شیخ توحید ہے

ہر کہ کردہ ذات مرشد را قبول
ہم خداوند آش آید ہم رسول

(۶۲) مبتدی مرید شیر خوار بچہ کی مانند ہے۔ اگر چہ شیخ سے جدا ہو گا ہلاک ہو جائے گا۔ (۶۳) مرید کو ہر حالت میں یہ کوشش کرنا چاہیئے۔ کہ پیر پر اس کا بار نہ پڑنے پائے۔ بلکہ پیر کا بار اٹھانے کی خود کوشش کرے۔ اور سمجھے کہ پیر جیسے دین کے معاملات میں اس کا محتاج نہیں اسی طرح دنیا کے معاملات میں بھی مستغنی ہے۔ (۶۴) شیخ کی خدمت میں کبھی خالی ہاتھ نہ جائے۔ کیونکہ جو خالی ہاتھ جائے گا خالی واپس آئیگا۔ اگر کچھ میسر نہ ہو تو دو چار پھول ہی پیر و مرشد کی نظر گذرانے۔ اور اگر پھول بھی نہ مل سکیں تو کسی درخت کی خوبصورت پتیاں ہی پیر کے سامنے پیش کرے۔ اگر مرید کی نذر یا ہدیہ شیخ قبول کرے، تو اس کو شیخ کی کمال مہربانی تصور کرے (۶۵) نماز پڑھنے میں اپنے شیخ کو دائیں یا اپنے آگے امام تصور کرے، یا [illegible] سجدہ کی جگہ، یا اپنے دل میں یا حاضر و ناظر خیال کرے، تو بھی اچھا ہے۔ (۶۶) تصور شیخ کی [illegible] یہ ہے کہ اپنے آپ کو شیخ کے روبرو حاضر تصور کرے، یا اپنے دل میں شیخ کا خیال جمائے [illegible] بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ شیخ کی صورت بنجائے [illegible] بیاختہ کہہ اٹھے

صورت میں [illegible] کسی [illegible] [illegible] چھپا ہوا ہے

صورت پہ میری تیری اگر نگہ نہ ہووے تو ‌ ‌ ‌ ‌ میرا نشان مجھ میں اے یار کیا رہا ہے

اس کو برزخ شیخ کہتے ہیں۔ اور یہی فقہ اور حدیث سے جائز ہے۔ لیکن خدا جسے درویش بنانا چاہتا ہے اس کو اس تصور کی توفیق عطا کرتا ہے۔ یہ تصور نہ مراقبہ ہے نہ مکاشفہ۔ بلکہ معائنہ اور مشاہدہ ہے۔ (۶۷) مرید خواہ کتنی ہی ریاضت و عبادت کرے اور خواہ کتنے ہی مجاہدے کرے مگر اپنی عبادت کو کبھی شمار میں نہ لائے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ (۶۸) مرید کو چاہیئے کہ پیر کی صحبت اور اس کے دیدار کو عبادت سمجھے۔ اپنے آپ کو بالکل اسی کے سپرد کر دے اپنی سعادت اس کی رضامندی میں جانے۔ (۶۹) پیر کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرے۔ ورنہ تمام اعمال صالحہ اس کے محو ہو جائینگے۔ (۷۰) مرید شیخ کے ہاتھ پر بک گیا تو اس کا رونگٹا رونگٹا بک چکا۔ اور وہ اپنی عقل و رائے کا بھی مالک نہ رہا۔ لہٰذا وہ اپنی رائے کو بھی شیخ کے حکم کے سامنے معطل جانے تاکہ اپنے نفس کا مرید نہ رہے۔ (۷۱) مرید کو چاہیئے کہ جو برتن خاص طور سے پیر کے استعمال میں رہتے ہوں انھیں اپنے استعمال میں نہ لائے۔ (۷۲) پیر کی جائے نماز پر کبھی پاؤں نہ رکھے۔ اور شیخ جس جگہ وضو کرے وہاں وضو نہ کرے۔ (۷۳) مرید کو چاہیئے کہ پیر کی بغیر اجازت کوئی ذکر و شغل یا ورد و وظائف اختیار نہ کرے۔ بلکہ جو کچھ شیخ بتائے اور جتنا بتائے۔ اتنے ہی کی مداومت کرے۔ کسی غیر کے بتائے ہوئے اذکار کی طرف کبھی متوجہ ہونا چاہیئے۔ (۷۴) پیر کی کسی ادنیٰ حرکت پر بھی اعتراض نہ کرے۔ ورنہ محروم رہ جائے گا۔ (۷۵) پیر و مرشد ظل رسول اللہ صلعم ہے۔ (۷۶) شیخ جمیع صفات محمدیہ کا منبع ہے۔ لہٰذا اس کے آداب میں شمہ بھر کمی نہ کرنی چاہیئے۔ (۷۷) پیر سے کسی کرامت کا ظہور نہ چاہے۔ یہ کام مومن کا نہیں ہے۔ البتہ کافر لوگ [illegible] انبیاء علیہم السلام سے معجزہ طلب کئے تھے۔ (۷۸) جو خطرہ قلب میں آوے فوراً پیر سے کہہ [illegible] (۷۹) اپنی کوئی بات پیر سے نہ چھپائے۔ (۸۰) کسی کو اپنے پیر پر ترجیح نہ دے۔ بلکہ کسی کو پیر [illegible] بھی [illegible] کے خلاف ہے۔ [illegible] اگر مرید کو بظاہر کسی اور بزرگ سے فیض پہنچے [illegible] اصل میں پیر ہی کا [illegible]

ذریعہ حصول ہے۔ اپنی کمی استعداد اور خطا فہمی کے سبب سے وہ اس فیضان کو دوسرے کی جانب سے سمجھتا ہے۔ (۴۲) اگر مرید نماز فرض ادا کر رہا ہو۔ اور شیخ پکارے تو بہ آواز بلند لبیک کہے اور نیت توڑ کر فوراً حاضر خدمت ہو۔ اس موقع پر حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک روز حضرت شیخ الاسلام والمسلمین یعنی حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مرید مولانا بدرالدین اسحاق کو آواز دی جو اس وقت نماز میں مشغول تھے انہوں نے حضرت بابا صاحب کی آواز سنتے ہی بلند آواز سے نماز ہی میں لبیک کہا۔ اور نماز کی نیت توڑ کر فوراً حاضر خدمت ہو گئے۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ رسول کریم صلعم کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک صحابی کو آواز دی وہ نماز میں مشغول تھے اس وجہ سے دیر ہوئی۔ جب حاضر خدمت ہوئے تو پوچھا کہ دیر کیوں ہوئی۔ عرض کیا کہ بندہ نماز میں مشغول تھا۔ فرمایا۔ جب رسول خدا بلائے تو فوراً جواب دینا چاہیے۔ بعد ازاں محبوب پاک نے فرمایا کہ شیخ کا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ (از فوائد الفوائد)

(۴۳) روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی مرید سے دریافت کیا۔ کہ کیا تم پیر کو انبیاء کے برابر جانتے ہو۔ اُس نے کہا عقیدہ تو جو کچھ ہے وہی ہے۔ مگر میں بزرگوں میں تفریق نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نبی کریم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ یعنی پیر اپنے مریدوں میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔ اور اس حدیث سے ہی جو کہ میں آگے بیان کرتا ہوں۔ اس میں بھی علماء کے لفظ سے علمائے تصوف کی طرف اشارہ ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ یعنی میری امت کے عالم بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہوں گے۔"

(۴۴) عوارف میں لکھا ہے اَلشَّیْخُ صُوْرَۃٌ یَتَشَکَّلُ [illegible] تُطَالِبُ الْاِلٰہِیَّۃِ یعنی تم کو جو کچھ خدا [illegible] طلب کرنا ہے شیخ [illegible] طلب [illegible] جو الٰہیت تم چاہتے ہو وہ شیخ کی صورت سے تم [illegible] رحمت [illegible] کے تمام [illegible] ہو۔ مثلاً لطف کرم

قہر و غضب۔ جلال و جمال۔ رد و قبول۔ ان سب کو شیخ ہی کی طرف سے سمجھو۔ (۵) ۱۰ جو شے پیر کی مدنظر ہو مرید کا اس پر نظر ڈالنا سخت بے ادبی ہے۔ اور گناہ عظیم ہے۔ بلکہ پیر کی بیویوں اور لونڈیوں کو بھی اپنی مائیں سمجھے۔ اگر پیر کا انتقال ہو جائے تو بھی اس کی منکوحہ سے نکاح قطعی حرام ہے۔

خلافت

(از سیرت نظامی ؒ مرحوم)

خلافت کے متعلق بھی کچھ توضیح اور تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ لہذا گذارش ہے کہ جوامع الکلم میں لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم سے خلافت دو طرح پر جاری ہوئی ہے۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ ظاہری خلافت کو صغریٰ اور باطنی کو کبریٰ کہتے ہیں۔ خلافت ظاہری تو امور دنیوی اور انتظام ملکی سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اُمت کے بہت سے افراد کو ملتی چلی آئی ہے۔ اور بعد جناب رسالتمآب صلعم کے حضرت ابوبکر صدیقؓ، پھر حضرت عمر فاروقؓ، پھر حضرت عثمان غنیؓ، پھر جناب مولا علی رضی اللہ عنہم امور ظاہری کی انجام دہی کے واسطے تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ مگر خلافت باطنی خاص جناب امیر علیہ السلام یعنی مولا علیؓ کے حصہ میں آئی۔ چونکہ جناب رسالتمآب صلعم کو حکم تھا۔ کہ راز باطنی بلا طلب کسی شخص پر ظاہر نہ کریں۔ اس وجہ سے آنحضرت کو بے حد فکر اور قلق رہتا تھا۔ کہ جو آتا ہے ظاہری مسائل کا سوال کرتا ہے۔ اتنی مدت ہوگئی۔ مگر آجتک راز باطن کا کوئی طالب صادق اس وقت تک نہیں آتا۔ شاید یہ راز قبر میں اپنے ساتھ ہی لیجاؤں گا۔ (لہذا صوفیہ کرام میں اجتک یہی سنت جاری ہے۔ کہ وہ بجز طالبان صادق کے کسی پر اسرار باطن کو ظاہر نہیں کرتے) الغرض ایک روز جناب مولا علیؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ کے دل میں اس بارے میں غیبی خیال پیدا ہوا۔ کہ ہم نے آنحضرت سے اس وقت تک ظاہری [illegible] کے [illegible] حاصل [illegible] میں حضور صلعم کے احکام کی اطاعت اور [illegible] باطن سے کچھ

واقف نہ ہوئے۔ لہذا اس علم کا معلوم کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنا یہی معروضہ پیش کیا۔ جس کو سنتے ہی خواجۂ عالم صلعم ازحد شگفتہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ الحمد للہ میرے باطنی خزانہ کا اہل اور لائق پیدا ہوا۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا اے علی! مجکو اللہ کا حکم تھا کہ میں بغیر دریافت اسرار باطن کسی پر ظاہر نہ کروں۔ اب اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ تمہارے دل میں ان کی سچی طلب پیدا ہوئی۔ اور یہ نعمت اور دولت تمہارے ہی نصیب میں تھی اے علیؓ! یہ علم سربستہ اور گوش بگوش ہے۔ اور انشاء اللہ یہ علم تمہارے ذریعہ سے قیامت تک جاری رہیگا۔ پھر آنحضرت نے اسرار حقیقت جناب مولا کو تعلیم فرمائے۔ پس جناب امیر علیہ السلام سے وہی اسرار حقیقت تمام صوفیائے کرام کو سینہ بسینہ پہنچے۔ کیونکہ اسرار باطن کے وہی وارث تھے اور ہیں۔ اور قیامت تک رہیں گے۔

اسی مضمون کے متعلق حضرت مخدوم العالم شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رضی اللہ عنہ خیر المجالس میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ صوفیائے کرام کی متابعت عین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے۔ لہذا سالک کو صوفیائے کرام کے احوال، اقوال، اخلاق، آداب۔ اور عقائد سے ضرور واقفیت پیدا کرنا چاہیئے۔ اور سلوک میں ان کے قدم بقدم چلنا چاہیئے۔ تاکہ بہت جلد منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ مشائخین عظام نے خلافت کی سات قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) اصالتاً (۲) اجازتاً (۳) اجمالاً۔ (۴) وراثتاً۔ (۵) حکماً (۶) تحققاً (۷) کشفاً۔ ان ساتوں خلافتوں کی یہ تعریف ہے۔ (۱) اصالتاً خلافت یہ ہے کہ کوئی بزرگ اپنے کسی لائق مرید کو اللہ کے حکم سے اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرے۔ اس خلافت کو اصلاح صوفیہ میں خلافت الٰہیہ کہتے ہیں۔ (۲) اجازتاً خلافت یہ ہے کہ شیخ اپنے مرید کو کام کے قابل دیکھکر برضا ورغبت اپنا خلیفہ کرے۔ جیسے کہ تمام مشائخ میں رسم و رواج ہے۔ اور اس خلافت کو خلافت رضائی بھی کہتے ہیں۔ (۳) اجمالاً خلافت یہ ہے کہ ایک بزرگ [illegible] خلیفہ بنائے انتقال کر گئے [illegible] بعد ان کے مریدوں یا قوم نے کسی مرید کو ان کی جگہ [illegible] ہے۔ مگر مشائخ کے نزدیک

اس خلافت کو خلافت افترائی کہتے ہیں اور اس کو نہیں مانتے (۴) وراثتاً خلافت یہ ہے کہ ایک شخص نے اس عالم سے رحلت فرمائی۔ اور کسی کو اپنا خلیفہ یا جانشین نہیں کیا۔ پھر ان کے ورثا یں سے ایک شخص جو سب سے زیادہ اہل اور لائق تھا ان کا جانشین بن بیٹھا۔ اس خلافت کو بھی شائخین منظور نہیں فرماتے۔ ہاں اگر باطن میں اس جانشین کو شیخ نے حکم فرمایا ہو تو درست ہو جائے گی کیونکہ احکام طریقت میں صوفیائے کرام کے نزدیک امر باطن جائز ہے۔

(۵) حکماً خلافت یہ ہے کہ ایک بزرگ نے وفات پائی۔ پھر ان کے مریدان و معتقدان میں خلافت اور جانشینی کے متعلق نزاع ہوا۔ اور یہ معاملہ بادشاہ اسلام کی عدالت میں پہنچا۔ اور دشاہ نے اپنے حکم سے ایک لائق اور فائق شخص کو جانشین مقرر کر دیا۔ اس طرح کی خلافت مصداق آیت أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ جائز ہے اور حضرت سلطان المشائخ سے فوائد الفواد میں اسی مضمون کے متعلق یہ حدیث قدسی منقول ہے۔ قُلُوبُ الْمُلُوكِ بِيَدِي اللّٰهِ۔ یعنی خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں یں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس طرف میں چاہتا ہوں بادشاہ کا دل راغب کر دیتا ہوں۔ لہٰذا دشاہ عادل کی رغبت خداوند تعالیٰ کی پسندیدگی ہے۔

(۶) تکلفاً خلافت یہ ہے کہ مرید نے اپنے خلیفہ بننے کے واسطے خود پیر سے فرمائش کی ہو۔ یا کسی ور کی سفارش سے مجبور ہو کر اس کو خلیفہ کر دیا ہو تو یہ خلافت بھی ناجائز ہے۔

(۷) کسباً خلافت یہ ہے۔ اگر مرید کا کسب یعنی اذکار و اشغال تزکیہ نفس اور قوت باطنی ترقی کر گئی ہو اور شیخ کو اس بات کا کامل یقین ہو جائے کہ میرے مرید نے تمام مدارج تکمیل حاصل کر لی تو سکو خلافت عطا فرمائے۔ یہ خلافت بر اعتقاد سے جائز ہے خلافت عطا کرنے کے سابق سے دو طریقے چلے آتے یں سب سے پہلا اور پرانا طریقہ تو یہ ہو کہ پیر [illegible] اپنے مرید کو اپنے ہاتھ سے خرقہ خلافت پہنا [illegible] دستار خلافت اپنے ہاتھ سے مرید کے سر پر باندھے۔ اور اگر [illegible] ہو تو [illegible] دستار بندی [illegible] مشائخین کی موجودگی میں مستحسن ہے [illegible] لازمی ہے۔

تعلیم تصوف

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ راحت القلوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ درویشی پردہ پوشی ہے۔ اور خرقہ پہننا اس کا کام ہے جو عیوب کو چھپا دے اور کسی کے آگے ظاہر نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو اپنا مال راہ خدا میں صرف کرے۔

خرقہ معراجیہ۔ حضرت رسول خدا صلعم کو معراج کی رات جو خرقہ عطا ہوا تھا۔ اسے خرقہ معراجیہ کہتے ہیں۔ چنانچہ۔ ایک دن آنحضرت نے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو اپنے قریب بلا کر فرمایا کہ مجھے پروردگار سے یہ خرقہ ملا ہے۔ اور حکم ہوا ہے۔ کہ تم میں سے کسی ایک کو یہ خرقہ دوں۔ اب میں تم سے ایک بات پوچھوں گا۔ اور جو اس کا صحیح جواب دیگا اس کو یہ خرقہ دوں گا۔ لہٰذا سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے ابوبکر! اگر میں یہ خرقہ تمھیں دوں تو تم اس کا کیا حق ادا کرو گے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ خرقہ مجھے عنایت ہو تو میں صدق اختیار کروں گا۔ اللہ تعالےٰ کی اطاعت کروں گا۔ اور جو کچھ میرا اثاث البیت ہے اور جس کا میں مالک ہوں سب راہ خدا میں صرف کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے عمرؓ! اگر یہ خرقہ میں تمھیں عنایت کروں تو تم کیا کرو گے؟ عرض کی کہ عدل کروں گا۔ بندگان خدا سے انصاف سے پیش آؤں گا۔ اور مظلوموں کی داد دوں گا۔ پھر حضرت عثمانؓ غنی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اگر یہ خرقہ تمھیں عنایت ہو تو تم کیا کرو۔ عرض کیا۔ کہ اتفاق سے مل جل کر کام کروں۔ اور جو حق ہو اسے بجا لاؤں۔ حیا اختیار کروں۔ اور سخاوت کروں۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے علی اگر یہ خرقہ میں تمھیں دوں [illegible] کرو؟ اس سوال کے بعد ہی آپ [illegible] چہرہ مبارک پر آثار وحی ظاہر ہوئے اور حضورؐ نے [illegible] اور [illegible] فرمایا [illegible] موقعہ پر حضرت مولانا شمس تبریز نے یہ شعر کہا۔

جبریل کہ آمد ز بر خالق اکبر — در پیش محمدؐ شد و مقصود علی بود

پس آپ کو جس وقت نزول وحی سے فراغت ہوئی تو حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ!
میں پردہ پوشی کرونگا اور بندگان خدا کے عیب پوشیدہ رکھوں گا یعنی کسی پر ظاہر نہ کرونگا
پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! یہ خرقہ تمھیں دیتا ہوں کیونکہ مجھے پروردگا
کا حکم یہی ہے۔ جو ابھی بذریعہ وحی کے معلوم ہوا ہے۔ کہ یاروں میں سے جو یہ جواب دیگا۔
یہ خرقہ اُسے دینا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ درویشی پردہ پوشی کا نام ہے۔ حضرت محبوب
پاک غریب نواز فرماتے ہیں کہ ۱۶۔ ماہ شعبان بروز جمعرات ۶۵۵ھ ہجری کو حضرت شیخ الاسلام
والمسلمین یعنی حضرت بابا فریدالدین زہد الانبیا کی پائے بوسی کا شرف نصیب ہوا۔ اس صحبت
میں شیخ بدرالدین غزنوی۔ شیخ جمال الدین ہانسوی۔ مولانا شرف الدین۔ قاضی حمیدالدین ناگوری
اور بھی چند اصحاب حاضر خدمت تھے۔ بابا صاحب غریب نوازؒ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ جو
شخص میرے پاس آئے امیر ہو خواہ غریب اُسے محروم نہ رکھنا۔ جو کچھ حاضر ہو اُسے دینا۔ پھر فرمایا
جو شخص میرے پاس آئے اور کوئی چیز نہ لائے۔ مجھ پر واجب ہے کہ میں اسے کچھ دوں۔ پھر
آبدیدہ ہو کر یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ عمدۃ الابرار تاج الاتقیا خواجہ قطب الدین بختیار
کاکی رضی اللہ عنہم کی یہ رسم تھی کہ ہر شخص کو جو خانقاہ میں آتا کچھ نہ کچھ عطا فرماتے۔ اور اگر
خانقاہ میں کچھ موجود نہ ہوتا۔ تو اپنے خادم شیخ بدرالدین غزنوی کو فرماتے کہ پانی تو ہے۔ پانی
ہی کا ایک جام لے آؤ اور اسے پلاؤ اگر کچھ نہ ہو تو پانی ہی دیا کرو تاکہ آنے والا بخشش اور عطا سے
خالی نہ جائے۔

پھر فرمایا جس قدر دنیا میں مشغول ہوگا اسی قدر حق سے دور ہوگا۔

پھر ارشاد ہوا۔ میں نے شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ کہ جب تک انسان [illegible] کی صیقل سے [illegible] کو پاک و صاف
نہیں کرتا۔ اور اللہ کے [illegible] تخیل کو صاف [illegible]

نہیں کرتا وہ خدا کا کبھی یگانہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ یہ سارے حجاب اٹھا نہیں دیتا ہرگز ہرگز خدا رسیدہ نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا دل مردہ بھی ہوتا ہے اور زندہ بھی۔ چنانچہ کلام اللہ میں لکھا ہے اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا یعنی دنیاوی مشاغل سے دل مرجاتا ہے فَاَحْیَاہُ یعنی الموتیٰ یعنی اے ذکر الٰہی سے زندہ کرو جب دل دنیوی لذتوں اور شہوتوں اور لذیذ غذاؤں کے اکل و شرب میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تو غفلت کا اثر ہونا لازمی ہے۔ اور خواہشات و لذات کا اس پر غالب آنا ضروری ہے۔ پس ہر طرف سے دل میں خطرات آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جو دل کو سیاہ کرتے ہیں۔ خدا کے خیال کے سوا اور ہر خیال دل کو سیاہ کرتا ہے۔ جب دل سیاہ ہوتا ہے تو اُسی کو مردہ کہتے ہیں۔ یعنی محجوب دل جس پر دنیاوی خیالات کے پردے پڑ جاتے ہیں وہی دل مردہ کہلاتا ہے۔ یا یوں سمجھو۔ جیسے کہ جس زمین میں شوریت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ بیج کو قبول نہیں کرتی اور وہ زمین مردہ کہلاتی ہے۔ یعنی بنجر۔ اسی طرح جس دل کو ذکر حق تعالیٰ سے رغبت نہیں ہوتی وہ اسی زمین کے مطابق ہے۔ جو زمین بیج کو قبول نہیں کرتی۔ اس لئے ذکر حق حق ہے اور سب باطل ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ ذکر حق کے سوا نہ کچھ سنے اور نہ کچھ کرے۔ کیونکہ سننا اور حرکت کرنا زندوں کا کام ہے نہ کہ مردوں کا۔ لیکن جس وقت انسان کے دل سے دنیوی تعلقات دور ہو جاتے ہیں۔ اور ہوائے نفسانی مٹ جاتی ہے۔ اس وقت وہ ذاکر بنتا ہے۔ اور ایسا ہی دل ذکر کے نور سے زندہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ جنید بغدادی کی کتاب (عمدہ) میں لکھا دیکھا ہے۔ کہ اس راہ کا اصول ذکر دل کی صلاحیت ہے۔ اور یہ صلاحیت اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ باطن تمام مذمومات دنیوی یعنی غل و غش۔ اور تکبر بخل۔ اور حرص اور لالچ سے پاک کرے۔ اور دل مذموم کو تمام تخیلات سے صاف کرے [illegible] سچی صوفی کہلانے کا مستحق ہے اور درویشی کا جوہر بھی اسی عالم پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ آیہ [illegible]

کہ جس درویش نے دنیا کی طرف توجہ شروع کی۔ اور مال و مرتبہ اور حب جاہ چاہی۔ وہ درویش نہیں بلکہ طریقت کا مرتد ہے۔ کیونکہ دنیا سے روگردانی کا نام فقر ہے۔ فقیر کو اہل دنیا سے رسم و رابطہ و امرا و رؤسا سے میل جول رکھنا۔ اور بادشاہوں یا نوابوں کے ہاں آنا جانا۔ یا ان کو اپنے ہاں بلانا قطعی حرام ہے۔ پھر اسی موقع پر فرمایا کہ احرائق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عراق تین سال تک بیمار رہا۔ خواجہ شہاب تستری کو بلایا۔ تاکہ دعا کریں جب آپ آئے۔ تو اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا جس سے مرض فوراً دور ہو گیا۔ اور واپس چلے آئے۔ اس ایک گھڑی کے کفارے میں جو بادشاہ کے پاس صرف ہوا سات سال تک اہل دنیا سے میل جول قطع کر دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس بارہ میں مشائخ طریقت فرماتے ہیں۔ کہ فقراء کے لئے دنیا کی محبت زہر قاتل ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دولتمند آدمیوں سے جس قدر پرہیز کیا جائے۔ اسی قدر خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے۔ اہل دنیا کی محبت جس قدر ان کے دل میں ہوگی۔ اسی قدر نقصان ہوگا۔ اس واسطے اہل طریقت کا یہ مذہب ہے کہ درویش کے دل میں ذرہ بھر بھی اہل دنیا کی محبت نہ رہے۔

اس کے بعد ذکر کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو زبان مبارک سے فرمایا کہ درویش کو ذکر میں ایسا فرو ہونا چاہیئے کہ اس کے بدن کا ہر ایک رونگٹا زبان بنجائے۔ چنانچہ اسرار العارفین میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ خلوص باطنی سے خواجہ ابو سعید ابو الخیر ذکر آہی میں مشغول تھے۔ آپ کے ہر مسام سے خون جاری ہو گیا۔ نیز کہتے ہیں۔ کہ اہل بیت میں سے کسی نے لکڑی کا پیالہ شیخ صاحب کے بازو تلے رکھدیا۔ جب خون سے پیالہ بھر گیا۔ تو رکھنے والے نے پی لیا۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اس راہ میں سب بڑا اصول حضوری دل ہے۔ اور حضوری دل حلال لقمہ کھائے بغیر اور اہل دنیا سے پرہیز بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ چونکہ مشائخ طبقات فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص حرام کا لقمہ [illegible]ے۔ اور اہل دنیا بادشاہوں۔ نوابوں۔ امیروں [illegible] رئیسوں سے [illegible] [illegible] گدڑی پہنتا جائز نہیں ہے۔ صوف کی گدڑی [illegible]

ابراہیم خلیل اللہ۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کے بعد اسی موقعہ پر فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی۔ اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کی زبانی سنا ہے کہ انہوں نے یہ روایت کسی کتاب میں پڑھی تھی کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں چشت میں خواجہ مودود چشتی کی خدمت میں دس سال رہا۔ ہر وقت حاضر خدمت رہتا تھا۔ لیکن کبھی نہ دیکھا کہ آپ کسی دنیا دار امیر یا کسی بادشاہ کے ہاں تشریف لے گئے ہوں سوائے جمعہ کی نماز کے۔ پھر فرمایا جب درویش بادشاہوں اور امیروں کے پاس جاوے تو اس کی گدڑی چھین لینی چاہیئے۔ اور جو کچھ اسباب درویشی اس کے پاس ہوں وہ بھی لے لینا چاہیئے اور اس سے کہہ دینا چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو درویشی سے خارج سمجھے۔ اور اگر اس کے بعد بھی وہ نہ مانے۔ تو اس کی گدڑی اور جامہ آگ میں جلا دینا چاہیئے۔ اسلئے کہ جب درویش اہل دنیا سے میل جول کرے تو سمجھو کہ وہ درویش نہیں وہ جھوٹا مدعی ہے۔ میں نے بعض مشائخ طریقت کو دیکھا ہے۔ کہ جب انہیں کوئی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو وہ صوف کی گدڑی پہن کر۔ اور گردن میں زنجیر ڈال کر بارگاہ الٰہی میں مناجات کرتے ہیں۔ اور اسی گدڑی کو اپنا شفیع بناتے ہیں جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ جو صوف پہنے اسے مرغن لقمہ نہیں کھانا چاہیئے۔ اور نہ اہل دنیا سے میل جول رکھنا چاہیئے۔ اور جو ایسا کرتا ہے تو وہ انبیا اور اولیا کے لباس میں خیانت کرتا ہے۔

پھر اسی موقع پر فرمایا کہ میں نے اسرار العارفین میں لکھا دیکھا ہے کہ خواجہ ذوالنون مصری کا ایک مرید بادشاہ کے ہاں آمد و رفت رکھتا تھا۔ اور اسے وہاں سے بطور وظیفہ کے کچھ ملتا تھا۔ خواجہ نے اسے بلا کر گدڑی وغیرہ چھین لی اور جلا دی۔ اور سخت ناراض ہو کر فرمایا کیا تو انبیا اور اولیاء کے لباس کو خسیسوں کے سامنے [illegible] پھراتا ہے۔ اور اسے دکھا کر [illegible] کمانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہی وہ لباس ہے جسے تو [illegible] … اس کے بعد فرمایا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ

عمدہ تین کُرتے پہنتے۔ جب نماز کا وقت آتا تو دو کُرتے اتار دیتے اور درمیانی کُرتے سے نماز ادا کرتے۔ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا۔ کہ ظاہری پیراہن یعنی اوپر کا کُرتہ ریا و رسم کی وجہ سے آلودہ ہوں اور باطنی پیراہن یعنی سب نیچے والے کرتہ میں حرص و حسد وغیرہ کی بو آتی ہو۔ اور درمیانی پیراہن ان دونوں سے خالی ہے۔ بس اس سے نماز ادا کرتا ہوں۔

پھر جب ستائیسویں رجب [illegible]ھ کو شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ تو شیخ جمال الدین متوکل اور دوسرے عزیز یعنی شمس دبیر اور نجم الدین بیٹھے تھے۔ شب معراج اور اس کی فضیلت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ ماہ رجب کی ستائیسویں رات بڑے مرتبہ والی رات ہے۔ کیونکہ اس رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا۔ جو شخص اس رات کو جاگتا ہے گویا وہ شب اس کی شب معراج ہوتی ہے۔ اور اس شب میں جاگنے والے کو معراج کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اور اس کا ثواب اسکے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اس رات میں سو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے نماز سے فارغ ہو کر سو مرتبہ درود بعد ازاں سجدہ میں سر رکھکر جو دعا کرے انشاء اللہ قبول ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے شیخ معین الدین سنجری یعنی خواجہ غریب نواز قدس سرہ سے سنا ہے۔ کہ معراج کی رات رحمت کی رات ہے۔ جو اس رات میں جاگے گا۔ امید ہے کہ رحمت سے محروم نہ رہے گا۔

اس کے بعد بدر الدین غزنوی نے عرض کیا کہ اہل سماع کی بیہوشی کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا جس روز سے انہوں نے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی آواز سنی ہے۔ اسی روز سے بیہوش ہیں۔ اور وہی بیہوشی ان میں آجتک پائی جاتی ہے۔ بس جب سماع سنتے ہیں تو اسی بیہوشی کا غلبہ ہوتا ہے جسمیں دوست کا نام سنتے ہیں۔ حرکت، حیرت، ذوق۔ اور بیہوشی ان پر طاری ہو جاتی ہے۔ [illegible] کچھ معرفت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جبتک دوست کی شناخت حاصل نہ ہوگی۔ خواہ [illegible] دوست کرے ذوق طاعت سے محروم رہے گا۔ [illegible] نہیں ہو سکتی اور

جب تک دوست کی شناخت نہ ہوگی کسی عبادت میں لذت حاصل نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ عشق مجازی میں جب تک آدمی کسی کو نہیں دیکھتا۔ اس کا عاشق نہیں ہوتا۔ جب تک دوست کے دوستوں سے دوستی نہیں کرتا۔ دوست سے آشنائی نہیں حاصل ہو سکتی۔ بس طریقت اور حقیقت میں یہی حکمت ہے۔ کہ جب تک اللہ تعالےٰ کی شناخت حاصل نہیں ہوتی۔ یا جب تک اسکے اولیا سے تعلقات مضبوط نہیں کئے جاتے۔ ہرگز ہرگز طاعت اور عبادت میں ذوق حاصل نہیں ہوتا۔

اس کے بعد محمد شاہ گویا جس نے اوحد کرمانی کے روبرو سرود پر گایا تھا۔ اس روز مع اپنی چوکی کے حاضر خدمت ہوا۔ حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ۔ شیخ جمال الدین ہانسوی۔ اور شیخ بدرالدین غزنوی بھی حاضر خدمت تھے۔ لہذا حضرت شیخ الاسلام نے محمد شاہ کو حکم دیا کہ سماع شروع کرو جب سماع شروع ہوا تو شیخ الاسلام جگہ سے اٹھے اور رقص کرنے لگے۔ چنانچہ سات شبانہ روز رقص فرماتے رہے۔ ساتویں روز جس وقت بابا صاحب غریب نواز کو ہوش آیا۔ اس وقت قوال یہ غزل گا رہے تھے۔ غزل۔

ملامت کردن اندر عاشقی راست — ملامت کے کند آنکس کہ بیناست
نہ ہر ترو ماضے را عشق زیبد — نشان عاشقی از درد پیداست
نظامی تا توانی پارسا باش — کہ نور پارسائی شمع دلہا است۔

اس کے بعد سلوک کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا اہل سماع وہ گروہ ہے۔ کہ جب وہ سماع اور تحیر میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت لاکھ تلواریں بھی ان کے سر پر ماری جائیں۔ تو انہیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔ وہ جس وقت عالم تحیر اور دوست کی خواہش میں متحیر ہوتے ہیں۔ اس وقت انہیں کسی کے آنے جانیکی بھی خبر نہیں رہتی۔ اس وقت اگر ہزار لاکھ بادشاہ اس جگہ کی بابت آئیں جہاں سماع ہو رہا ہے۔ اور وہ متحیر ہیں۔ تو انھیں مطلق خبر نہیں ہوتی پھر معترض کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی زبان مبارک سے فرمایا کہ سیر العارفین میں لکھا ہے۔ کہ جب کہ [illegible] کا [illegible] ہے۔ تو [illegible] کرے۔ اور اگر ہو سکے تو قلم

رات جاگتا رہے۔ اگر رات بھر نہ جاگ سکے تو جمعرات کے روز چاشت کے وقت یا پیر
یعنی دوشنبہ کے روز اللہ کے پیارے اور نیک بندوں کو جمع کرے۔ قبلہ رُخ سجادے پر
بیٹھے پھر دو رکعت نماز استخارہ ادا کرے۔ اسکے بعد مرید کو اپنے سامنے بٹھا کر تبرک آیات پڑھکر
دم کرے اور آیات پڑھنے سے پیشتر مرید سے کہے کہ وہ استغفار پڑھے۔ پھر قبلہ رو ہوکر مقراض لے
اور تین مرتبہ بآواز بلند تکبیر پڑھے۔ جس طرح نمازی نماز سے قبل تکبیر کہتے ہیں۔ اسی طرح کہے تاکہ فرشتے
[illegible]رو کے لئے آئیں۔ جب تکبیر سے فارغ ہو تو ایک مرتبہ کلمہ توحید پڑھے۔ اور اکیس مرتبہ درود شریف
اور اکیس مرتبہ استغفار۔ جب ان سے فارغ ہو تو مقراض لیکر سامنے کا یعنی پیشانی کا ایک بال
کترے اور کہے کہ اے بادشاہ! یہ تیری درگاہ سے بھاگا ہوا بندہ تھا۔ اب تیری غلامی میں آنا
چاہتا ہے۔ تیرا حلقہ بگوش غلام بننا چاہتا ہے۔ یہ کہکر ایک بال دائیں طرف کا اور ایک بال
بائیں طرف کا کترے پھر ان تینوں کو ملا دے۔ اس بارے میں خواجہ حسن بصری کا قول سب
سے زیادہ قابل وثوق ہے۔ انہوں نے حضرت امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت فرمائی
ہے کہ اسی طرح مقراض چلانا درست ہے۔ اسکے بعد میں نے پوچھا کہ مقراض چلانا کس نے شروع
کیا؟ فرمایا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تلقین سے
نیز فرمایا کہ ایک روز حبیب عجمی اور خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہما بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے
آکر کہا میں فلاں کا مرید ہوں۔ پوچھا تیرے پیر نے کیا کہا تھا۔ اس نے جواب دیا میرے
مجھے مقراض چلائی اور کچھ نہ کہا۔ دونوں حضرات فریاد کر اٹھے۔ وہ خود گمراہ ہے۔ اور گمراہ کرنے
والا ہے جس نے بالکل غلط اور اصول کے خلاف مقراض چلائی ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام
نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پیر میں اس قدر قوت باطنی ہونی چاہیئے کہ جب کوئی مرید ہونے
کے لئے اس کے پاس آئے۔ تو نور معرفت اور اپنی ذاتی قوت سے اسکے سینے کو زنگار سے صاف کرے
تاکہ دل میں کوئی کدورت نہ رہے۔ اور آئینہ کی طرح [illegible] روشن ہو [illegible] نہ کبھی کسی کو بیعت
کرے۔ جو خود گمراہ ہے وہ کسی کو [illegible] کر [illegible]

اگر کوئی شخص اہل سلوک کے طریقے کے مطابق (جو طریقہ مندرجہ بالا بیان ہو چکا ہے) معراض چلانا نہیں جانتا تو وہ شخص بھی گمراہ ہے۔ اور نیز وہ بھی گمراہ ہے۔ جو اس کا مرید ہو۔

بعد ازاں شیخ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ جس روز بشر حافیؒ نے توبہ کی اور پشیمان ہو کر خواجہ جنید بغدادیؒ کی بارگاہ کا رخ کیا۔ اور آن کے ہاتھ پر توبہ کی۔ آنھیں خرقہ اور معراض کی رسم سکھائی۔ اس کے بعد خواجہ بشر حافیؒ واپس چلے آئے اور زندگی بھر لکڑی کی نعلین ہی استعمال کی۔ پوچھا کہ جوتی کیوں نہیں پہنتے؟ فرمایا میری کیا مجال ہے کہ بادشاہ کے فرش پر جوتی پہنے پھروں اور نیز یہ بھی فرمایا کہ جس روز میں نے اللہ تعالےٰ سے اشتیاق شروع کی تھی۔ یعنی جس روز بیعت کی تھی اس روز میں ننگے پاؤں تھا اب مجھے جوتی پہنتے شرم آتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ جو پیر اہل سنت والجماعت کے طریق پر کاربند نہیں۔ اسکے اقوال۔ افعال۔ حرکات۔ اور سکنات۔ حدیث اور قرآن مجید سے مطابقت نہیں کرتے وہ اس راہ میں راہزن ہے۔ جس طرح دھوئیں سے آگ کا ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرید سے پیر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بہت سے مرید گمراہ بھی ہوتے ہیں۔ اس کا یہ سبب ہوتا ہے کہ جس کا پیر کامل نہیں ہوتا۔ اس کا مرید بھی ناقص رہتا ہے۔ اور جس کو مکمل شیخ مل جاتا ہے۔ وہ مرید کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔ بس مرید سے پیر کا پتہ چلتا ہے۔ جیسے کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ یعنی بیٹا اپنے باپ کا بھید ظاہر کرتا ہے۔ ایسے ہی مرید اپنے پیر کا بھید ظاہر کرتا ہے۔

اس واسطے معراض ایک سِرِّ الٰہی ہے۔ اس بھید سے کوئی واقف نہیں اگرچہ بعض نے کہا ہے کہ معراض سے قطع علائق مراد ہے۔ بس معراض میں اس قدر راز ہیں کہ آن کو ہر شخص نہیں جان سکتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ میں۔ بغیر ذکر۔ فکر۔ مجاہدے۔ مراقبے۔ محنت۔ مشقت۔ ریاضت اور عبادت کے کام نہیں چل سکتا اور نہ اثر پیدا ہوتا ہے۔ نہ لذت۔ پھر فرمایا کہ بارگاہ الٰہی میں مومن کے دل کی بڑی [illegible] ت ہے۔ لیکن [illegible] ے دل کی اصلاح سے غافل ہیں۔ اس واسطے گمراہی میں پڑے جا رہے [illegible] پاتے ہیں۔ مومن کا دل اللہ

تعالےٰ کا عرش ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ جس درویش کو ذرہ بھر بھی روشنی نصیب نہیں ہوئی ہے۔ اور وہ کسی کو مرید کرنا چاہتا ہے۔ یا جسے خود مقراض اور خرقہ کی رسم سے واقفیت نہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہے اور مرید کو بھی گمراہ کریگا۔ درویش کو واقف راز۔ اور صاحب قوت ہونا ضروری ہے تاکہ مقراض اور خرقہ کی رسوم میں اہل سنت والجماعت کے خلاف نہ کرے۔ در حقیقت درویش وہی ہے جو اعیان ثابتہ سے بخوبی واقف ہو۔ اور جس کے حق الیقین پر وحدت الوجود طاری اور ساری ہو۔ اور درویش کو مقراض اور خرقہ کی رسوم سے بخوبی آگاہی ہو۔ پھر فرمایا۔ کہ مرید کے سر پر مقراض چلانے سے پہلے اسے غسل کرانا ضروری۔ اور اپنے ہاتھ سے کچھ مٹھائی بھی اس کے منہ میں کھلانی مناسب ہے۔ اور یہ نیت کرے کہ الٰہی! اپنے اس بندہ کو اپنی راہ کی طلب کے ذوق سے شیریں کام رکھنا۔ پھر اگر خلوت کے لائق ہے۔ تو خلوت کرے نہیں تو سکوت۔

پھر فرمایا کہ سیر العارفین میں دیکھا ہے کہ خلوت چالیس روز کی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ستر روز کی اور بعض کی رائے میں نناوے دن کی۔ لیکن تواتر سے چالیس روز کی خلوت ثابت ہوتی ہے مگر طبقہ جنیدیہ میں بارہ سال کی۔ اور بصریہ کے نزدیک بیس سال کی خلوت صحیح ہے۔ خلوت سے اہل سلوک کا اصل مطلب یہ ہے کہ نفس امارہ کو مغلوب کیا جا‏ئے اور اس نفس کے کتے کو اس طور سے باندھ کر رکھا جائے۔ بعض مشائخ طبقات کے مذہب میں مراقبہ ہی خلوت ہے۔ وہ سوائے مراقبہ کے اور کچھ نہیں کرتے۔ جب سالک خلوت میں بیٹھنا چاہے۔ تو اپنے پیر کا کوئی کپڑا پہنے۔ تاکہ پیر و مرشد کے ملبوس کی برکت سے تجلی ذات آنکھوں کے سامنے آجائے۔ کیونکہ خرقہ دینے کا اصل مطلب یہی ہے۔ بعض مشائخ طبقات مثلاً خواجہ فضیل بن عیاض اور خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہما کہتے ہیں۔ کہ پیر کو چاہیے کہ پہلے مرید کے سر پر ہاتھ رکھے۔ اور پھر ذکر تعلیم [illegible] ذکر کے بہت [illegible] اقسام ہیں۔ مگر یہ تین طریقہ عام ہیں۔ اول۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ [illegible] لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ سوئم یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ۔ اگر پہلا ذکر اختیار کرے تو نو بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ حسب تعلیم شیخ کے کہے۔ اور دسویں مرتبہ محمد رسول اللہ کہے۔ اور اگر دوسرا ذکر پسند ہو تو اکیس مرتبہ سبحان اللہ الخ کا ذکر کرے۔ اور اگر تیسرا ذکر اختیار کرے تو بیس مرتبہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ پڑھے لیکن بلند آواز سے۔ تاکہ پاس بیٹھنے والے بھی اس سے حظ اٹھائیں۔ اور بہرہ ور ہوں۔ لیکن اس قدر بلند آواز نہ ہونے پائے کہ ہمسایہ سنیں۔ یا ریاکاری مد نظر ہو۔ پھر فرمایا اس قدر ذکر کرے کہ ذاکر کے جسم کا ہر رونگٹا زبان بنجائے۔

اشعار

ڈہن رے ڈہنئے اپنی ڈہن　　تن ڈہن۔ من ڈہن۔ من ڈہن۔ تن
ایجی تو جب ڈہنکی جائے　　سگری تانت بجے تن۔ تن
تیرا پیا تو ہسا گنی ہے　　تو بہی کرے کوئی گن

جو تو ہر کو چاہے فریدا
انکھ۔ کان۔ منہ کرے تن

پھر فرمایا۔ کہ خواجہ یوسف چشتی قدس اللہ سرہ العزیز شرح اسرار میں لکھتے ہیں کہ ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ شیخ دایہ کی طرح ہوتا ہے۔ اور مرید بچہ کی طرح دایہ سے مراد ماں سے ہے جو بچہ کو دودھ پلاتی ہے۔ لہذا بچہ جب ماں یا دودھ پلائی سے علیحدہ رہے گا۔ تو دو چار روز میں فوت ہو جائے گا۔ لہذا سالک کو شیخ سے کبھی جدا نہ ہونا چاہیئے۔ اور شیخ کو چاہیئے کہ اگر مرید کا نفس بدخوئی کرے تو اسے بچہ کی طرح بہلائے۔ یعنی ذکر کی طرف مشغول کرے۔ اور کبھی قرآن شریف پڑھنے کا حکم دے۔ اور کبھی ایسا ذکر بتائے کہ جس سے تجلی ذات بکا مرید کو مشاہدہ ہونے لگے۔ پس جس وقت مشاہدہ ہونے لگیگا۔ تو مرید کا نفس ہرگز بدخوئی نہیں کریگا۔ اور تجلی کے مشاہدہ میں خود کو خود بخود مشغول کریگا۔ پھر فرمایا کہ فقیر کے لئے دولتمندوں کی [illegible] سے بڑھکر کوئی چیز [illegible]مضر نہیں۔ جب فقیر گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو اس کے دینی اور د[illegible] [illegible]تے ہیں۔

پھر فرمایا شیخ کو واجب ہے کہ مرید کو صحبت ملوک اور اہل دنیا سے دور رہنے کی ہدایت کرے۔ نیز یہ بھی ہدایت کرے کہ مرید شہرت، ثروت، اور حبّ جاہ کا طالب نہ بنے۔ بات زیادہ نہ کہے۔ بے ضرورت زبان سے لفظ نہ نکالے۔ ہمیشہ سچ اختیار کرے۔ اور جھوٹ سے متنفر رہے۔ کیونکہ جھوٹ تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ ابوبکر شبلی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ راہ قبول کے چلنے والوں کی یہ علامت ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو۔ جمعرات کی رات کھڑے ہو کر گذارے۔ یعنی شب جمعہ خواہ ذکر میں، خواہ تلاوت میں، خواہ نماز میں، خواہ مراقبے میں۔ لیکن افضل یہی ہے کہ نماز میں رات گذارے۔ پس یہی معراج کی صفت ہے۔ اور اسی سے مرید کو عروج ہو سکتا ہے۔ نماز وہی نماز ہے جو خلوص کے ساتھ ادا کی جائے۔ اگر بغیر حضور قلب کے ایک رکعت بھی ادا کی جائے گی تو وہ دائرہ نماز سے باہر ہو جائے گی۔ کیونکہ ارشاد فرمایا ہے لَا صَلوٰۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ اسی موقعہ پر بعض اصحاب سلوک ارشاد فرماتے ہیں۔ اشعار

این نمازِ تو کند آخر تباہ — فکرِ باطل را کند روئش سیاہ
چوں شوی استادہ از بہرِ نماز — دل بود در گاؤ خرائے حیلہ ساز

دیگر

ہزار سال عبادت کند نمازی نیست — یکے عشق نہ دارد خدائش راضی نیست

سلوک کا اصل ریاضت ہے اور اس کا ثمرہ مشاہدۂ ذات۔ ذات مطلق کی تجلیات کا مشاہدہ اسی دنیا میں چشم سر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ جس نے دنیا ہی میں خدا کو نہیں دیکھا وہ آخرت میں بھی نہیں دیکھ سکتا۔ بہت ضرورت ہے کہ طالب صادق تمام صحبتوں کو ترک کرے۔ سب سے افضل تو یہ ہے کہ صحبت شیخ میں رہے۔ ورنہ ذکر کو اپنا رفیق طریق بنائے۔ اور نماز میں صدق و صفا کے ساتھ حضوری کی کوشش کرے۔

اصحاب تابعین [illegible] سے ملیں گے کہ

تمام لوگ یہ آرزو کرینگے۔ کہ کاش! ہم بھی دنیا میں فقیر ہوتے۔ تاکہ ہمیں بھی یہ مرتبے حاصل ہوتے۔ اور مریضوں کو بھی وہ درجے عطا ہوں گے کہ سب لوگ یہی خواہش کریں گے کہ افسوس ہم بھی دنیا میں بیمار ہوتے۔ تو یہ مرتبے حاصل کرتے۔ ؎

عاشقی پیداست از زاری دل   نیست بیماری چو بیماری دل

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے بدخشاں کا سفر کیا تھا۔ اسی نواح میں شہر کے باہر ایک غار میں ایک ولی اللہ رہتے تھے۔ جن کا نام عبدالواحد تھا۔ اور شیخ ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ بجد لاغر ہو رہے ہیں۔ اُن کا ایک پاؤں غار میں ہے۔ اور دوسرا غار سے باہر بس ایک پاؤں پر کھڑے عالم تحیر میں آسمان کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے ہیں۔ میں نے نزدیک جاکر سلام کیا۔ فرمایا ٹھیر جا۔ میں ٹھیر گیا۔ بس تین دن کے بعد۔ وہ عالم صحو میں آئے تو فرمایا! میرے نزدیک نہ آنا ورنہ جل جائے گا۔ اور دور بھی نہ جانا۔ کیونکہ دور جانے میں عالم تحیر وحشت کا اثر ہو جائے گا۔ اب وہیں کھڑے کھڑے میری سرگذشت سُن۔ میں ستر سال سے اس غار میں مقیم ہوں۔ ایک عورت کو دیکھکر میرا دل مائل ہوا۔ اور میں نے غار سے باہر آنا چاہا۔ تو غیبی آواز آئی۔ کہ اے مدعی! تیرا تو یہ وعدہ تھا کہ ہمارے سوا تو کسی طرف مائل نہ ہوگا۔ پھر یہ تجھے کیا ہو گیا؟ یہ آواز سنتے ہی اس پاؤں کو کاٹ کر پھینکدیا۔ کیونکہ یہ پاؤں ہوائے نفسانی کے سبب غار سے باہر رکھا گیا تھا۔ اب اس واقعہ کو تقریباً تیس سال گذرے ہیں اُس وقت کر اس وقت تک عالم تحیر میں ہوں۔ اور ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ منہ نبی اکرم صلعم کو کیوں کر دکھاؤں گا۔ اسی حالت میں شرمندہ ہوں۔ پھر حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا۔ کہ میں وہیں رہا شام کے وقت کچھ دودھ اور کچھ کھجوریں تھال میں رکھکر اُس کے پاس لائے۔ میں نے گنیں تو تعداد میں دس تھیں۔ فرمایا۔ اے فرید! میرے پاس روزانہ پانچ کھجوریں آیا کرتی تھیں۔ آج دودھ بھی روز سے دو [illegible] یہ فرماکر پانچ [illegible]ریں اور نصف دودھ مجھے عطا کیا اور فرمایا اس سے افطار کر [illegible] سامنے رکھیں۔ اور میں آ[illegible]

بجالایا۔ اور میں نے اور اس بزرگ نے روزہ افطار کیا۔ اور وہ بزرگ پھر عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے دن بادشاہ یا خلیفہ مع اپنی فوج کے اس غار پر آکر کھڑا ہو گیا۔ تو حضرت عبدالواحد نے اس سے پوچھا تیری کیا حاجت ہے؟ خلیفہ نے کہا۔ سیتان کا حاکم خراج نہیں دیتا۔ اب میں اجازت طلب کرتا ہوں کہ اس پر چڑھائی کروں۔ مسکرا کر ایک لکڑی سیتان کی طرف پھینکدی۔ اور فرمایا میں نے سیتان کے مالک کو مار دیا ہے۔ خلیفہ یہ سنکر واپس چلا گیا۔ چند روز گذرنے پائے تھے کہ خلیفہ کے آدمی سیتان سے بہت سا مال لیکر آئے اور بیان کیا کہ حاکم سیتان دربار عام میں تخت پر بیٹھا حکم دیرہا تھا کہ دیوار میں سے ایک لاٹھی نمودار ہوئی۔ اور اس کی گردن پر لگی جس سے اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا لکڑی مارتے وقت یہ آواز آئی کہ یہ ہاتھ شیخ عبدالواحد بدخشانی کا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں نے اس واقعہ کے بعد اور چند روز وہاں قیام کیا۔ پھر اجازت لیکر واپس چلا آیا۔

گیارھویں ماہ مذکور ۶۵۵ھ ہجری کو قدمبوسی کا شرف نصیب ہوا۔ تو فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر کے دن پورے ہوئے۔ تو ایک روز مستانہ وار راہ میں ٹہل رہے تھے ملک الموت سے ملاقات ہوئی۔ سلام کیا۔ سلام کا جواب ملا۔ پوچھا تو کون ہے؟ کہا ملک الموت اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام شوق دیدار الٰہی کی وجہ سے بیخود تھے۔ اسکے چہرہ پر ایسا طمانچہ مارا کہ وہ سامنے سے بھاگ گیا۔ اور کہا کہ میں پھر نہیں آؤں گا۔ یہ وہی مقام تھا جس مقام پر پہنچکر اُمت محمدی صلعم کے ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ ؎

در مجلسِ گدایاں عزرئیل چہ کار دارد جبرئیل با ملائک دربان خسماست مارا

پس ملک الموت نے اپنے مقام پر آکر سجدہ کیا۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ کہ بار الٰہا! تو نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا تھا۔ کہ اگر میں اسکے پاس سے بھاگ کر چلا نہ آتا تو شاید ہلاک ہو جاتا اس وقت خطاب ہوا کہ اے ملک الموت! اس کی وجہ تھی کہ تجھے [illegible] جائے۔ کہ ہمارے اور ہمارے دوستوں کے [illegible] [illegible] دوست

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

دوسرے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز شوق ادا کر کے قبلہ رو بیت المقدس میں ہو بیٹھے۔ اُس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا۔ اور آنحضرت کے ہاتھ میں ایک بہشتی سیب دیکر غائب ہو گئے۔ جونہی جناب نے وہ سیب سونگھا۔ اور اس سیب سے دوست کی خوشبو دماغ میں پہنچی۔ تو از خود اپنی روح جسم سے نکال کر دوست پر قربان کر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یہ فرما کر حضرت شیخ الاسلام پر اس قدر رقت طاری ہوئی۔ کہ آپ روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ اور بعض یارانِ طریقت کو تو شبہ ہو گیا کہ شاید حضور کی روح بھی جسم خاکی سے پرواز کر گئی جب ہوش میں آئے تو زبان مبارک سے یہ شعر فرمایا ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند کاں جا ملک الموت نہ گنجد ہر گز

اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ مولانا نظام الدین! طالب کو ہر حالت میں مطلوب کے عشق و محبت، ذوق و دید اور یاد میں مصروف رہنا چاہیے۔ ہر گھڑی ہر روز۔ ہر لحظہ اور ہر ساعت اسی کے عشق میں رہے تا کہ ان لوگوں میں سے ہو جائے۔ جو اس سے پیشتر گذرے ہیں۔ پھر اسی موقع پر یہ حکایت بیان فرمائی۔ کہ ایک دفعہ ایک جوان واصل حق حالت نزع میں تھا۔ جب اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہوا۔ تو ملک الموت نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ڈھونڈا۔ لیکن وہ جوان نہ ملا۔ بلکہ اس کا پتہ اور نشان ہی نہ پایا۔ تو اپنے مقام پر آکر سجدہ میں سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ پروردگار! مجھے وہ جوان نہیں ملتا۔ حالانکہ اس کا نام بھی تختی سے مٹ گیا ہے۔ حکم ہوا کہ فلاں جنگل میں جاؤ ہمارا نوجوان دوست بیخودی کے ساتھ جنگل میں موجود ہے۔ جب ملک الموت نے اس جنگل میں جا کر اس کی تلاش کی تو وہاں بھی نہ پایا۔ تو عر[illegible] ا[illegible] کا وجود یہاں لاموجود ہے۔ ارشاد ہوا کہ اے ملک الموت جو لوگ [illegible] ان کی [illegible] قبض نہیں کر سکتا۔ تو

نہ تو انھیں دیکھ سکتا ہے اور نہ پا سکتا ہے۔ وہ ہماری محبت میں اس طرح جان دیتے ہیں کہ تمھیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ فرما کر شیخ الاسلام زار زار روئے اور پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

درکوی تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کان جا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

کنز الاذکار

قولہ تعالےٰ۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ یعنی اللہ کا ذکر کرو۔ کھڑے ہو کر۔ بیٹھ کر۔ اور لیٹ کر۔ (یعنی کھڑے ہو جب بھی۔ بیٹھے ہو جب بھی۔ اور لیٹے ہو جب بھی یا اٹھتے۔ بیٹھتے۔ اور لیٹتے۔)

چنانچہ صحیح بخاری کی یہ حدیث اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن جعفر سے یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔ کہ جناب رسالت مآب فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حدیث شریف اُذْكُرُوا اللّٰهَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَالسَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَالْغِنَاءِ وَالْفَقْرِ وَالْمَرَضِ وَالصِّحَّةِ وَالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ

یعنی رات دن اللہ تعالےٰ کا ذکر کرو۔ خشکی میں بھی اور تری میں بھی۔ سفر میں بھی اور حضر میں بھی۔ امیری میں بھی اور غریبی میں بھی۔ مرض میں بھی اور صحت میں بھی۔ پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی۔ (یعنی ذکر خفی بھی اور جلی بھی)

ذکر

ذکر کی جمع اذکار ہے اور اس کی ضد نسیان ہو۔ ذکر وہ شے ہے جسکے توسل سے مطلوب کی یاد جاری رہتی ہے۔ لہٰذا انسان کے جملہ اقوال و افعال و حالات بشرطیکہ [illegible] ذکر ہیں اور غفلت کی صورت میں ضلالت اور گمراہی کہلاتے ہیں [illegible] ذکر کے [illegible] (۱) ذکر قلب

(۲) ذکر لسان۔ (۳) ذکر روح۔ (۴) ذکر سر۔ (۵) ذکر خفی۔ (۶) ذکر اخفیٰ۔ (۷) ذکر خفی الاخفیٰ۔

(۱) **ذکر زبان**۔ اسی کو ذکر لفظی بھی کہتے ہیں یعنی زبان سے الفاظ ادا کرنا۔ اور ترتیب الفاظ کی رعایت رکھنا۔ دل سے اسکے معنے کی طرف متوجہ ہونا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذکر جہر دوسرے **ذکر خفی**۔ یعنی ایسے آہستہ سے الفاظ ادا کرنا۔ کہ اور کوئی آواز نہ سن سکے۔

(۲) **ذکر قلب**۔ یعنی مطلوب کے اسم کا مطالعہ کرنا۔ بلا رعایت ترتیب الفاظ۔

(۳) **ذکر روح**۔ اس میں مطلوب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

(۴) **ذکر سر**۔ اس ذکر میں مطلوب کی حضوری رہتی ہے۔ اس حالت حضوری میں ذاکر یہ تمیز رکھتا ہے کہ میں ذاکر ہوں اور میرا مطلوب مذکور ہے جو حاضر ہے۔

(۵) **ذکر خفی**۔ یہ وہ ذکر ہے جس میں مطلوب کی حضوری غالب ہو جاتی ہے۔ اور ایسی محویت طاری ہو جاتی ہے کہ اپنی خودی تک مٹ جاتی ہے۔ یعنی نہ ذاکر کا پتہ چلتا ہے نہ مذکور کا صرف ذکر کی لذت باقی رہجاتی ہے۔

(۶) **ذکر اخفیٰ**۔ وہ ذکر ہے کہ مطلوب کی حضوری اس درجہ غالب ہو جائے۔ کہ ذکر، ذاکر، مذکور میں تمیز بالکل اٹھ جائے۔ اور لذت ذکر بھی مفقود ہو جائے۔ صرف علم لذت کا احساس باقی رہجائے۔

(۷) **ذکر خفی الاخفیٰ**۔ اس ذکر میں ذکر۔ ذاکر۔ مطلوب۔ لذتِ ذکر۔ علمِ لذتِ ذکر۔ سب کچھ درمیان سے اٹھ جائے۔ صرف مطلوب ہی مطلوب رہ جائے۔

بعض صوفیائے کرام ذکر کی چار طریقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ زبان ذاکر ہو اور دل غافل۔ دوسرے یہ کہ زبان ذاکر ہو اور دل بھی متوجہ ہو۔ لیکن کبھی کبھی دل غافل ہو جاتا ہے۔ مگر زبان سے برابر ذکر جاری رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ زبان و دل دونوں سے ذکر جاری رہے۔ مگر کبھی کبھی دونوں غافل ہو جاتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ زبان غافل اور دل ذاکر ہو۔ یہی ذکر کا انتہائی مقام ہے۔ اس مرتبہ میں ذاکر اپنے دل کی آواز سنتا ہے۔ ذکر کے یہ بیس آداب ہیں۔

آداب ذکر

حضرات صوفیہ کرام کے نزدیک آداب ذکر بیس ہیں ذکر شروع کرنے سے پہلے جو پانچ آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں وہ یہ ہیں (۱) توبہ (۲) طہارت (۳) اطمینان قلب و سکون جسم (۴) استمداد شیخ یعنی پیر و مرشد کی مدد جو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر شیخ سے مدد نہ چاہی جائے گی تو ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی۔ (۵) استمداد شیخ کو بعینہ استمداد رسول اللہ صلعم سمجھنا اور استمداد رسول اللہ صلعم کو استمداد اللہ جل شانہ سمجھنا لازم ہے۔

بارہ آداب جو بوقت ذکر ملحوظ رکھنے چاہئیں وہ یہ ہیں۔ (۱) چہار زانو بطریق جماعت شیخ بیٹھنا۔ (۲) دونوں ہاتھ دونوں زانو پر رکھنا۔ (۳) ذکر کے مقام یعنی حجرہ یا گوشہ تنہائی کو معطر رکھنا۔ (۴) پاک و صاف لباس پہننا۔ (۵) تاریکی حجرہ۔ (۶) دونوں آنکھیں بند رکھنا (۷) کان کے دونوں سوراخ محکم بند کرنا (۸) برزخ شیخ قائم رکھنا۔ یعنی اپنی صورت میں شیخ کو دیکھنا اور یہ سمجھنا

اشعار

صورت میں میری اپنا نقشہ جما رہا ہے
خود ہو رہا ہے ظاہر مجھکو چھپا رہا ہے

صورت پہ میری تیرا کیونکر نہ ہووے دھوکہ
میرا نشان مجھ میں اے یار کیا رہا ہے

بس در اصل تصور شیخ یہ ہے اور سب باطل ہے۔ (۹) ہمت خدا کی طرف رکھنا یعنی متوجہ ہونا (۱۰) ظاہر و باطن کی سچائی۔ (۱۱) اختصار یعنی موجود حقیقی کے ساتھ مراقب ہونا۔ (۱۲) کلمہ طیبہ کے معنے کو ہر بار ذہن میں رکھکر تمام کائنات کے ساتھ اپنی ہستی کی نفی کرنا اور ذات کا اثبات۔ لہذا یہ شرط بھی ضروری ہے۔ بغیر اس کے کامیابی قریب ناممکن ہے۔ اب ذکر کے بعد جو تین آداب ملحوظ رکھنے چاہئیں وہ یہ ہیں۔ (۱) ذکر کے بعد دیر تک ساکت اور خاموش رہنا۔ (۲) حبس نفس یعنی روک کر سانس لینا (۳) جب تک [illegible] گرمی جسم سے زائل نہ ہو جائے ٹھنڈا پانی نہ پینا۔ اور ٹھنڈ [illegible] ذکر کے وقت

حبس دم کو بطریق خاص ضروری سمجھتے ہیں اور عجیب وغریب فوائد فرماتے ہیں۔ ذکر میں یہ آداب ملحوظ رکھنے ضروری ہیں۔ اگر شیخ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ ذکر فنا بقا بطریق مذکورہ بالا کیا جائیگا تو پہلے ہی دن لذت شروع ہو جائے گی۔ اور اگر لذت نہ پاوے تو خیال کرے کہ آداب کسی رکن میں کمی رہ گئی۔ لہذا فوراً پھر شروع کرے۔ انشاء اللہ تعالےٰ فوراً لذت پاوے۔

ذکر کلمہ طیبہ سے **وصل** مراد ہے۔ کہ ماسوا اللہ سے قطع تعلق کرنا یعنی تمام مخلوقات کی طرف توجہ نہ کرنا۔ اور بیرنگی محض میں فنا ہونا جس کا پہلا درجہ بیخودی ہے۔ اس درجہ میں تمام حواس غائب ہو جاتے ہیں جو موت کے مشابہ ہے۔ مگر موت میں حضور نہیں ہے۔ اور اس میں حضور ہی حضور ہے جب عارف اس مقام کی سرحد پر پہنچتا ہے۔ تو ولایت اس کے حوالہ ہوتی ہے۔ گو یہ حالت اسکی ایک ساعت ہی کے لئے ہو۔

مولانا شاہ ولی اللہ صاحب **قولِ جمیل** میں۔ اور حضرت خواجہ بندہ نواز رحمت اللہ علیہ **خاتمہ تصوف** صفحہ ۱۲۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ علم باطن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ خاص طور پر ممانعت تھی کہ یہ علم پوشیدہ رکھا جائے۔ جب تک کہ کوئی طالب صادق آپ سے دریافت نہ فرمائے۔ چنانچہ جیسے بیان ہو چکا ہے کہ ایکدن حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ نے علم باطن آنحضرت صلعم سے نہایت شوق سے دریافت کیا۔ اور آنجناب نے انھیں تعلیم فرمایا۔ اور اس علم باطن کے ساتھ ہی ذکر **ذو الحلقتین** اس طرح تعلیم فرمایا۔ حضورؐ نے سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مربع بیٹھنے کا حکم دیا۔ یعنی دالتی پالتی، پھر فرمایا جیسے میں کہوں اور کروں ویسے ہی تم بھی کہتے اور کرتے جاؤ۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے خود ایک مرتبہ جس طریقہ سے ذکر کیا۔ اس کو حضرت علیؓ نے دیکھا پھر حضرت علیؓ نے ذکر کیا اور جناب رسالتمآب نے دیکھا۔ اسی طرح تین تین مرتبہ ذکر کیا اور کرایا گیا۔

ذکر ذو الحلقتین کے معنے دو حلقوں والے ذکر کے ہیں۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذکر کا [illegible] وجہ سے اس طرح تعلیم فرمایا کہ **لا اِلٰہ** کی ضرب پہلے دہن

قلب پر لگاؤ۔ اور یہ تصور کرو کہ تمام ماسوی اللہ کو دل سے نکال کر باہر پھینک رہا ہوں۔ اور سر کو بائیں کندھے سے دائیں کندھے کی طرف جھکاتے ہوئے لاؤ۔ (بس یہ ایک حلقہ ہوا) پھر سر اور گردن کو ذرا پشت کی طرف جھکاتے ہوئے بائیں کندھے کی جانب لاؤ۔ (یہ دوسرا حلقہ ہوا) اور یہ یقین کرو کہ ان دونوں حلقوں میں دنیا و مافیہا کو لپیٹ کر پس پشت ڈال رہے ہو اور اِلَّا اللہ کی ضرب دہنی قلب پر لگاتے وقت یہ خیال کرو کہ اللہ کا نور اس ضرب کے ساتھ ساتھ دل میں داخل ہو رہا ہے۔ اور پھر اس نور مطلق کی تجلی کو اپنے دل میں مشاہدہ کرو۔

(اگر آداب ذکر ملحوظ رکھکر یہ ذکر کیا جائے گا۔ تو سالک کو یقینی طور پر تجلی ذات کا اپنے دل میں مشاہدہ ہوگا۔ یہ تجلی بعینہٖ ویسی ہی تجلی ہوگی جیسی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پہ دیکھی تھی اور بیہوش ہو گئے تھے۔

شعر

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات | تو عین ذات می نگری در تبسمی

یہ امتیان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت ہے۔

درحقیقت ذکر کی حقیقت کا انکشاف اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک یہ عقیدہ بنور علم الیقین کے ساتھ نہ ہو کہ تمام کائنات میں اللہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ یعنی لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی تمام کائنات میں اللہ کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہے۔ بغیر اس عقیدہ کے ذکر کی اصلیت ذاکر کے ذہن پر طاری نہیں ہو سکتی۔ اگر اس عقیدہ سے ذکر کیا جائیگا۔ تو ذاکر کو اصل لذت حاصل ہوگی۔ صرف زبان سے لفظوں کا ہزاروں مرتبہ کہنا اور تسبیح کے دانوں پر گن گن کر سوا سوا لاکھ مرتبہ ذکر کرنا اس فہم کے بغیر بالکل بیکار اور قطعی بیہودہ ہے۔ چنانچہ آیت مندرجہ عنوان کی رو سے اللہ کا ذکر ہر مسلمان پر فرض ہے۔

لسان۔ زبان کو کہتے ہیں۔ اور اس کا مقام منہ میں ہے۔ صرف زبانی ذکر کو ذکر لسانی کہتے ہیں جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

قلب۔ کا مقام بائیں چھاتی کے نیچے دو انگل [illegible]

روح۔ کی جگہ قلب کے مقابلہ میں داہیں پستان کے دو انگل نیچے ہے۔ اور رنگ اسکا سفید ہے۔

سر۔ کا مقام بائیں پستان کے دو انگل اوپر ہے۔ اور رنگ اس کا سبز ہے۔

خفی۔ کا مقام سر کے مقابلہ میں داہیں پستان کے دو انگل اوپر ہے۔ اور رنگ اسکا سیاہ ہے۔

اخفیٰ۔ کی جگہ پیشانی میں مابین دونوں ابرو کے واقع ہے اور رنگ اسکا بیرنگ ہے۔ اور بعض کا مقولہ ہے کہ اخفیٰ کا رنگ سرخ زردی مائل ہو۔

اخفیٰ الاخفیٰ۔ کا مقام سر میں امّ الدماغ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اخفیٰ الاخفیٰ کا مقام لامکان ہے۔ لیکن کثرت رائے امّ الدماغ کی طرف ہے۔ اور میرے خیال میں بھی یہی درست ہے کیونکہ اکثر ذاکروں کو میں نے اس مقام کا ذکر کرتے دیکھا ہے۔ اور اپنے پیر و مرشد کے ارشاد سے خود بھی کیا ہے۔ اس مقام کے ذکر میں۔ ذکر، ذاکر، اور مذکور، اور حس ذکر۔ ہوش و حواس۔ بلکہ بندگی اور خدائی باقی نہیں رہتی۔ سب سے پہلے اس مقام میں انوار سیاہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ مقام اس تاریکی کا ظل ہے۔ جو تخلیق کائنات سے قبل تھی اور اس کے بعد سالک مقام احدیت میں پہنچکر ذات مطلق سے واصل ہو جاتا ہے یہ وہ مقام ہے۔ جہاں ہوش و حواس عقل و فہم کی رسائی نہیں ہے۔

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ اپنے ایک جلیل القدر نوازش نامہ میں مولانا حسام الدین ملتانی کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"اکثر صوفیائے کرام کا اتفاق ہے۔ کہ مضغہ کے تصفیہ کے واسطے پورا کلمہ طیبہ کا ذکر یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ذکر کافی ہے۔" اور یہ مقام شریعت ہے۔

تصفیۂ نفس اور یہ مقام طریقت ہے اس کے واسطے صرف ذکر نفی اثبات یعنی لا الٰہ الا اللہ کا ذکر بہتر ہے۔ (لا اِلٰہ کو نفی اور اِلّا اللہ کو اثبات کہتے ہیں)

تصفیۂ قلب کے واسطے (کہ مقام حقیقت ہے)، صرف ذکر اثبات الا اللہ کافی ہے۔

تصفیۂ روح [illegible]

تصفیہ سر میں ذکر مقام قرب ہے، ذکر ھُو مناسب ہے۔
تصفیہ خفی میں ذکر مقام وصل ہے، حبس دم کے ساتھ ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دبا ہو۔
تصفیہ اخفی میں ذکر مقام وحدت ہے، ذکر ھُوَ الْمَوْجُوْدُ بہتر ہے۔
تصفیہ اخفی الاخفی۔ یا انا میں ذکر مقام سکوت ہے، اس مقام پر انوار سیاہ محیط ہوتے ہیں اسلئے صرف تصور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ بے حرکت دل و زبان انسب ہے۔

کلموں کا بیان اور ترجمہ

اول کلمہ طیب

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اول کلمہ کا ترجمہ

اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد صلعم اللہ کے رسول ہیں

دوم کلمہ شہادت

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

ترجمہ

میں گواہی دیتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلعم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

سوم کلمہ تمجید

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

ترجمہ

اللہ پاک ہے۔ اور سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ بڑا ہے اور کسی کو گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں اور نیک کام کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ بزرگ و برتر کی مدد سے

چہارم کلمہ توحید

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ [illegible]

ترجمہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی [illegible] اسی کا ہے سب تعریف

حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؕ

اسی کے لئے ہے اور خود وہ زندہ ہے جو کبھی نہ مریگا وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا ہمیشہ ہمیشہ بزرگی اور بخشش والا اسی کے ہاتھ میں نیکی ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

پنجم کلمہ ردِّ کفر

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِهٖ تُبْتُ عَنْهُ وَتَبَرَّاْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَالْكِذْبِ وَالْبُهْتَانِ وَالْفَوَاحِشِ وَالْمَعَاصِيْ كُلِّهَا اَسْلَمْتُ وَاَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ترجمہ

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ جان بوجھکر کسی شئی کو تیرا شریک کروں۔ اور بخشش طلب کرتا ہوں تجھ سے اس گناہ کی جس کو میں نہیں جانتا اور توبہ کی میں نے اس سے اور بیزار ہوا میں کفر و شرک و جھوٹ و بہتان اور فحش اور سب گناہوں سے اور اسلام لایا میں اور کہتا ہوں لا الٰہ الا اللہ۔

صفت ایمان مجمل

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌۢ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌۢ بِالْقَلْبِ ؕ

ترجمہ

میں اللہ پر ایمان لایا جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے اور اُسکے سب حکم قبول کئے زبان سے اقرار کر کے اور دل سے یقین کر کے

ایمان مفصل

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

ترجمہ

میں اللہ پر ایمان لایا اور اسکے سب فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور اس کے سب پیغمبروں پر اور قیامت کے دن پر اور سب نیکی بدی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر بھی ایمان لایا۔

اذکار و اشغال کے بیشمار طریقے ہیں۔ اگر ان سب کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے گی
اس وجہ [illegible] طریقے لکھتا ہوں جو خود نے کئے ہیں

ذکر نفی اثبات

نفی اثبات کے ذکر کو ذکر فنا لبقا۔ اور آور دو ضرب وہی کہتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں لا الہ کو نفی۔ اور الا اللہ کو اثبات کہا جاتا ہے۔ ذکر کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ ایک حجرہ میں جسمیں روشنی نہو اس میں مربع بیٹھے۔ یعنی آلتی پالتی۔ اور دائیں پاؤں کے انگوٹھہ اور اس کی برابر والی انگلی سے بائیں پاؤں کے گھٹنے کی جڑ والی رگ (یعنی رگ کیماس) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے کیونکہ اس رگ سے دل کا تعلق ہے اور اس کے دبانے سے قلب میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ نشست میں قبلہ رو بیٹھنا لازم ہے۔ اور بیٹھنے میں کمر کو بالکل سیدھا رکھنا چاہیے۔ دونوں ہاتھ دونوں زانو پر رکھنے ضروری ہیں۔ حجرہ تاریک اور دونو آنکھیں بند رکھنا بھی ضروری ہیں۔ اس کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھکر تین مرتبہ کلمہ طیبہ اور ایک بار کلمہ شہادت پڑھے۔ بعدہٗ بائیں زانو کے قریب اپنی پیشانی کو لیجائے اور بڑے خوش لحنی کے ساتھ باآواز بلند خواہ آہستہ لا الہ شروع کرے اور سر کو دائیں زانو کے اوپر سے پھراتا ہوا دائیں مونڈھے تک لائے۔ سانس کو اتنا روکے کہ جتنے عرصہ میں تین ضربیں لگ سکتی ہوں اس کے بعد سر کو تھوڑا سا پیچھے کی طرف کج کرکے یہ تصور کرے کہ میں نے تمام خطرات ماسوی اللہ کو نکال کر پس پشت ڈالدیا۔ بعدہ بائیں مونڈھے تک سر کو لائے اور بائیں چھاتی کی طرف رخ کرکے۔ اور سر جھکا کر فضا دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے۔ اور یہ تصور کرے۔ کہ میں نے اللہ کو اپنے دل میں بھر لیا۔ سب سے پہلے اس ذکر کو دو سو مرتبہ کرے۔ اس کے بعد چار سو بار صرف ذکر اثبات مجرد۔ یعنی الا اللہ کرے لیکن اس طرح سے کہ دائیں کندھے کی طرف سر کو لیجا کر پوری قوت سے دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے۔

ذکر اسم ذات۔ یعنی اللہ

سر کو دائیں کندھے کی طرف لا کر یعنی [illegible] کو [illegible] ختم کرکے پہلے اللہ۔ یعنی

پہلے لفظ اللہ کی (ہ) کو پیش سے پڑھے۔ اور پہلی ضرب لطیفہ روح پر لگائے۔ جو دائیں چھاتی یعنی دائیں پستان کے دو انگل نیچے واقع ہے۔ اور دوسرے لفظ اللہ کے حرف (ہ) کو ساکن رکھے۔ اور قلب پر اس کی ضرب لگائے۔ لہذا اب اس ذکر کی صورت اَللّٰہُ اللہ ہوگی۔ یعنی لطیفہ روح پر اَللّٰہُ کی ضرب لگائے۔ اور لطیفہ قلب پر اللہ کی اور اس اسم ذات کو چھ سو دفعہ کرے۔ بس اسی کو بارہ تسبیح کا ذکر کہتے ہیں۔ یہ ذکر مخصوص طریقے سے تہجد گذاروں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ تہجد والوں کیلئے اس ذکر کا یہ طریقہ ہے کہ تہجد کے وقت بارہ رکعت نفل دو دو رکعت کی نیت سے پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِيْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ۔ يَا نُوْرُ يَا نُوْرُ يَا نُوْرُ۔ یعنی یا اللہ میرے دل کو غیر کے خیال سے پاک کردے اور میرے دل کو اپنے نور سے ہمیشہ کے لئے روشن فرما دے۔ یا نور یا نور یا نور" اس کے بعد توبہ واستغفار پڑھے۔ پھر تین مرتبہ یہ درود شریف پڑھے۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ۔ اس کے بعد حسب طریقہ مذکور ذکر کرے۔

اگر حبس دم کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ تو تمام خطرات بھی دفع ہوتے جائیںگے۔

خطروں کا بیان

خطرے چار قسم کے ہوتے ہیں، جو نماز اور ذکر کے وقت آتے ہیں۔

(۱) خطرہ شیطانی۔ (۲) خطرہ نفسانی۔ (۳) خطرہ ملکی۔ اور (۴) خطرہ رحمانی۔

(۱) خطرہ شیطانی: [illegible] غضب۔ اور خطرات ماسوی اللہ وغیرہ

یعنی دُنیوی خیالات۔

(۲) **خطرہ نفسانی** خواہشِ طعام۔ شہوت نفس۔ حرص ذخیرہ (یعنی روپیہ پیسہ اور تمام اشیا جمع کرنیکی خواہشیں) خواہش آرائش۔ خواہش شہرت۔ خواہش زیبائش۔ ہوس زیست حُبِ جاہ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) **خطرہ ملکی**۔ میں ثواب کی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جیسے رغبت عبادات۔ خواہش زہد و پارسائی۔ آرزوئے صوم و صلوٰۃ مزید یعنی دائم الصوم اور قائم اللیل ہونیکی آرزو تمنائے صلوٰۃ شب۔ یعنی تہجد کی خواہش۔ ہوس شب بیداری وغیرہ وغیرہ۔

(۴) **خطرہ رحمانی**۔ اخلاص و محبت۔ اور دیدار الٰہی کا ذوق شوق بڑھتا ہے۔ اور عشق الٰہی تک پہنچاتا ہے۔ پس بائیں زانو کا سر شیطانی خطرے کے دفع کا محل ہو کیونکہ بائیں جانب مقام شیطان ہے یعنی خناس کا مقام ہے۔ اور داہنے زانو کا سر خطرہ نفسانی کے دفعہ کا موضع ہے کیونکہ بہکانے میں ہمیشہ نفس و شیطان دونوں کی شرکت رہتی ہو۔ اور داہنا کندھا خطرہ ملکی کے دفع کا مقام ہے (جو داہنا کاتب ہے) اور دل کی فضا خطرہ رحمانی کا مقام ہے۔ جس کو ذکر قلب حاصل ہو جاتا ہو۔ اس کی یہ علامت ہے کہ ذاکر اپنے ذکر کو اپنے قلب کی آواز سے سنتا ہو بعض اوقات وہ آواز شور و غل سے دب جاتی ہے۔ اور جب پختہ ہو جاتی ہو تو تمام شور و شغب بلکہ توپوں کی آواز پر بھی حاوی آجاتی ہے۔ بعض وقت تمام چیزوں سے یا مخصوص اشیاء سے اپنے ذکر کو ذاکر سنتا ہے۔

ذکر روح

جن کو ذکر روح حاصل ہو جاتا ہے۔ ان کی یہ نشانی ہے۔ کہ وہ تمام چیزوں سے تسبیحات مخصوصہ سنتے ہیں اور سوائے حق تعالےٰ کے اور کسی وجود کو فاعل حقیقی نہیں جانتے۔ یعنی ان کے حسِ یقین پر وحدت الوجود طاری [illegible] ہوتے ہیں کہ

ذکر قلب میں حضور حق اور حضور خلق برابر ہے - اور ذکر روح میں حضور خلق کی نسبت حضور حق کو غلبہ ہے -

ذکر نفی اثبات معہ ضربات

نوٹ - ان تمام اذکار میں قواعد مذکورہ جو ذکر نفی اثبات میں بیان کئے جا چکے ہیں انہیں پر عمل ہوگا -

ذکر یک ضربی یہ ہے - کہ ناف کے قریب سے سانس کو کھینچکر - یعنی لَآ اِلٰہَ کو کھینچکر دائیں کندھے تک لیجائے پھر اِلَّا اللہ کی ضرب فضاء دل پر لگا کر لذت حاصل کرے -

ذکر دو ضربی - یہ ہے کہ دائیں کندھے پر لَآ اِلٰہَ کی ایک ضرب لگائے اور بائیں کندھے پر دل کی فضاء میں دوسری ضرب - جب نو بار کہہ چکے تو دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرے -

ذکر سہ ضربی - پہلی لَآ کی ضرب دائیں کندھے پر - دوسری اِلٰہَ کی ضرب سر کے اوپر یعنی آسمان کی طرف - اور تیسری اِلَّا اللہ کی ضرب دل پر لگا کر تجلیات کا مشاہدہ کرے -

ذکر چہار ضربی - ایک تنگ و تاریک مکان میں قواعد مذکورہ کی پابندی کے ساتھ بیٹھکر اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں زانو کے سرے مضبوط پکڑے - اور اسی طرح رگ کیماس کو پکڑے (جس کا پہلے ذکر آچکا ہے تاکہ دل میں حرارت پیدا ہو جائے - اور وہ چربی جو دل کے گرداگرد خناس کہلاتی ہے پگھل جائے)

حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ فوائد الفوائد کے صفحہ ۵۹ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ خناس وہ دیو ہے جو ہمیشہ فرزند آدم کے دل پر ہوتا ہے - جب انسان ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو ذکر کی حرارت سے اس کا دفع ہونا شروع ہو جاتا ہے - اور کثرت ذکر سے بالکل فنا ہو جاتا ہے - اس کے بعد خواہ جہر کے ساتھ خواہ خفی چہار ضربی ذکر اس طریقہ سے کرے - کہ لَآ کی ضرب دائیں زانو سے شر[illegible] مونڈھے پر لگائے پھر اِلَّا کی تیسری

ضرب بائیں کندھے پر لگائے۔ اور اللہ کی چوتھی ضرب زور سے فضاء دل پر لگائے۔ اور کمل لذت حاصل کرے۔

ذکر پنج ضربی۔ مذکورہ بالا طریقے سے کلمہ طیبہ کی پہلی ضرب دائیں طرف۔ دوسری ضرب بائیں طرف۔ تیسری ضرب سر اٹھا کر آسمان کی طرف۔ چوتھی ضرب فضاء دل پر۔ اور پانچویں ضرب آگے کی طرف نیچے کو اترتی ہوئی لگائے۔

ذکر شش ضربی۔ اسے کہتے ہیں۔ جو شش جہت۔ یعنی چھ طرفوں میں منقسم ہو یعنی اوپر۔ نیچے۔ آگے۔ پیچھے۔ دائیں۔ بائیں۔ کلمہ طیبہ کو مذکورہ بالا قاعدہ سے چھ ضربوں کے ساتھ کرے۔ **نوٹ:۔** ان تمام اذکار میں سے ہر قسم کے ذکر کو کم سے کم پانچسو مرتبہ اور زیادہ سے زیادہ پانچہزار مرتبہ تک کرنیکی اجازت ہے اور اوسط درجہ گیارہ سو مرتبہ ہے۔

ذکر نفی اثبات کی ایک اور نئی ترکیب یہ ہے۔ کہ چت لیٹ کر اس طرح کیا جاتا ہو۔ سب سے پہلے چت لیٹے۔ دونوں پاؤں کے انگوٹھوں کو اور ایڑیوں کو ملائے رہے۔ دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر انگلیوں کو کشادہ رکھے لَاۤ اِلٰہَ کی ضرب دائیں طرف اور اِلَّا اللہُ کی ضرب بائیں طرف لگائے۔ اس ذکر کو سوتے وقت صرف ایکسو مرتبہ کرنا چاہیئے۔ اور جاگتے وقت پانچسو مرتبہ۔

ذکر جبروتی۔ لَاۤ اِلٰہَ کو دل سے خوب کھینچتا ہوا اوپر کی طرف لیجائے۔ یعنی آسمان کی طرف اور پھر اِلَّا اللہُ کی ضرب دل کی فضا پر لگائے۔ اس ذکر کی تعداد بھی صرف پانچسو دفعہ کی ہے۔ یا جس قدر ذوق بڑھتا جائے ذکر کو بڑھاتا جائے۔

اذکار قُرب

اَنَا فِیْہِ ھُوَ فِیْہِ۔ اسکے یہ معنے ہیں۔ کہ میں اس میں ہوں وہ مجھ میں ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی طرف سر جھکا کر انا کہے۔ پھر اوپر کی طرف سر اٹھا کر فیہ کہے۔ اور ھو کی ضرب بائیں کندھے پر لگاتا ہوا منہ ... [illegible] ... کی طرف نظار قلب ... کی ضرب

لگائے۔ پھر مقام قرب کی لذت حاصل کرے۔ اس ذکر کو بھی صرف ایک سو دفعہ سے شروع کرنا چاہیئے۔ اگر ذوق ترقی کرے تو حسب استعداد شوق رفتہ رفتہ بڑھاتا جائے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا۔ لَا اِلٰہَ کی ضرب دائیں کندھے پر۔ اِلَّا کی ضرب بائیں کندھے پر اور اَنَا کی ضرب فضا، دل پر لگائے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا کے یہ معنے ہیں۔ کہ میرے سوا کوئی اللہ نہیں ہے اس ذکر کو بھی ایک سو مرتبہ جھک کر کرنا چاہیئے۔

اَنَا اَنْتَ اَنْتَ اَنَا۔ اس کے معنے یہ ہیں۔ میں تو ہوں۔ تو میں۔ اَنَا کی ضرب دہن قلب پر لگائے اَنْتَ کی ضرب دائیں کندھے پر۔ دوسرے اَنْتَ کی ضرب اوپر یعنی فضا، آسمان کی طرف۔ اور دوسرے اَنَا کی ضرب دل پر لگائے۔ اس ذکر کو بھی ایک سو مرتبہ کرنا چاہیئے

اِنِّیْ اَنَا اللہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا۔ اس ذکر کو اس طرح کرنا چاہیئے کہ اِنِّیْ کہکر پہلی ضرب دائیں مونڈھے پر لگائے اور اَنَا اللہُ کی دوسری ضرب بائیں کندھے پر لگائے پھر لَا اِلٰہَ کی تیسری ضرب لطیفہ روح پر لگائے۔ اور اِلَّا اَنَا کی چوتھی ضرب دہن قلب پر لگائے اس ذکر کو بھی ایک سو مرتبہ کرنا چاہیئے۔

ھُوَ ھُوَ ھُوْ۔ پہلے دائیں کندھے کی طرف منہ کرکے ھُوَ کہے۔ پھر بائیں کندھے کی طرف ھُوَ کہے۔ اس کے بعد ھُوْ کی ضرب دل پر لگائے۔ اس کو بھی ایک سو دفعہ سے شروع کرنا چاہیئے۔

ذکر مشی اقدام۔ اگر تیز چل رہا ہو۔ تو ہر قدم کے اٹھانے اور رکھنے پر اِلَّا اللہُ کہتا چلا جائے۔ یعنی دایاں قدم جب اٹھا کر رکھے تو اِلَّا اللہُ کہے۔ اور بایاں قدم جب رکھے تو اِلَّا اللہُ۔ یعنی "لا" کو ساکن کرکے دل پر ضرب لگاتا ہوا چلے۔ اور اگر آہستگی سے چل رہا ہو۔ تو دایاں پاؤں رکھنے کے وقت لَا اور بائیں پر اِلٰہَ اور پھر دائیں پر اِلَّا اور بائیں پر اللہ کہتا ہوا چلے۔ اس میں سے جو رفتار کہ مناسب ہو وہی مناسب ہے۔

ذکر پاس انفاس۔ یہ ہے کہ جب [illegible] سانس [illegible] جائے۔ تو لَا اِلٰہَ کہے اور جب

باہر کا سانس آئے تو اِلّا اللہ کہے۔ لیکن اس طرح سانس سے کہے۔ کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی خبر نہ ہو۔

اسم ذات کا پاس انفاس۔ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگا کر منہ بند کرے۔ اور جب اندر کا سانس لے۔ تو لفظ اللہ ادا کرے اور سانس کو اتنا روکے کہ پیٹ و سینہ سانس سے بھر جائے۔ اور یہ خیال کرے۔ کہ اللہ تمام باطن میں محیط ہے۔ اور اس کے بعد سانس کو آہستہ سے باہر لاتے ہوئے ھُو کہے یعنی اندر کے سانس میں اللہ اور باہر کے سانس میں ھُو کہنا چاہیے۔ بس اس کو اللہ ھُو یعنی اسم ذات کا پاس انفاس کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا دونوں پاس انفاس قیدِ شمار سے باہر ہیں۔

اذکار سینہ بسینہ

اس سلسلہ عالیہ نظامیہ میں چند ذکر سینہ بسینہ چلے آتے ہیں۔ یعنی جب مرید ریاضتوں چلہ کشیوں۔ اور مجاہدوں سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پورا تصفیہ حاصل ہو جائے یعنی تصفیہ اور تزکیہ مکمل ہو جائے۔ تو شیخ کو چاہیے کہ ذاکر کی حسب ضرورت۔ اور حسب استعداد اذکار ذیل میں سے تعلیم کرے۔

ذکر مغیث اگر سالک کو ذات وصفات کے مشاہدہ میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہو۔ تو یامُغِیثُ یامُغِیثُ یامُغِیثُ یا ھُوۡ یا ھُوۡ یا ھُوۡ تعلیم کرتے ہیں۔ (ان کی تعداد شمار صرف ایک سو دفعہ ہے) اور یہ طریقہ ہے کہ اس ذکر کے وقت دوزانو بیٹھے۔ (یعنی نماز کے قاعدہ کی نشست) مگر اس طرح کہ ہر دو سُرین ہر دو قدم سے باہر نکلے رکھے۔ یعنی دونوں سُرین کو زمین پر رکھے۔ اور دائیں ہاتھ سے بایاں بازو۔ اور بائیں ہاتھ سے دایاں بازو خوب مضبوط پکڑے۔ اور چھ ضربیں ان کلمات بالا کو کہے۔ یعنی پہلی ضرب یامُغِیثُ کی دہنے قدم اور دہنے زانو کے درمیان لگائے۔ دوسری یامُغِیثُ کی ضرب آسمان کیطرف تیسری یامُغِیثُ کی ضرب بائیں قدم [illegible] اور چوتھی [illegible] ضرب

جگر پر۔ پانچویں یَاھُوْ کی ضرب لطیفہ سر پر۔ اور چھٹی ضرب یَاھُوْ خوب زور و قوت کیساتھ فضاء دل پر لگائے۔ اور یہ خیال کرے کہ ھُوْ سے مراد احدیت مطلقہ ہے جو معدوم الآثار ہو اس ذکر کے دوران میں عطر کا استعمال مفید ہے۔ اور اگر تھوڑا سا زعفران دودھ میں ملا کر پیا جائے تو بہت بہتر ہے۔ اور کبھی اس ذکر کو تین کلموں اور تین ضربوں پر اختصار کرتے ہیں۔ اور ھُوْ ھُوْ یَا ھُوْ پر ختم کرتے ہیں۔

ذکر تجلی انانیت

اس ذکر کا بیان اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔ لیکن اس کا یہ دوسرا طریقہ نہایت لطیف ہے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا اس کا یہ طریقہ ہے کہ آسمان کی طرف سر اٹھا کر اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ کہے۔ پھر دہنے کندھے کی طرف منہ پھیر کر لَا اِلٰہَ کہے اور اِلَّا اَنَا کی ضرب فضاء دل پر لگا کر اس لذت سے بہرہ اندوز ہو جو بیان سے باہر ہے۔ اس ذکر کو ایک سو مرتبہ کرنا چاہیے۔

دوسرا ذکر معیت۔ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا۔ اس کا بھی ایک طریقہ بیان ہو چکا ہے لیکن دوسرا طریقہ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اس ذکر کو چار ضربوں کے ساتھ اس طرح کرے کہ لَا کی پہلی ضرب دائیں کندھے پر۔ اور اِلٰہَ کی دوسری ضرب آسمان کی طرف سر اونچا کر کے اِلَّا کی تیسری ضرب بائیں کندھے پر۔ اور اَنَا کی چوتھی ضرب قلب کے منہ پر لگا کر تجلیات ذات کا مشاہدہ کرے۔ اس ذکر کو بھی ایک سو دفعہ کرنا چاہیے۔

یَا ھُوْ یَا حَقْ ھُوْ۔ اس ذکر کو بھی چار ضربوں کے ساتھ ایک سو دفعہ اس طرح کرتے ہیں کہ یَاھُوْ کی پہلی ضرب آسمان کی طرف۔ پھر یَا کی دوسری ضرب دائیں کندھے پر۔ حَقْ کی تیسری ضرب بائیں کندھے پر۔ اور ھُوْ کی چوتھی ضرب قلب کے منہ پر لگانا چاہیے۔ اس ذکر کا خاص وقت آخر شب ہے۔

لَا ھُوْ اِلَّا ھُوْ [illegible] ذکر کے بعد [illegible] فجر سے قبل دو ضربوں کے ساتھ صرف

ایک سَو دفعہ اس طرح کرنا چاہیے۔ کہ سر کو نیچے قلب کی طرف جھکا کر لَا ھُو کہتا ہوا داہنی شانے کے اوپر لیجائے اور یہ خیال کرے کہ ماہیت ماسوی اللہ کو دل سے نکال کر پسِ پشت ڈال دیا پھر اِلَّا ھُو کہکر دل پر ضرب لگانا چاہیے۔ اس ذکر میں حبسِ دم کا طریقہ عمل میں لائے۔

ذکر مقام احدیت۔ یعنی یَا ھُو کا ذکر اس طرح کرنا چاہیے کہ یَا کہکر سر کو آسمان کی طرف اونچا کرے۔ اور ھُو کی ضرب دل پر لگائے۔ اس ذکر کو بھی پانچسو دفعہ بعد عشا یا قبل نماز فجر کرنا چاہیے۔

ذکر اسم ذات۔ یعنی یَا اَللّٰہُ ھُوْ۔ اس کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یَا کہکر آسمان کی طرف کھلی آنکھوں سے ٹکٹکی لگا کر دیکھے اور حبسِ دم کئے رہے۔ پھر اَللّٰہُ ھُوْ کی ضرب دل کے نقطہ پر لگائے۔ اس ذکر کو جنگل میں بیٹھکر بجز اوقات زوال کے ہر وقت کرسکتے ہیں۔ اور آبادی میں بعد تہجد کے کرنا چاہیے۔ اس کی تعداد شمار ایک سَو دفعہ سے شروع ہوتی ہے۔ اور پانچسو دفعہ اس کا اوسط درجہ ہے۔ لیکن ذوق و شوق بڑھنے سے بیشمار ہو جاتا ہے۔

ذکر دفع امراض۔ اس طرح کرنا چاہیے کہ داہنی طرف یَا اَحَدُ۔ بائیں طرف یَا صَمَدُ آسمان کی طرف یَا وِتْرُ اور دل پر یَا مُحَمَّدُ کی ضرب لگائے۔ تو انشاء اللہ [illegible] صحت یاب ہو جائے گا۔ اس ذکر کو بھی ضرورت کے وقت ایک سَو دفعہ کرنا چاہیے۔

ذکر کشف حقائق۔ جس وقت جہاں ہو وہیں مربع بیٹھکر اوپر کی طرف آگے کو منہ کر کے یَا اَحَدُ کہے۔ پھر یَا صَمَدُ کی فضا دل پر ضرب لگائے۔ اس ذکر کو دو سَو دفعہ کرنا چاہیے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ اس ذکر کو ذکر معیت مذکورہ بالا کے طریقے سے چار ضربوں کے ساتھ صرف ایک سَو دفعہ کرنا چاہیے۔ ھُوَ ھُوْ اَدْ ھُوْ اِلَّا ھُوْ۔ اس ذکر کو جنگل میں ہر وقت کرسکتے ہیں لیکن بستی میں اس کا خاص وقت بعد تہجد ہے۔ اور مذکورہ بالا شش ضربی ذکر کے طریقہ پر صرف ایک سَو دفعہ کرنا مناسب ہو۔

ذکر کشف الملکوت۔ اس ذکر [illegible] کرتے ہیں۔

اُن سے گفتگو بھی ہوتی ہے۔ مگر پانچ ہفتہ کے بعد لیکن اس ذکر میں برزخ شیخ قائم رکھنے کی اشد ضرورت ہے اگر برزخ شیخ قائم نہ ہوگی تو خطرہ جان ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ دائیں طرف سُبُّوْحٌ بائیں طرف قُدُّوْسٌ قبلہ کی طرف منہ کرکے۔ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ۔ اس ذکر کو عشا کے بعد دو زانو بیٹھکر پانچسو مرتبہ کرنا چاہیئے۔

ذکر ھُوْ۔ کا یہ طریقہ ہے۔ کہ سانس کی ہر ایک آمد و رفت کے ساتھ لفظ ھُوْ کہے اور اس قدر کہے کہ آہ ھُوْ ہو جائے۔ اس کا بھی وقت عشاء کے بعد اور شمار بیشمار ہے۔

ذکر کشفِ اَرْوَاح۔ اس ذکر سے ہر ایک روح کا حال منکشف ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی شخص کی روح ہو۔ اور کوئی مزار ہو۔ اس کی ترکیب یہ ہے۔ کہ مربع بیٹھکر کے پہلے اکیس دفعہ بسم اللہ شریف پڑھکر۔ اکیس بار یَارَبُّ آسمان کی طرف منہ کرکے کہے۔ پھر دائیں طرف منہ کرکے یَارُوْحُ کہے۔ اور بائیں طرف دل کی فضا پر یَا سُبُّوْحُ الرُّوْحُ کی ضرب لگائے مگر استمداد شیخ اور تصور شیخ سے غافل نہ رہے۔ ورنہ نقصان اٹھائیگا۔ اس طرح سے بخوبی انکشاف ہو سکتا ہے۔ اور اس ذکر کو گیارہ سو مرتبہ کرنا چاہیئے۔ اور کم سے کم پانچ سو مرتبہ بھی کرتے ہیں۔

ذِکرِ کشفِ قُبُوْر یعنی یَانُوْرُ اِکْشِفْ لِیْ عَنْ حَالِہٖ اگر کسی مزار سے استفادہ حاصل کرنا ہو یا اگر کسی صاحب مزار کا یہ حال معلوم کرنا ہو کہ وہ عذاب میں ہے۔ یا ثواب میں۔ تو اس ذکر کے ذریعہ سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر تصور شیخ اس قدر مضبوط اور کامل ہونا چاہیئے۔ کہ برزخ شیخ یقینی طور پر قائم رہے اور شیخ کو پشت پناہ بنائے رہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے۔ کہ مزار پر جا کر صاحب مزار کے چہرہ کے مقابل بیٹھے۔ اور آسمان کی طرف منہ کرکے یَانُوْرُ کہے۔ اور اِکْشِفْ لِیْ کہکر دل پر ضرب لگائے اور عَنْ حَالِہٖ کہکر مزار پر ضرب لگائے تو صاحب مزار کی روح سامنے آجائے گی جس سے روحانی استفادہ ہوگا۔ اور اگر کسی معمولی انسان کی حالت معلوم کرنی ہو تو اس [illegible] کے بجائے اِکْشِفْ [illegible] قبر پر لگائے تو صاحب قبر کا کل حال

معلوم ہو جائے گا۔ اس ذکر کی تعداد بھی پانچ سو بار ہے۔

اشغال

شغل نصیرہ۔ اس شغل سے دل کے وسواس اور خطرے دور ہو جاتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ صبح یا شام کے وقت قبلہ رو دو زانو بیٹھ جائے۔ اور دل کو یکسو کر کے دونوں آنکھوں کی نظر ناک کی چونچ پر جمائے مگر پلک نہ جھپکنے دے۔ اور اس دید میں ایک غیر معین نور کا تصور کرے شروع شروع میں آنکھوں سے پانی بہیگا۔ اور کچھ درد بھی محسوس ہو گا۔ مگر رفتہ رفتہ عادت ہو جائیگی

شغل محمودہ۔ اس کا یہ طریقہ ہے کہ نظر کو دونوں بھووں کے بیچ میں جمائے جو ناک کے اوپر اور پیشانی کے نیچے واقع ہے۔ یہ ذرا مشکل ہے مگر فائدہ بہت ہے۔ ان اشغال سے ذکر اور نماز میں خطرے نہیں آنے پاتے۔ بس دفع خطرات کا یہ مجرب علاج ہے۔ ہندو فقراء کے ہاں بھی اسی طرز کے دو اشغال ہیں جن کو "ترکٹی" اور "بھرکٹی" کہتے ہیں۔

سلطان الاذکار۔ اس شغل کو ہندو فقراء کے یہاں "اجپا جاپ" یا "سرت شبد" کہتے ہیں۔ اسکے بہت سے طریقے ہیں۔ لیکن سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ؎

چشم بند و لب ببند و گوش بند | گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

اور دوسرے شعر میں بھی سیاح عالم قدس یعنی حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسی سلطان الاذکار کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔؎

بر لبش قفل است و در دل رازہا | لب خموش و دل پُر از آوازہا

آنکھ۔ کان۔ منہ۔ موند کے نام نرنجن لے | بھیتر کے پٹ تب کھلیں جب باہر کے پٹ دے

اور شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے اشعار میں سلطان الاذکار کی اسی طرح تعلیم فرماتے ہیں۔؎

جو تو سر کو چاہے فریدا آنکھ کان منہ کر بند | ابھی نہ جب وہ نکلی جائے سگری تان بجے تن تن

مگر اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آنکھ، کان، منہ ہاتھ کی انگلیوں سے بند کر کے سانس

ناف کے نیچے سے کھینچے اور دماغ تک لیجائے۔ بس وہیں سانس کو روکے رکھے۔ اور لطیفہ اخفیٰ جو اُمُّ الدِّماغ کہلاتا ہے اس پر دل کی آنکھ لگائے رہے تو اس تجلی کا مشاہدہ کرے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیکھی اور جس کو دیکھکر وہ بیہوش ہو گئے تھے۔ اور جب حبس دم کی طاقت کم ہونے لگے۔ تو ناک کی راہ سے رُک رُک کر سانس کو چھوڑے۔ اور بعض فقرا اس شغل کو بغیر حبس دم کے بھی کرتے ہیں۔ "سلطان الاذکار" میں بیس قسم کی مختلف آوازیں آتی ہیں جن کے لکھنے کی ممانعت ہے۔ لیکن میں رفاہِ عام کی غرض سے کچھ نہ کہنے کی برابر کچھ کہتا ہوں۔ اس شغل کے شاغل کو سب سے پہلے اوپر سے پانی گرنے کی مبہم آواز سنائی دیتی ہے بلکہ ہر آدمی کو کان بند کرنے کے بعد ایسی ہی آواز سنائی دیتی ہے۔ لہذا شاغل کو اس آواز کی طرف ایسا مشغول ہونا چاہیئے کہ ایک سیکنڈ غفلت نہ ہونے پائے۔ جب اس میں استحکام ہو جائے۔ تو تھوڑی سی انگلی ڈھیلی کرکے یہ اندازہ کرے۔ کہ عالم شور سے وہ آواز بند تو نہیں ہوتی اگر بند ہو جائے تو ورزش بڑھائے۔ اگر بند نہ ہو تو رفتہ رفتہ یہ عادت ڈالے کہ بغیر انگلیوں کے بند کئے وہ آواز سنائی دینے لگے۔ اور بازار کا شور بھی مزاحم نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ آواز تمام آوازوں پر غالب ہو جائے۔ اور شاغل ایسی لذت پائے جو بیان سے باہر ہے پس یہیں سے "صوت سرمدی" "ندائے غیب" یا "آکاش بانی" شروع ہوتی ہے۔ اور وہ صدا سنائی دیتی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر سنی تھی۔ اس وقت شاغل کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور ہر شاغل کو رفتہ رفتہ بیسوں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اور ان میں آوازوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور قائم ہو جاتی ہے۔ جو شاغل کو مرغوب ہوتی ہے۔ "صوت سرمدی" کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اور اولیاء اللہ کو اسی کے ذریعہ سے الہام ہوتا ہے۔ کبھی وقت بعض انبیا علیہم السلام کی سمجھ میں جب وحی کے الفاظ پورے طور پر نہیں آئے ہیں تو اس کے سمجھنے کے لئے دوسری وحی کا انتظار کیا گیا ہے۔ ویسے ہی جب اولیاء اللہ کی سمجھ میں الہام غیبی کے الفاظ نہیں آتے تو وہ اُس وقت تک پریشان

رہتے ہیں۔ جس وقت تک دوسرے الہام کے ذریعہ سے وہ ارشادات صاف طور پر سمجھ میں نہ آجائیں۔ بس اللہ اور اس کے دوستوں کے درمیان میں بات چیت کرنیکا یہ طریقہ ہے جو صدقہ ہے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک نعلین کا۔

چنانچہ سیاحِ عالم قدس یعنی حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ کو صدائے نَے مرغوب تھی۔ اور خواجہ حافظ شیرازیؒ کو صدائے جرس یہ دونوں آوازیں بھی منجملہ انہیں بس آوازوں کے تھیں چنانچہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند	از جدائی ہا شکایت می کند

اور خواجہ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

کس ندانست کہ منزل گہہ آں یار کجاست	ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

میرے خیال میں ناظرین ہذا ان مندرجہ بالا اشعار کا اب بخوبی مفہوم سمجھ لیں گے کہ نَے اور جرس سے ان بزرگوں کا کونسی نَے اور کس جرس کی طرف اشارہ ہے؟

شغل تصورِ شیخ

سب سے پہلے اپنی نظر میں اپنے مرشد کی ایسی صورت جمائے کہ آنکھ بند کرنے کے بعد سوائے مرشد کے کچھ نظر نہ آئے اور رفتہ رفتہ وہ صورت اس قدر مستحکم ہو جائے کہ پیر و مرید کے باہم بات چیت ہونے لگے۔ بعدہٗ برزخ شیخ ایسی قائم ہو جائے کہ خود بصورت مرشد بن جائے۔ حتی کہ خیال دوئی بھی مٹ جائے۔ اور خود یکتا ہو جائے۔ یعنی عین الیقین کے ساتھ خود ہی شیخ ہو جائے۔ بس اسی کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ اور اسی کی برکت سے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ تک رسائی ہو جاتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ اپنی صورت آئینہ میں یا آفتاب میں اچھی طرح دیکھ کر نظر میں رکھے۔ اگر آئینہ میں دیکھے گا تو اسے شغل آئینہ کہا جائے گا اور اگر آفتاب میں دیکھیگا تو اس شغل کو شغل آفتاب کے نام سے تعبیر کیا جائے گا یہ شغل چشم دوستاں سے باہر ہے۔ جس کو شیخ سے مشکل آتا ہے اسی کو

اس کی لذت آتی ہے۔ جو تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ یہ شغل حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کو تعلیم فرمایا تھا۔ اور اس وقت تک اہل سلوک اس کے شاغل ہیں۔

اور اشغال درونی و اسرار باطنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل ہوئے ہیں۔ اور ان سے سب بزرگان یعنی چاروں خاندان اور چودہ خانوادوں میں واسطہ بواسطہ چلے آتے ہیں۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق تمام مریدوں اور تمام خانوادوں پر ثابت ہے

چار خاندان

خاندان نقشبندیہ۔ سہروردیہ۔ چشتیہ قادریہ

چودہ خانوادے

(۱) اول زیدیان۔ جو کہ حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ (۲) عیاضیان خواجہ فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ (۳) ادہمیان حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم رحمت اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ (۴) ہبیریان جو خواجہ ہبیرۃ البصری سے جاری ہے۔ (۵) چشتیان حضرت خواجہ ممشاد علوی دینوری سے منسوب ہے۔ (۶) عجمیان خواجہ حبیب عجمی رحمت اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ (۷) طیفوریان حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمت اللہ علیہ سے جاری ہے (۸) کرخیان خواجہ معروف کرخی رحمتہ اللہ علیہ سے جاری ہے۔ (۹) سقطیان۔ خواجہ سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ سے جاری ہے۔ (۱۰) جنیدیان۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے جاری ہے۔ (۱۱) گازرونیان۔ حضرت خواجہ ابو اسحق گازرونی سے منسوب ہے۔ (۱۲) طوسیان۔ حضرت شیخ علاء الدین طوسی رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ (۱۳) سہروردیان۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے (۱۴) فردوسیان حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ سے منسوب ہے۔

تلاوت وجود

واضح ہو کہ وجود انسانی۔ یعنی جسم انسانی میں سات چیزیں موجود ہیں۔ (۱) علامت خاک جس کا مقام تلا ہے۔ اس مقام کا صاحب جبرئیل ہے۔ علامت اس کی گوشت، پوست، استخوان

عروق۔ بال۔ ناخن۔ اور جھلی ہے۔

۲۔ علامت باد۔ مقام اس کا شش یعنی پھیپھڑہ ہے۔ سردار اس کا اسرافیل ہے۔ ہلنا۔ کانپنا اور سوت و گرمی کے وقت سانس پھولنا۔ انگڑائی۔ ڈکار۔ ہوائے شکم یعنی گوز کا سرزد ہونا اس سے متعلق ہے۔

۳۔ علامت آتش۔ مقام اس کا زہرہ یعنی پتّا ہے۔ اس مقام کا سردار عزرائیل ہے کھانا۔ پینا۔ سونا۔ کاہلی سستی۔ ملولی۔ اور ہاتھ پیر کے کھنچنے کا اس سے تعلق ہے۔

۴۔ علامت آب۔ مقام اس کا جگر و استخوان ہے۔ اس مقام کا سردار میکائیل ہے۔ اس سے پیشاب۔ بہاز۔ خون۔ آب منی۔ آب دہن۔ آب چشم یعنی آنسو یا ہمیشہ آنکھوں سے پانی بہنے کا مرض۔ کانوں کا پانی یعنی چرک گوش وغیرہ کا اس سے تعلق ہے۔

۵۔ علامت روح۔ اس کو روح طبعی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ناف سے تعلق رکھتی ہے اور رگوں میں غذا پہنچاتی ہے۔ کھانے سے قوت پاتی ہے۔ تکالیف جسمانی۔ کھانا۔ اور لذت آرام حاصل کرنا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ دیکھنا۔ جستجو کرنا۔ اسی کے سبب سے ہوتا ہے۔ اس کا عین الیقین سے مشاہدہ کرنیوالا ولی اللہ ہو جاتا ہے یعنی نزدیکی خدا حاصل ہوتی ہے۔ لیکن استمداد شیخ کی اشد ضرورت ہے۔

۶۔ علامت نور۔ اس کو روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس کا مقام دل میں ہے۔ اس میں ترقی کی خواہش پائی جاتی ہے۔ اور سب اعضا کو زندہ رکھتی ہے۔ اس سے خیال۔ فکر۔ تصور۔ وہم۔ خوف سرور اور ترحم کا تعلق ہے۔ اس کے مشاہدہ سے طالب واصل حق ہوتا ہے بلکہ کوشش کرنے سے عین حق ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ شعر

چشم دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید ۔ عین دریا گشت چوں بیدار شد چشم حباب

(ترجمہ) آنکھ دل کی جب کھلی معشوق اپنے میں ملا ۔ بلبلہ جب جاگ اٹھا خود عین دریا ہو گیا

۷۔ علامت ذات۔ اسے روح انسانی کہتے ہیں۔ اس کا مقام۔ مغز سر یعنی امّ الدماغ ہے جس کو اصطلاح صوفیہ میں اخفی الاخفیٰ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہنا۔ سننا۔ سوچنا۔ لکھنا۔ عقل۔

تمیز۔ لذت زبان کا اس سے تعلق ہے۔ جو اسرار مغز میں ہیں وہی دل میں بھی ہیں جیسے کہ اللہ و محمد صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ایک ہیں۔ ویسے ہی مغز و دل بھی ایک ہیں۔ مغز یعنی مقام خفی الاخفیٰ مقام ذات ہو۔ دل مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ سوائے اِن کے ایک اور چیز بھی بدن میں پائی جاتی ہو جس کا نام نفس امّارہ ہے مگر وہ جنسیت نہیں رکھتا۔ درحقیقت۔ آگ جو اربعہ عناصر سے ہے اسی نے نفس امّارہ کا خطاب پایا ہے۔ اس کو خدائے تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدمی کے بدن میں داخل کیا ہے۔ اگر اسے داخل نہ کرتا تو خواہشات یعنی کھانے پینے کی خواہش یعنی بھوک پیاس وغیرہ نہیں ہوتیں۔ تو خواہش شہوانی بھی نہیں ہوتی۔ پس پیدائش انسانی کی غرض مفقود ہو جاتی۔ اسلئے جسم انسانی میں آگ کا داخل کرنا نہایت ضروری تھا۔ اکثر جاہل فقرا اپنے عضو تناسل کو لوہے کے چھلوں سے جکڑ کر بیکار کر دیتے ہیں۔ یا اور ذرائع سے معطل کر دیتے ہیں۔ وہ کسی طرح واصل حق ہونیکے مستحق نہیں کیونکہ نامرد کبھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن قوت شہوانی کو ایسا مغلوب کرے کہ ناجائز صرف نہو۔ اور جائز صرف میں بھی احتیاط شرط ہے۔ اور اس کے مغلوب کرنے کی تدابیر میں کوشش کرے۔ یعنی ذکر فکر اور مراقبہ میں محویت بڑہائے۔ تاکہ اس مشغولیت سے شہوت کی قوت اس طرف مصروف ہو جائے۔ چنانچہ ذکر خفی تمام عبادات سے بقول حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہو۔ حدیث اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ الذِّكْرُ الْخَفِيُّ۔ پس اس کی برکت سے انسان خواہشات نفسانی پر غلبہ پا سکتا ہے اور اُسے اپنے قابو میں کر سکتا ہے۔ ذکر خفی کی حقیقی لذت اس وقت محسوس ہوتی ہو جب سالک کے تمام عضو عضو اور رونگٹے رونگٹے سے اللہ اللہ سنائی دیتا ہے۔ گویا عاشق سر سے لیکر پیر کے انگوٹھے تک مجسم ذکر اللہ ہو جاتا ہے اسی مقام کے درویش کی بابت مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ مقولہ صادق آتا ہے۔ ابیات۔

کسے گوید کہ عاشق بے نماز است — وجود عاشقاں کلّی نماز است
نمازِ زاہداں سجدہ سجود است — نماز عاشقاں ترک وجود است

شغل ازخود رفتن

شعر

اے طائر افلاکی بگذار تنِ خاکی
رو بر درِ محبوبے شو محرمِ اسرارے

اصطلاح صوفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ازخود رفتن کے معنی روح یا خود از جسدِ خاکی برآوردن کے ہیں یعنی بذریعہ شغل خاص الخاص کے اپنی روح کو اپنے جسم خاکی کے باہر لیجانے اور پھر واپس لے آسکنے کے ہیں۔ اس کا طریقہ احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اور میں اس شغل کی تعلیم میں بہت احتیاط برتتا ہوں۔ میرے ایک مرید اور خلیفہ ڈاکٹر نورالدین دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کا سال پیوستہ دہلی محلہ چیڑیوالان میں اسی شغل کی برکت سے وصال ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے مکان پر مجھے گانا سنتے تھے جب یہ شعر سنا جس غنیان پر پہنچے تو ان کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی شہادت کے واقعات کو دہلی کے اکثر اخباروں نے لکھا تھا۔ اور حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے اپنے ہفتہ وار منادی میں **شہید قوالی** کے عنوان کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرمایا تھا۔ اور یہ بھی لکھا تھا کہ میرے عقیدے میں ڈاکٹر کو شہادت کا درجہ حاصل ہوا۔ لہٰذا اس قدر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شغل نفی اثبات کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ لَا اِلٰہَ کہتے ہی روح جسم کو چھوڑ کر پرواز کرتی ہے اور عالم بالا کی سیر میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اور اِلَّا اللہُ کے ساتھ پھر جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ بس اس شغل کا شاغل مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کی لذت حاصل کر کے زندہ جاوید ہو جاتا ہے۔ جب اس شغل کی تکمیل ہو جاتی ہے تو سالک کو اپنی موت و زیست پر پورا پورا اختیار ہوتا ہے اور اکثر اس شغل کے شاغل پر حالت سماع میں بھی یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسے صاحب حال کے کسی عضو کو پکڑنا مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ جب روح جسم میں واپس آئیگی تو جسم کے اس عضو میں سرایت نہیں کر سکیگی۔ اور وہ عضو ہمیشہ کے لئے بیکار رہ جائیگا۔ ؎

شعر

وصل دلبر کیا ہے؟ ازخود رفتگی
جب ہوا بیخود تو خود جانانہ ہے

چنانچہ عاشقوں کو اپنی موت و زیست پر اختیار حاصل ہو جانے کے چند واقعات حضرت محبوب

ایجی نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ نے اپنی کتاب راحت القلوب میں حضرت بابا گنجشکر فریدالدین رحمت اللہ علیہ کے حوالے سے لکھے ہیں۔ اور ہر واقعے کے اختتام پر یہ شعر تحریر فرمایا ہے۔ ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

ہنداڈاکٹر نورالدین مرحوم نے اس شغل کی پانچ برس متواتر مشق کی تھی۔ اور نہایت جلد طیر و سیر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں اور اکابر اولیا اللہ نے بھی اس شغل کی تکمیل کی ہے۔ اور وہ بھی اس شغل از خود رفتن کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ کوئی شخص اس وقت تک درجۂ ولایت پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اس شغل کی تکمیل نہ ہو جائے۔ **اشعار**

زرہِ ہوس بتو کہ رسم لفظے زخود نہ رسیدہ من

ہمہ حیرتم بکجا روم بر ہت سرے نکشیدہ من

نبری گماں کہ یعنی بخدا رسیدہ باشی دیگر تو زخود نرفتہ بیروں بکجا رسیدہ باشی

نگے جہاں روی تو قدمے زخود بروں آ دیگر کہ زخویش چوں گذشتی ہمہ جا رسیدہ باشی

تو بہار است ز آلائشِ تن پاک بر آ دیگر ہمچو گل آ ؤ زِ خود بیرہن خاک بر آ

اے طائرِ افلاکی بگذار تنِ خاکی دیگر رو بر درِ محبوب شو محرمِ اسرارے

از خود اے بے خبر اکنوں چو شدی بیر بر آ دیگر جمع کن خاطر و چوں روغن از یں شیر بر آ

آسماں سلسلۂ پائے سبک روحاں نیست دیگر ہمچو آواز ازیں حلقۂ زنجیر بر آ

چوں قفس را ز الفتِ دل پا تیو افسردہ بگل دیگر ریشۂ وحشت شرے از قفس دانہ بر آ

اشک کش تا کجا ساغر ناموس حیا دیگر شیشہ بہ بازار شکن اندکے از خانہ بر آ

شغل میت:- سلطان الاذکار کی ایک قسم کو شغلِ میت بھی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چت لیٹ کر دونوں پاؤں کے انگوٹھے باہم باندھ لئے جائیں اور یکسو ہو کر حبس دم کیساتھ ناف کے نیچے سے اَللّٰہ کے لفظ کو سانس کے ساتھ کھینچا جائے۔ اور اُمّ الدماغ میں سانس کو روک کر "صورتِ مرشد" کا تصور کیا جائے اور جب سانس ختم ہونے لگے تو ٹھوڑا ٹھوڑا ناک کے راستے سے چھوڑ دیا جائے۔

سلطان الاذکار معہ صوتِ سرمدی

(از رن مست خاں صاحب ترولوی)

اجپا جاپ جپے جو بھائی　　ہر کا درشن بیگ وہ پائے

پہلے دھیان ترکٹی پر باندھو انگ کنول میں جپت کو تائے ۔ چت کی اولٹ لگن کو بیدھے ہردے دھیان لگائے

(ہر کا درشن بیگ وہ پائے)

اڑ کمنی چندا او میں چندا سورج یہ دو ہیں ۔۔ چو تندر موت سے گیان سرت ہو انہد ساتھ سنائے

(ہر کا درشن بیگ وہ پائے)

انہد سے گیان مٹ جائے سو ہنگ پورن ہو جاوے ۔ تا سے آگے کہا کہے مستا ایک ہی ایک لکھائے

(ہر کا درشن بیگ وہ پائے)

(ایضاً)　(کیا ہی مزا ہے دیکھو سادھو انہد باجا بجتا ہے)

اس انہد میں لاکھوں باجے جن کو عارف سنتا ہے ۔ اس انہد کو جو کوئی سن لے رعیت سے شاہ بنتا ہے

(کیا ہی مزا ہے دیکھو سادھو انہد باجا بجتا ہے)

پہلے دل میں چندا او ہے جگمگ جگمگ کرتا ہے ۔ اس چندا کے پرکاشوں کو برلا کوئی لکھتا ہے

(کیا ہی مزا ہے دیکھو سادھو انہد باجا بجتا ہے)

(ایضاً)　(ہر ہر کرے اور گورو کو دیکھے اس کو ملتا پیارا ہے)

نام نرنجن کا مدھر ہوے دھیان گرو دھارا ہے ۔ پاک رسول کا عاشق ہو کر دیکھے سکو متوارا ہے

(ہر ہر کرے اور گورو کو دیکھے اس کو ملتا پیارا ہے)

سب ستا ہردے کے اندر دیکھ گرو سے اس کا منتر ۔ بنا گرو یہ گیان نہ آوے نگرا سر کو دھنتا ہے

کیا ہی مزا ہے دیکھو سادھو انہد باجا بجتا ہے

الکھ نجے اور سب کو بیٹھے اس نے گیان سنوارا ہے ۔ پٹ بہتر کے چت سے کھولے پھر کیا صاحب نیارا ہے

کر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

آنکھ ناک کان بند کرا دو انہد شبد کو صاف سناؤ ۔ دونوں نل ایک تار ملاؤ تب دیکھے گلزارا ہے

دکر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

ترکٹی محل میں ودیا سارا، گہن گہن گرجین بجل نگارا ؛ لاکھ برن سورج اُجیارا چتور کنول اُکارا ہے

دکر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

ساوہ سوہے جن گدھ لینا نو دروازے پر گھٹ چینا ؛ دسواں کھل جائے چٹ دینا جہاں قفل رہا مارا ہے

دکر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

بھس تہہ ای دیپ رچائے ہیرے پنے محل جڑائے ؛ مرلی بجت اکھنڈ صدائے۔ سوہنگ دھن جھنکارا ہے

دکر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

سوہنگ حد تجے جب بھائے۔ ست لوک میں پن چل آئے ؛ انہت سوہنگ تماؤ ہکائے۔ جا کا وار نہ پارا ہے

دکر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

تا پر اگم محل اک ساجا، اگم پرش تا ہی کو راجا ؛ کہرب سنکھ سر روم یک لاجا۔ ایسا اگم اپارا ہے

دکر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

تا پر الکھ لوک ہے بھائی پرش انامی تہاں رہائی ؛ جو جن پہنچے گا جانے والی کہن سُنن سے نیارا ہے

دکر نینوں دیدار محل میں پیارا ہے

تلاوت وجود بطریق مجمل بذریعہ لطائف

(از مولانا مغربی قدس سرہ)

رباعی

از بادہ حسن خویش مستی کردم — گلگشت بہار باغ ہستی کردم

رفتم بطواف کعبۂ دل کانجا — خود را دیدم وخود پرستی کردم

اگرچہ شغل از خود رفتن اس سے پہلے مجملاً بیان کر چکا ہوں۔ لیکن اس اجمال کی یہ تفصیل ہے۔ کہ سالک کو چاہیے کہ ابتدا میں لفظ لا الٰہ کے ساتھ روح طبیعی کو زیر ناف سے کھینچ کر ناک کے ذریعہ سے باہر نکالے۔ اور ہوا کے ساتھ شامل کرے۔ ابتدا میں طالب حق پر غنودگی سی طاری ہوگی

اور یہ سمجھیگا کہ ہوا پر سوار ہو کر کہیں معلق جا رہا ہے۔ پھر ہوا میں وہ روح سیر کرتی ہوئی مقام آتش میں آئے گی جہاں اس کو اندھیرا دکھائی دیگا۔ تو وہاں سے گھبرا کر فوراً باہر نکلے گی۔ کیونکہ وہاں ایک لمحہ نہیں رہ سکتی۔ پھر وہاں سے پانی کے مقام پر آئیگی۔ اور وہاں سے اپنی اصلی صورت دکھائی دیگی۔ کہ وہ اصل وجود خاکی وہی ہے۔ جو اس مقام پر ہمیشہ رہتا ہے۔ بعدہٗ دل کے نزدیک پہنچیگی اور پھر دل سے مغز میں یعنی اُمّ الدماغ یا خفی الاخفیٰ میں۔ اس وقت سالک کو نزدیکی حق حاصل ہوتی ہے۔ اور اس مشق سے رفتہ رفتہ روح طبعی جسم انسان سے بالکل باہر ہو کر عالم بالا کی سیر کرتی ہوئی عرش اعظم تک پہنچ جاتی ہے۔ اس مقام پر پہنچکر قطرہ واصل دریا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی کو قرب ذات کہتے ہیں۔ جو شخص اس شغل میں کامل ہے وہی ولی اللہ کہلانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص اس مقام پر نہ پہنچا ہو۔ اس کو مرید ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ یہ مقام مخصوص ہے۔ اور خاص الخاص شغل کہلاتا ہے۔ جو شیخ کی عنایت سے میسر آتا ہے ؎

قطرہ اندر بحر گردد ناپدید
کے تواں اورا جدا از بحر دید

اس شغل کی بدولت آدمی صاحب کمال و صاحب مقام ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں سالک کو سماع سے بہت زیادہ رغبت ہو جاتی ہے۔ اور اکثر سماع میں جب اس مقام کا آدمی وصل کا مضمون سنتا ہے تو اس کی روح جسم سے فوراً باہر آ جاتی ہے اور اس کو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کی لذت نصیب ہوتی ہے۔ خواہ دو منٹ یا دو گھنٹہ ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ اس عرصہ میں روح عرش و کرسی و لوح و قلم کی سیر کر آتی ہے۔ بلکہ کونین کی سیر کر کے واپس آ جاتی ہے۔ یہ صدقہ ہے خاک نعلین صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

شغل سکوت۔ سالک کو چاہیئے کہ تمام خیالات کی آلائش سے اپنے آپ کو پاک کر کے بالکل .... خاموش بطریق مراقبہ بیٹھے۔ اور یہ خیال کرے کہ میں نہیں ہوں وہ ہے۔ اس مختصر شغل سے بندہ عالم شہادت سے مقام احدیت تک عروج کرتا ہے۔

دوسرا طریقہ شغل آئینہ کا یہ ہے کہ آئینہ کو اپنے مقابل رکھکر غور سے اپنی صورت کو دیکھے۔

(اور اس قدر مشق کرے کہ پلک نہ جھپکنے پائے) اور اپنے عکس کو اس معنی کیساتھ مشاہدہ کرے کہ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ یعنی اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ اور اپنی صورت کو حق تعالیٰ کی صورت جانے۔ پھر مشاہدات عجیبہ سے مشرف ہو۔

بیخود شدن

ہے بیخودی ہی جس سے ہوتا ہے وصل حاصل ‏ ‏ ‏ غائب جو آپ ہو جائے حضور تیرا

(حضرت مولانا نیاز بے نیاز قدس سرہٗ۔ ‏ ‏ ‏ غزل

مجھے بیخودی یہ تو نے بھلی چاشنی چکھائی ‏ ‏ ‏ کسی آرزو کی دل میں نہیں اب رہی سمائی

نہ حذر ہے نے خطر ہے۔ نہ رجا ہے نے دعا ہے ‏ ‏ ‏ نہ خیال بندگی ہے۔ نہ تمیزِ خدائی

نہ وصال ہے نہ ہجراں۔ نہ سرور ہے۔ نہ غم ہے ‏ ‏ ‏ جسے کہئے خواب غفلت سو وہ نیند مجکو آئی

نہ کہیں ہے نے مکاں ہے۔ نہ زمیں ہے نے زماں ہے ‏ ‏ ‏ دلِ بینوا نے پھر وہاں چھاونی ہے چھائی

نہ مقامِ گفتگو ہے۔ نہ محلِ جستجو ہے ‏ ‏ ‏ نہ وہاں حواس پہنچیں نہ خرد کو ہے رسائی

من و تو اٹھے جہاں ہوں میں سبیں نہاں کہاں ہوں ‏ ‏ ‏ جو دوئی کے تھے لوازم سو رہائی اُن نے پائی

یہاں میں ہا ہوں جب تو سخن نیاز بولوں ‏ ‏ ‏ سُنو گے زبانِ نے سے وہی جو کہیگا نائی

اس شغل بیخودی کی تکمیل اُس وقت ہوتی ہے جب اپنی ہستی کا احساس بالکل مٹ جاتا ہے

مراقبات

مراقبہ - مراقبہ بضم میم و فتح قاف۔ لغت میں مراقبہ کے معنے امید رکھنا، اور کسی چیز کی حفاظت کرنے کے ہیں۔ اور گردن جھکانے کو بھی مراقبہ کہتے ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ مراقبہ رقبہ سے ماخوذ ہے۔ رقبہ کے معنے گردن کے ہیں۔ چونکہ مراقبہ میں قلب کی طرف گردن جھکائی جاتی ہے اور اسی طرح تلاوت وجود بھی کی جاتی ہے۔ بعض کا مقولہ ہے کہ مراقبہ لفظ رقیب سے ماخوذ ہے۔ اور رقیب کے معنے پاسبان، اور نگہبان کے ہیں۔ لہٰذا قلب کی خیالات غیر سے مراقبہ کے ذریعہ سے نگرانی کی

جاتی ہے۔ اس وجہ سے مراقبہ کہتے ہیں۔ مراقبہ حضوری قلب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں دل سے حاضر ہونا ہے۔ تمام مراقبوں میں باوضو ہونا، دوزانو، قبلہ رو ہو کر بیٹھنا، اور قلب کو تمام خطرات کی آلائش سے پاک کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے آنکھ بند کر کے قلب کی طرف اسم ذات کا مراقبہ کرنا چاہیئے۔ (یعنی لفظ اللہ کا مراقبہ) اس سے طمانیت قلب اور تسکین کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

پھر تمام مراقبوں کا طریقہ لکھتا ہوں تاکہ طالبان صادق کو کسی قسم کی دقت نہ ہونے پائے جاننا چاہیئے کہ تمام مراقبوں کا صرف یہ ایک ہی طریقہ ہے۔ یعنی دوزانو، باوضو اور قبلہ رو ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔ اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر قلب کی طرف گردن جھکانی چاہیئے۔ اسم ذات کا تصور اس طرح جمائے کہ میں اپنے دل میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اس سے نفس کی شرارت کم ہوتے ہوتے بالکل جاتی رہتی ہے۔ اور اگر ناگہانی خطرات کی کثرت ہو تو اسمائے صفات امہات یعنی یا سمیع، یا بصیر، یا علیم کا تصور اپنے پیر و مرشد کے تصور میں کرے۔ یعنی سمیع سے سماعت شیخ، بصیر سے بصارت شیخ اور علیم سے علم شیخ کی طرف مشغول ہو جائے۔ تو چشم بصیرت اور بصر ایک ہو جائیگی اور جب خوب مشق ہو جائیگی تو آنکھ بند کرنے اور سر جھکانے کی بھی ضرورت باقی نہ رہیگی۔

تو ہاں مراقبہ کی چار قسمیں ہیں (۱) مراقبہ ناظرہ (۲) مراقبہ حاضرہ (۳) مراقبہ جمع (۴) مراقبہ جمع الجمع۔

(۱) **مراقبہ ناظرہ** - یہ ہے کہ سالک یقین کرے کہ حق سبحانہ تعالیٰ میری صورت پر ظاہر ہے۔ اور اللہ کے افعال کا میں آلہ ہوں مخلوق پر فیضان آپ ہی کا وسیلہ بھی سالک ہی ہوتا ہے۔ مخلوق کی حاجت روائی بھی سالکان طریقت سے ہوتی ہے۔ اور یہی لوگ مسند ارشاد کے وارث ہوتے ہیں۔ (یہ قرب فرائض ہے) جو عبد کی ذات کے فنا ہو جانے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) **مراقبہ حاضرہ** - یہ ہے کہ سالک یقین کرے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہوں اسی کے کان سے سنتا ہوں۔ اسی کے پاؤں سے چلتا ہوں۔ (یہ قرب نوافل ہے)

(۳) **مراقبہ جمع** - ہر ذرہ میں حق سبحانہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے کو مراقبہ جمع کہتے ہیں۔

(۴) مراقبہ جمع الجمع۔ یعنی خلق کو حق میں اور حق کو خلق میں دیکھے۔ یعنی سالک حق اور خلق کو ایک دیکھے۔ ایک جانے کسی قسم کی دوئی اور نسبت غیریت باقی نہ رہے پس اسکو مراقبہ جمع الجمع کہتے ہیں

مراقبہ معیت۔ صوفیۂ کرام کے ہاں یہ مسئلہ معیت مشہور مسئلہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو۔ کیونکہ اس کی ذات سے اسکے صفات و اسماء کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے ہیں۔ اور اسماء و صفات کے ظہور ہی کا نام کائنات ہے۔ لہذا ذات جملہ موجودات کے ساتھ موجود ہے۔ اس مراقبہ سے غیریت اور دوئی مٹ جاتی ہے۔

مراقبہ دیدار الٰہی۔ اسکی بھی نشست کا وہی طریقہ ہے۔ چنانچہ اس آیت أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ کا تصور کرے۔ (ترجمہ) کیا جانتا نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ پس مراقبہ میں یہ خیال کرنا چاہیے کہ اللہ مجھکو دیکھ رہا ہے۔ جب اس کی مشق بڑھ جائے تو پھر یہ تصور کرنا چاہیے کہ اللہ کو میں دیکھ رہا ہوں۔

مراقبہ قرب خاص۔ اس میں آیت وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ کا تصور کیا جاتا ہے۔ (ترجمہ) ہم انسان کی رگ جان سے بھی قریب تر ہیں۔" اس مراقبہ میں ذات الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور سالک جوشِ مسرت میں بیساختہ کہنے لگتا ہے۔ غزل

آئینہ ام کہ عکسِ رخِ یار در من است — یعنی شہودِ طلعتِ رخسار در من است
آئینہ دارِ رازِ نہانِ ازل منم — آن مظہرم کہ این ہمہ اسرار در من است
مقصودِ آفرینش و سرِ قدم منم — نازان رو ظہور جملۂ آثار در من است
(زاں مرکزم کہ مطلع الانوار در من است)

حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی قدس اللہ سرہٗ کشکول کلیمی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جوگ کی چوراسی بیٹھک ہیں۔ اور ہر ایک بیٹھک میں ایک خاص نفع ہے۔ مگر شیخ بہاء الدین قادری قدس سرہٗ نے ایک جامع بیٹھک اختیار کر لی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مربع بیٹھے۔ دونوں پاؤں اکٹھے کرے۔ بائیں پاؤں کی ایڑی خصیتین کے نیچے رکھے۔ داہنا پاؤں اسکے پاس رکھے۔ اس کے بعد سرین رکھے اور سانس ناف سے اوپر کی طرف کھینچے۔ اور ناف کو پشت کی طرف سمیٹ کر منہ بند کرے۔ زبان تالو سے

جھکائے اسکے بعد اس مراقبہ میں مشغول ہوجائے اور یہ فکر کرے کہ **اُدْ ہِی فے**۔ اور بھوک و نیند کو ترک کرے۔ اگر تین روز پیہم اس مراقبہ کو بے طعام و بےخواب کرتا رہے گا۔ تو اسمیں بیخودی اور بیہوشی طاری ہوگی۔ جسکے باعث سالک پر پردہ ہائے غیب کھل جائینگے۔ اس کے بعد اگر تین روز میں اس کی تکمیل نہ ہو تو سونے اور کھانے پینے کے بعد پھر تین روز تک اس مراقبہ میں مشغول ہوجائے۔ انشاءاللہ ضرور کامیابی ہوجائیگی پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ مراقبہ مشاہدہ اور معائنہ کے یہ طریقے ہیں۔

مراقبہ

نماز کی بیٹھک بیٹھے۔ اور علیم۔ سمیع۔ اور بصیر کو شیخ کی صورت کیساتھ ملاحظہ کرے۔ اور ہر حال کا التزام کرے۔ تو استمداد شیخ سے سمیع۔ علیم۔ بصیر کے اوصاف سے متصف ہوجائیگا۔

مشاہدہ۔ مذکورہ طریقہ پر بیٹھکر دل کی طرف رُخ مائل کرے۔ آنکھ بند کرکے باطنی آنکھ سے دل کی طرف دیکھے۔ اور تصورِ شیخ کے ذریعہ سے خدا کے دیکھنے کا تصور کرے تو یقیناً جلوۂ ذات کا مشاہدہ ہوجائیگا۔

معائنہ:- جب مذکورہ بالا دونوں مراقبوں میں استقامت حاصل ہوجائے۔ تو پھر اسی بیٹھک بیٹھکر آسمان کی طرف نظر کرے۔ اور صاحب نزع کی طرح آنکھ بند کرکے یہ تصور کرے کہ روح قالب سے نکل کر آسمانوں کے اوپر پہنچے۔ اور حق تعالےٰ کو دیکھنے لگے۔ اگر سالک اس پر مستقیم ہوجائے گا۔ تو ایک سبزہ ہا گہ ظاہر ہوگا۔ جس کا ایک سرا عرش اعظم پر ہوگا۔ اور دوسرا سرا اس کے دل میں نظر آئے گا۔ بس اس راہ کا رشتہ قائم کرکے عبد معبود سے جا ملیگا۔

مراقبہ الٓمٓ۔ سالک کو چاہیے کہ اسکے ہر سہ حروف سے علیحدہ علیحدہ لذت حاصل کرے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ باوضو قبلہ رو ہو کر دو زانو بیٹھ جائے۔ اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھکر گردن جھکائے **الف** سے اپنے دل میں اللہ کا خیال جمائے۔ **ل** سے رسول اللہ کا۔ اور **م** سے مظہر مخلوق کا یعنی صفات ذات کو ایک خیال کرے۔ اور تینوں حرفوں کو اپنے وجود میں حرکت دے۔ یعنی اپنی روح کو اللہ کی ذات جانے۔ وجود کو رسول سمجھے۔ اور جسم کو مظہر یعنی صفات اللہ جانے۔ جبتک تو

میں بہت سی لذت حاصل ہو سکتی ہے۔

حروف مقطعات اللہ جل مجدہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں۔ بلکہ خاص اشارات ہیں جنکو بجز جناب رسالت مآب کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ چنانچہ اس موقعہ پر خداوند عالم کی زبان سے سننا مناسب ہے کہ وہ اپنے حبیب نبی کریم صلعم سے اسطرح خطاب فرماتا ہے۔ ؎

شعر

من وتو ہر دو طریق سخن ایجاد کنیم تا کہ اغیار نہ فہمند زبانِ من وتو

لہٰذا وہ یہی حروف مقطعات ہیں۔ مگر بعض عرفائے سلسلہ جن پر اسرار الٰہی اور رموز نبوی کا انکشاف ہوا ہے انھوں نے حروف ابجد کے ذریعہ سے الم کے جو معنے بیان فرمائے ہیں وہ بھی استغناء سے خالی نہیں ہیں۔

بحساب ابجد (ا) کا ایک عدد ہے (ل) کے تیس عدد ہیں۔ اور (م) کے چالیس۔ لہٰذا اس کا حل یوں فرمایا ہے کہ ذات یکتا نے۔ یعنی اللہ نے تیس پارے۔ چالیس سال والے پر نازل کئے۔ وہ یہی کتاب ہے (یعنی قرآن) اس میں کچھ شک شبہ نہیں ہے۔ یعنی اللہ تبارک تعالےٰ نے تیس پارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے۔ وہ یہی کتاب ہے۔ اسمیں کچھ شک شبہ نہیں ہے۔ (یعنی قرآن) یہ متقیوں کو ہدایت کرتا ہے یعنی راہ دکھاتا ہے پرہیز گاروں کو جو ایمان لائے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

وحدت الوجود کے مراقبے

(۱) اسی طریقہ سے بیٹھکر وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کا مراقبہ کرنا چاہیئے۔ یعنی میں تمہاری ذات میں ہوں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ (۲) اس مراقبہ میں بھی مذکورہ طریقے سے بیٹھکر اس آیت کا مراقبہ کرنا چاہیئے اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ (ترجمہ) تم جدھر رخ کرو اسی طرف خدا کی ذات ہے۔ (۳) اسی طریقہ سے بیٹھکر اس آیت کا مراقبہ کرنا چاہیئے وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (ترجمہ) میں نزدیک تر ہوں طرف تمہارے تم سے لیکن تم نہیں دیکھتے ہو۔ (۴) مذکورہ بالا طریقہ سے بیٹھکر اس آیت کا مراقبہ کرنا چاہیئے۔ آیت کَانَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ

الرحیم یَا فَتَّاحُ۔ یَا فَتَّاحُ۔ یَا فَتَّاحُ۔ یَا وَهَّابُ۔ یَا وَهَّابُ۔ یَا وَهَّابُ۔ یَا کَرِیْمُ۔ یَا کَرِیْمُ۔
یَا کَرِیْمُ۔ یَا رَحِیْمُ۔ یَا رَحِیْمُ۔ یَا رَحِیْمُ۔ لکھکر صاحب درد کی پیشانی پر باندھ دیا جائے
انشاء اللہ بیمار شفا پاوے۔

قلب القرآن جو شخص رات میں بے تعداد سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ پڑھے اس پر
بیشمار رحمتیں نازل ہونگی اور غموں سے خلاصی پائیگا۔ اور جو کچھ خداوند تعالےٰ سے چاہیگا اُسکے
کرم سے محروم نہ رہے گا۔

بلاؤں کا وظیفہ اگر ہر روز تین بار سورہ کافرون پڑھ لیجائیگی تو ہزاروں بلائیں دفع ہوجایا کریگی۔

برائے دفع زہر اگر کسی کھانے میں زہر کا شبہ ہو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بِسْمِ خَیْرِ الْاَسْمَآءِ
بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ
وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ پڑھکر اس کھانے پر دم کریگا اور کھائیگا۔ اگر اس میں زہر بھی موجود
ہوگا تو انشاءاللہ مضرت نہ ہوگی۔

قدرت کے مشاہدات عجیبہ اگر کوئی شخص بعد نماز فجر پانچسو مرتبہ اور بعد نماز عشا چند سو مرتبہ
اول و آخر درود شریف کے بعد یَا بَدِیْعَ الْعَجَآئِبِ بِالْخَیْرِ یَا بَدِیْعُ پڑھے گا تو قدرت باری کے
ان عجائبات کا مشاہدہ کریگا جو لکھنے سے باہر ہیں۔

بہترین حصار تین بار آیۃ الکرسی پڑھے اور تین تین بار چاروں قل پڑھے اور ۱۳ بار یَا حَفِیْظُ
تَحَفَّظْتُ بِالْحَفِیْظِ وَالْحَفِیْظُ فِیْ حِفْظِہٖ حِفْظُكَ یَا حَفِیْظُ۔ پڑھکر اپنے دونوں کندھوں پر
پھونکے اور دونوں ہتھیلیوں پر دم کرکے تمام اعضاء پر ملے۔ انشاءاللہ تعالےٰ ہر آفت سے
محفوظ رہے گا۔

بلائے ناگہانی کی حفاظت صحیحین میں یہ حدیث شریف متفق علیہ موجود ہے۔ کہ حضرت
سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تین بار یہ پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ
اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ اگر شام کے وقت پڑھے تو صبح

تک تمام بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔ اگر صبح کے وقت پڑھیگا تو تمام ناگہانی بلاؤں سے شام تک محفوظ رہیگا۔

برائے دفع بخار۔ اگر کوئی شخص جس دم کے ساتھ تین بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھکر دم کریگا اور بخار کے مریض کو پلائے گا تو وہ مریض انشاء اللہ تعالےٰ صحت یاب ہو گا۔

برائے دفع جملہ مہمات۔ نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ۔ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي النَّوَائِبِ۔ كُلُّ هَمٍّ وَّ غَمٍّ سَيَنْجَلِيْ بِنُبُوَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ بِوَلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ۔ اگر کسی شخص سے کوئی خطرہ ہو تو سات بار خاک پر پڑھکر اس خاک کو اس کی طرف ہوا میں اڑا دے انشاء اللہ ہر ضرر سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر مسحور کو سات بار پڑھکر اور پانی پر دم کر کے پلایا جائے تو سحر کا اثر دفع ہو جائے گا۔ اور اسی پانی سے غسل کرانا بھی دفع سحر کے لئے نہایت مجرب ہے۔ اور اگر ۷ بار بارش کے پانی پر دم کر کے پلایا جائیگا تو بیمار شفا پائیگا۔ اور اگر کوئی شخص ظالم بادشاہ یا جابر حاکم کے جبر سے محفوظ رہنا چاہے تو سات بار پڑھے۔ اور جب وہ حاکم سامنے آئے تو تین مرتبہ آہستہ آہستہ پڑھکر اس کی طرف پھونکدے تو وہ نہایت آشتی سے پیش آئیگا۔ اور اگر اوّل ساعت جمعہ میں ۴۰ بار پڑھے گا۔ تو جس کی حمایت کریگا وہ اس کا محب ہو جائیگا۔ اور اگر ۷ بار پڑھیگا تو حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے گی۔ اس کے تمام برکات کا لکھنا تحریر سے باہر ہے۔

برائے اجابت دعا۔ یَا قَدِیْمُ۔ یَا دَائِمُ۔ یَا فَرْدُ۔ یَا وِتْرُ۔ یَا وَاحِدُ۔ یَا اَحَدُ۔ یَا صَمَدُ۔ جس دعا میں یہ ہفت اسماء شامل ہوں گے وہ یقیناً مقبول ہو گی۔

حیات مردگان۔ معتبر روایات سے ثابت ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس ورد سے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ ورد اُن کو روح القدس نے بذریعہ وحی کے تعلیم دیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان اسماء کی باقاعدہ زکوٰۃ دی تھی۔ لیکن زکوٰۃ کا صحیح طریقہ معلوم کرنیکی کوشش کی گئی مگر اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ وہ اسماء یہ ہیں۔ یَا حَیُّ۔ یَا قَیُّوْمُ۔ یَا دَائِمُ۔ یَا قَائِمُ۔ یَا فَرْدُ۔ یَا وِتْرُ۔ یَا وَاحِدُ۔ یَا اَحَدُ۔ یَا صَمَدُ۔ ان کا سو مرتبہ روزانہ پڑھنا بہت سے مردہ دلوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

نوٹ:- میرے اکثر احباب کا تقاضا ہے کہ دعائے مغنی۔ دعائے سیفی۔ دعائے حیدری دعائے حزب البحر۔ اور تکبیر عاشقان کے طریقہ زکوۃ بھی اس کتاب میں شامل کر دیئے جائیں لیکن یہ کتاب خاصی ضخیم ہو چکی ہے۔ اس وجہ سے صرف تکبیر عاشقان کی ان اوراق میں گنجائش ہے۔ چنانچہ تکبیر عاشقان مع زکوۃ اس میں شامل کی جاتی ہے۔

تکبیرِ عاشقان نمبر اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بسم اللہ خیر الاسماء۔ انبیا را۔ و اولیا را۔ غوث را۔ قطب را۔ ابدال را۔ اوتاد را۔ سالکان را۔ ناسکان را۔ محبان را۔ محبوبان را۔ مغلوبان را۔ مجذوبان را۔ مجذوب سالک را۔ سالک مجذوب را۔ اصحاب تمکین را۔ ارباب تلوین را۔ اہل سکر را۔ و اہل صحو را۔ کشتگان تیغ سلامت را۔ روندگان راہ ملامت را۔ قلندران سرمست را۔ صوفیان زبردست را۔ سلسلۂ طبقہ حیدریان را۔ علقلہ موہبان را۔ شاہان عرب را۔ سروران عجم را۔ بندگان زنگیان را۔ امیران خراسان را۔ سلطان ہند را۔ خلفائے سند را۔ سرامدان غزنویان را۔ عارفان تبت را۔ لقمانان چین را۔ چابک سواران بدخشاں را۔ عاشقان غور را۔ معشوقان ماوراء النہر را۔ و اصلان بحر و بحر را۔ شہیدان دشت کربلا را۔ ہر کرا نیاز حاجات ظاہری و باطنی است بدرگاہ خدا شفیع می آرم برائے برآمدن حاجات و مہمات دینی و دنیوی ہر کہ ورد بر آید۔ ہر کہ ورد اخند بر افتد۔ ہر کہ دگر کند جگر خورد۔ چوں ایں تکبیر عاشقاں بگوید اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ بحقِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ یَا قَدِیْمُ۔ یَا دَائِمُ یَا حَیُّ۔ یَا قَیُّوْمُ۔ یَا بَاقِیُ یَا مُنْتَقِمُ۔ یَا قَدِیْرُ۔ یَا اِلٰہَ الْاَوَّلِیْنَ یَا اِلٰہَ الْاٰخِرِیْنَ ہر کہ ما را بدخواہد و بد گوید ضربت لا الہ الا اللہ بر جان او۔ ذوالفقار علی بر گردن او گرز حمزہ بر پشت او۔ عصائے موسیٰ کلیم اللہ بر جگر او۔ ارۂ زکریا بر سر او۔ کرم ایوب در بطن او

تیغ رجال الغیب در قبلِ او۔ قہر خدا در مقہوری او بحق یا بُدُّوحُ۔ یا بُدُّوحُ۔ یا بُدُّوحُ ہے

گردنش باد اشکستہ ہر کہ بدخواہ من است	باز پیچیدہ باد ہر خار یکہ در راہ من است
یا حیدرِ کرار وقت مدد است	اے شیرِ ہشت و چار وقت مدد است
کارے مشکل فتاد ما را	اے صاحب ذوالفقار وقت مدد است

رباعی

تکبیر عاشقان نمبر دوم

بسم اللہ خیر الاسماء وسلام علی انبیاء را۔ واولیاء را۔ زہاد را۔ عباد را۔ وغوث را۔ وقطب را۔ واوتاد را۔ وشہسواران جبروت را۔ وسرہنگان لاہوت را۔ وغوث الملکوت را۔ ورجال الغیب را۔ وسالکان را۔ وناسکان را۔ ومحبان را۔ ومحبوبان را۔ ومجذوبان را۔ مجذوب سالک را۔ سالک مجذوب را۔ صاحب تمکین را۔ حاجت طلبی را۔ واہل سکر را۔ واہل صحو را۔ ونشستگان کنج سلامت را۔ وروندگان راہ ملامت را۔ وقلندران سرمست را۔ وصوفیان زبردست را۔ وسلسلہ طبقہ حیدریان را۔ وغلغلہ مرہیان را۔ وشاہان عرب را۔ وسروران عجم را۔ وبندگان زنگبان را۔ وامیران خراسان را۔ وخلفائے سندہ را۔ وخاکساران ہند را۔ وظریفان تبت را۔ ونقاشان چین را۔ وچابکسواران بدخشان را۔ وتیر اندازان غزنویان را۔ وعاشقان غور را۔ معشوقان ماوراء النہر را۔ وواصلان بحر وبر را۔ وشہیدان دشت کربلا را۔ ہر کہ از مہمات ظاہری وباطنیت بدرگاہ خدا شفیع می آرم۔ برآمدن حاجات ومہمات ومشکلات دینی ودنیوی حصول محبت وعشق الٰہی ہر کہ درافتد برافتد ہر کہ دگر کند جگر خورد۔ چوں ایں تکبیر عاشقاں برآید باذن اللہ ورسول اللہ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

تکبیر عاشقان نمبر اول کی زکوٰۃ کا طریقہ۔ اس کی زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے کہ ماہ صفر کے اول

چہار شنبہ کو غسل کرکے بعد نماز ظہر اسم ترکیب بلا تسمیہ گیارہ بار با موکل سے شروع کرے اسکے تین ہزار ایک سو پچاس (٣١٥٠) دفعہ تکبیر عاشقان کو پڑھے۔ بعدہٗ پنجشنبہ کے روز سے بعد عشاء اسی مقدار میں ۴۰ روز تک روزانہ پڑھا کرے۔ ترک حیوانات اور مرغن غذاؤں سے پرہیز لازمی ہے۔ اگر اس دوران میں کسی دشمن کا تصور آنکھوں کے سامنے آجائے گا تو فوراً ہی اس کا رشتہ حیات منقطع ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بلکہ اس دوران میں کسی شخص کیلئے برا لفظ بھی اپنی زبان سے نکالے۔ زکوٰۃ کے بعد دوسلی جملوں [?] سے اگر کام لیا جائے گا۔ تب چشم زدن میں تیغ الرجال غیب اپنا پورا کام کر جائیگی حضرت سید محمد شستری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اوراد میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر سوا لاکھ مرتبہ چالیس روز میں پورے نہ ہو سکیں تو صرف پچیس ہزار کی تعداد چالیس روز میں پوری کرنے سے مکمل کاربراری ہو سکتی ہے۔ یعنی ۶۲۵ چھ سو پچیس مرتبہ روزانہ۔ مگر دوسری روایت میں پانچ مرتبہ روزانہ ہی پڑھنا کافی ہے۔

تکبیر عاشقان نمبر دوم کی زکوٰۃ کا طریقہ یہ طریقہ ہے کہ شاغل اپنے اوراد کے ساتھ ایک دفعہ روزانہ پڑھ لیا کرے۔ تو دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ عشق الٰہی میں ترقی ہوگی اور جملہ مشکلات دینی و دنیوی حل ہونگی۔

نوٹ۔ ان وظائف کے عامل کو چاہیئے کہ پہلے مندرجہ ذیل شرائط اپنے میں پیدا کرے کیونکہ بغیر ان شرائط کے عمل کرنا بیکار اور نتیجہ کی امید رکھنا جہالت ہے۔ امام احمد بونی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ رئیس اہل دعوات میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر عامل ان شرائط کے ساتھ عمل پڑھیگا تو تیر بہدف ہوگا۔

شرائط۔ (١) اکل حلال۔ (٢) صدق مقال۔ (٣) حضور قلب۔ (٤) خضوع۔ (۵) عجز۔ (۶) تجرد [?]۔ (٧) اخلاص۔ (٨) کسب حلال۔ (٩) رعایت اوقات صالح۔ (١٠) رقت قلب ان تمام شرائط کی پابندی لازمی اور ضروری ہے۔

رموز تصوف

آغاز منازل اربعہ۔ یعنی **شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت**۔ رموز اول شریعت کے

لغوی معنے شروع کرنا۔ یعنی حق کی طرف رجوع کرنے کے ہیں۔ نبی اکرم صلعم فرماتے ہیں:۔ اَلْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسَةِ الْاَشْیَاءِ یعنی اسلام پانچ چیزوں پر منقسم ہے۔ اسلام کے یہ پانچ ارکان ہیں۔ اوّل کلمہ طیبہ زبان سے کہنا۔ اور دل سے تصدیق کرنا۔ (صحیح معنوں میں پیر و مرشد ہی طالبان صادق کو دل سے کلمہ کی تصدیق کراتے ہیں۔ یعنی ذکر کے ذریعہ سے) دوم۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرنا۔ سوم روزہ رکھنا۔ چہارم زکوٰۃ دینا۔ پنجم حج کو جانا۔ جو ان پانچوں ارکان کو بجالائے وہ مسلمان کہلاتا ہے۔ سنو کلمہ طیب کا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ جو طالب صادق ہوتا ہے اسپر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی اصلیت اور ماہیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ شعر۔

فنا اندر فنا یعنی فنا است بقا اندر بقا یعنی بقا است

پس جو سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے اس کو فانی فی اللہ اور باقی باللہ کہتے ہیں۔ دوم نماز ادا کرنے میں ریاکاری نہ چاہیئے کیونکہ نماز ادا کرنا فرض عین ہے۔ اور درحقیقت نماز دل و جان سے گذارنا ہی فرض عین ہے۔ اگر ریا کے ساتھ نماز گذاری جائے گی تو کفر عین کہلائے گی کیونکہ صاف طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ کہ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ یعنی بغیر حضور قلب کے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کو اس طرح پڑھے کہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ یعنی اپنے رب کی یہانتک عبادت کر کہ تجکو یقین ہو جائے۔ یعنی کھلی آنکھوں میں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تجلی نظر آنے لگے بس اُس وقت صحیح معنوں میں مصلی اور مومن کہلا سکتا ہے۔ سوم۔ روزہ رکھنا۔ جاننا چاہیئے کہ روزہ کے معنے باز رکھنے کے ہیں یعنی نماز کے ساتھ منہ کو اس قدر باندھے۔ کہ زبان سے کچھ ظاہر نہ ہونے پائے۔ پس روزہ رکھنا فرض ہے۔ چہارم۔ زکوٰۃ دینے میں۔ جاننا چاہیئے کہ زکوٰۃ دینا فرض ہے یعنی اس ہستی کو زکوٰۃ میں دینا فرض ہے۔ جس کسی نے آپ کو کھویا خدا کو پایا۔ یا جس کسی نے اپنے آپ کو نہ پایا خدا کو پایا۔ اور جس کسی نے اپنے آپ کو نہ دیکھا اس نے خدا کو دیکھا۔ جو عارف اس مقام کی سیر کرتا ہے۔ اس کو صحیح معنوں میں زکوٰۃ کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ پنجم۔ حج کے جانے میں جاننا چاہیئے کہ حج کا جانا فرض ہے۔ یعنی سالک کو اپنی ہستی سے سفر کرنا فرض ہے۔ بس صوفیہ کی اصطلاح

میں اسی کا نام حج ہے۔ کیونکہ بظاہر حج کے جانے میں بغیر اس علم کے خودنمائی ہے اور جہانِ خودنمائی ہے جدائی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت فریدالدین عطارؒ ارشاد فرماتے ہیں ۔۔ حج زنفس تماشائے جہان است

رموز دوم **طریقت** کے بیان میں۔ جاننا چاہیئے کہ طریقت کے اصطلاحی معنے تلاوت الوجود یعنی اپنے بطون میں سفر کرنے کے ہیں اور اپنے نفس کو محو کرنے کے ہیں۔ اور طریقت کے لغوی معنے راہ چلنا یعنی اپنے باطن کی سیر کرنا ہے۔ صد اس طریقے سے حقیقتاً اپنے باطن میں خدا کو پانا ہے۔ نہ کہ آسمان و زمین میں۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہے۔ اَلقُلُوبُ بَیتُ اللہِ یعنی دل اللہ کا گھر ہے جس نے گھر کو پایا گھر والے کو پایا۔ بس جس نے گھر والے کو پایا اس نے اپنے آپ کو پہچانا۔ لہٰذا جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔ اور جس نے خدا کو پہچانا۔ بس اسی نے کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً کے صحیح معنے سمجھے۔

رموز سوم **حقیقت** کے بیان میں۔ حقیقت کے لغوی معنے حق ہونے کے ہیں اور حق کی طرف اضافت کرنے کے ہیں۔

رموز چہارم **معرفت**۔ اسم ظرف ہے اور اس کے معنے پہچاننے کے ہیں یعنی پہچان۔ یعنی ہر شے سے ذاتِ مطلق کو پہچاننا۔ اور اسی ذات میں ظہور کونین کو جاننا۔ اس کو معرفت کہتے ہیں۔

رموز پنجم **عشق**۔ اس دنیا میں صرف تین ہی چیزیں ہیں۔ ان کے علاوہ سب ناچیز ہیں۔ یعنی عشق۔ عاشق۔ اور معشوق۔ یہی ظہور ہے یہی بطون۔ ظاہر مخلوق باطن خالق۔ ابیات

جان بدل اندر نہان و حق بجان اندر نہان ؎ اے نہان اندر نہان اندر نہان اندر نہان

حق جانِ جہان است و جہان جملہ بدن ؎ توحید ہمین است دگر شیوۂ فن

بس خالق و مخلوق دونوں ایک ذات ہیں چنانچہ اَحَد کے (ا) سے عشق مراد ہے۔ (ح) سے عاشق اور (د) سے معشوق۔ (ا) (ح) (د) کے مجموعہ کا نام اَحَد یعنی ایک ہوا۔ لہٰذا عشق عاشق معشوق یہ ہر سہ ایک ذات ہوئے۔ عشق۔ کے تین حرف ہیں۔ (ع) سے عقل و علم کی نفی مراد ہے۔ ابیات

گوئی کہ بعقل و علم گویم | دیوانہ کے تراچہ گویم

آخر عشق ہی محبوب رہا یعنی موج۔ بس عشق ہی عشق ہے اور کچھ نہیں۔ ابیات

چو آدم را فرستادیم بیرون | جمالِ خویش را صحرا نہادیم

چیست آدم چیست حوا عشق بس | (دیگر) گرچہ آید صد ہزاراں بیش و بس

عشق است ہر چہ ہست و گر ہر چہ ہست نیست | (دیگر) یک ذات مطلق است و گر ہر چہ ہست نیست

درحاصل جب ذات نے اپنے چہرہ کے جمال کی تجلیاں مظاہر میں دیکھنی چاہیں، جن کا بغیر آئینہ کے نظر آنا دشوار تھا۔ لہذا عالم اور آدم کو اپنا آئینہ بنایا اور اسطرح صفت عاشقی اور معشوقی کا ظہور ہوا۔ چنانچہ حضرت نظام الدین اولیا محبوب پاک غریب نواز اپنے رسالہ توحید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میں عشق عاشق و معشوق کا بیان کرتا ہوں۔ عشق کیا ہے؛ عاشق کون ہے؛ معشوق کسے کہتے ہیں؟ سنو عاشق سے مراد ذات محض ہے۔ عشق سے اعیان ثابتہ کا وجود اور معشوق سے وجود اضافی۔ شعر

تا مروز خود فنا نی و گمنام نہ گردد | واللہ رہِ عشق سر انجام نہ گردد

جب سلطان عشق نے چاہا کہ اپنے چہرہ کے جمال سے پردہ اٹھائے۔ اپنے تمام صفات ظاہر فرمائے اور اپنے ساتھ آپ ہی عشق بازی کرے، نہ کسی غیر کے جس کے بعد نور ذات میں سے نصف میں جوش آیا اور وہ کثیف ہو کر آگ بن گیا جب آتش میں کثافت پیدا ہوئی۔ تو ہوا ہوگئی جب ہوا میں کثافت پیدا ہوئی تو وہ پانی ہوگئی۔ جب پانی میں کثافت ہوئی تو ایک غلیظ کف پیدا ہوگیا۔ جس سے خاک ظاہر ہوئی اور خاک سے مظاہر پیدا کئے۔ اور بقیہ نصف نور مظاہر کی ذات میں داخل ہوگیا۔

نمونہ ہشتم۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی سواء السبیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مخاطب و مکلف ارواح ہیں نہ کہ جسم۔ کیونکہ جب موت آتی ہے، اجسام جمع ہو جاتے ہیں۔ اجسام آلات ترقی ہیں۔ منتصرف روح ہی ہے جسم متصرف فیہ ہے۔ پس انسان وہ شے ہے کہ جو نہ یعنی سے

اشارہ کرتا ہے۔ جب روح بدن کے متعلق ہوتی ہے تو یہی حیات ہے اور جب بدن سے سلب ہو جاتی ہے تو اسی کو ممات کہتے ہیں۔ اور جو بزرگی معتبر ہے وہ روح ہی کی بزرگی ہے اور صفات بھی اسی کی ہیں۔ روح لطیف ہے اور جسم کثیف جن لوگوں کے اندر کثافت لطافت پر غالب آجاتی ہے وہ ارذل کہلاتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے اندر لطافت کثافت پر غالب آجاتی ہے وہ اشرف و اعلیٰ کہلاتے ہیں اور جو اوسط درجہ کے لوگ ہیں وہ مجاہدات سے ترقی کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی ذات میں ندرت پائی جاتی ہے۔ مجاہدہ نفس کی طرف توجہ کرنے کو کہتے ہیں۔ پھر اُس کے ہر پہر ہمیشہ حاضری رہتی ہے یہ کام قلب کا ہے نفس کا نہیں ہے کیونکہ نفس کا مقام صرف جسمانی تو جسم ہے۔ اور قلب دو طرح سے ہدایت پاتا ہے۔ یعنی بآیاتِ اَنْفُسِہٖ وَ آفَاقِہٖ اور وہ ازلی ابدی واحد ہے وجود اس کا بالذات ہے۔ وجہ یہ ہے وہ غیر کا محتاج نہیں ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایسی ذات جو صفات مذکورہ سے متصف ہو وجودی میں منحصر ہوگی۔ پس جزا و سزا کی مکلّف روح ہوگی جسم

(٧) رموز ہفتم۔ جو شخص اللہ سے جدائی سمجھتا ہے وہ علم حق سے محروم ہے۔ اور جو کوئی جدائی سے محروم نہیں اسکے بھید سے محروم ہے۔

(٨) رموز ہشتم۔ خدا غیر نہیں ہے اور جو اُسے غیر سمجھتا ہے وہ مشرک ہے۔

(٩) رموز نہم۔ جو کوئی سر رکھتا ہے۔ سرِ توحید سے محروم ہے۔

(١٠) رموز دہم۔ جو کہ محجوب ہے خدا سے دور ہے۔ اور جو کہ محجوب نہیں ہے سرِ معنی سے دور ہے۔

(١١) رموز یازدہم۔ جو کہ بے خدا ہے غافل ہے اور جو خدا بنتا ہے جاہل ہے۔

(١٢) رموز دوازدہم۔ جو کہ اثبات پر ثابت ہے کافر ہے۔ جب تک اثبات نہ کرے ایمان کی لذت سے محروم ہے۔

لاہوت بیخ است اے پسر جبروت شاخ آن نگر
ملکوت برگ آن شجر ناسوت جملہ ہمچو بار

(اشعار) سِرّ ہست دقیقی و نہانی — گویم ترا اگر بدانی

گنجے بودیم وزاں نہفتہ — دارم بے چون ولامکانی
لاہوت صفت مقام راہت — نے جائے وراں ونے نشانی
جبروت چو کردہ ایم کسوت — گردید زمن بہر عیانی
ملکوت شدیم ما دگر بار — ناسوت مکان نمود ثانی
مومن جہود وگبر و ترسا — مائیم بہر صفت کہ خوانی
بودیم نہفتہ گنج دارم — از خویش بخود شد آشکارم

ہوت — ہاہوت۔ — لاہوت — جبروت۔ — ملکوت۔ — ناسوت
(احدیت) — (وحدت) — (واحدیت) — (عالم ارواح) — (عالم مثال) — (عالم شہادت)

(۱۳) رموز سیزدہم۔ محققین صوفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ارشاد ہے کہ ذات مطلق کو ہوت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جو معدوم الاشارات ہے۔ ہاہوت۔ ذات بحت کو ہاہوت کہتے ہیں جو مرتبہ شہود اجمالی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اس مقام پر نہ اپنی خبر رہتی ہے۔ نہ خبر کا حس باقی رہتا ہے نہ ہمہ کا الشان نظر آتا ہے اور نہ اوست کی ضرورت۔ اس کی حقیقت جاننے کو نہ لفظ کام دیتا ہے نہ کوئی فہم لاہوت کے معنے یعنی نہیں ہے وہ سوائے تیرے۔ اس مقام کی سیر مذکورہ بجود مقامات کے تحت میں ہے۔ لہذا اس طرح شروع ہونی چاہیئے یعنی ارشاد ہے کہ جسم الانسان وَنَفْسُهٗ وَقَلْبُهٗ وَرُوْحُهٗ وَسَمْعُهٗ وَبَصَرُهٗ وَيَدُهٗ وَرِجْلُهٗ۔ وَكُلُّ ذٰلِكَ اَظْهَرْتُ لَهٗ بِنَفْسِي لَا هُوَ اِلَّا اَنَا وَلَا اَنَا غَيْرُهٗ۔ (ترجمہ) انسان کا جسم اس کا دم۔ اس کا دل۔ اس کی روح۔ اسکے کان۔ اس کی آنکھ۔ اس کے ہاتھ۔ اس کے پاؤں اس کی ہر شے ظاہر کی میں نے اس کے واسطے اپنی ذات کے ساتھ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا مگر میں نے۔ میں اس کا غیر نہیں ہوں (اور نہ وہ میرا غیر ہے) بس اسی مقام پر پہنچکر ذکر قرب کی صحیح لذت پیدا ہوتی ہے یعنی۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا (ترجمہ) تحقیق میں ہی اللہ ہوں۔ نہیں ہے کوئی معبود بجز میرے اس مقام پر اپنی حقیقت اور تعین کا صرف حس باقی رہتا ہے۔ ورنہ ذات الوہیت کے سوا

کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

جبروت۔ یعنی مشاہدۂ ذات۔ اس مقام پر فرماتے ہیں مَارَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔ (ترجمہ) نہیں دیکھا میں نے کسی شے کو لیکن دیکھا اللہ کو اس میں۔ یہ درجہ ملکوت کا باطن ہے۔ اس مرتبہ میں وجود کی پوری شناخت ہوتی ہے۔ اور ناسوت و ملکوت کے درجات عرفان کے ماتحت دکھائی دیتے ہیں۔

ملکوت۔ یعنی پاک و صاف ہونا ماسوی اللہ سے۔ اس مقام کا ذکر ھُوْ ھُوْ اٰ۔ ھُوْ اِلَّا ھُوْ ہے۔ یہ مرتبہ عالمِ ناسوت کے قریب و متصل ہے۔ اس مرتبہ میں انسان اپنی حمد و ذکر کا بطون مشاہدہ کرتا ہے۔ اور یہ ملکوت ناسوت کا باطن ہے۔

ناسوت۔ عالمِ اجسام کو ناسوت کہتے ہیں۔ جو کچھ موجود ہے اور نظر کو محسوس ہو سکتا ہے اور اس عالمِ ظاہری کی زبان اور اصطلاح میں جو کچھ کہا جائے اسے ناسوت کہتے ہیں۔ پھر ان مراتب کی تشریح کی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ نہ جاننے کو ناسوت جاننے کو ملکوت۔ دیکھنے کو جبروت کہتے ہیں۔ نہ ہونے کو لاہوت۔ اور نہ ہونے کا خیال گم ہو جائیگا ہوت یا ہوت کہتے ہیں۔ اور سنئے لاہوت میں کچھ نہ ہونا۔ جبروت میں دیکھنا۔ ملکوت میں سننا۔ اور ناسوت میں عالمِ محسوسات کا نظر آنا پھر سنئے اور دیکھئے۔ ناسوت خواب کے مانند ہے۔ ملکوت بیداری کے مانند جبروت مشاہدۂ ذات اور اس کے پہچاننے کو کہتے ہیں۔ لاہوت میں خود ذات ہو جاتا ہے۔ اور ہاہوت میں اپنے آپ اور یار دونوں سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

(١٤) رموزِ چہاردہم۔ جو اپنے آپ کو خدا جانے کافر ہے۔ جب تک آپکو خدا جانیگا کفر کی حد باہر نہ ہوگا۔

(١٥) رموزِ پانزدہم۔ جو راہ سے گمراہ ہے ہرگز مقام پر نہیں پہنچا۔ جب تک گمراہ نہ ہو مقام پر نہیں پہنچا۔

(١٦) رموزِ شانزدہم۔ جو کہ حضور جانے مطلقاً دور ہے۔ جب تک دور نہ ہو حضور نہ ہو۔

(١٧) رموزِ ہفدہم۔ جو خدا تعالے کو اپنے اندر جانے مشرک ہے۔ اور اگر اپنے باہر جانے مردود ہے۔

(١٨) رموزِ ہشتدہم۔ جو کسی سے مراد کہے نامراد ہے۔ جب تک نامراد نہ ہو بامراد نہ ہو۔ جو میں آیا

گیا کفر کیا۔ اور جو آپ میں آیا مشرک کہلایا۔

(۱۹) رموز نوزدہم۔ جب تک بینا بنا میں نابینا تھا۔ اور جب نابینا ہوا تو بینا ہوا۔

(۲۰) رموز بستم۔ جو شخص انا الحق کی خانقاہ میں بیٹھا ہے اسکے لئے اعتکاف نامرادی سنت ہے۔

(۲۱) رموز بست یکم۔ شرک کی تین قسمیں ہیں۔ شرک جلی۔ شرک خفی۔ شرک اخفیٰ۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ شرک جلی ہے۔ اور الا شرک خفی ہے۔ اور اللہ شرکِ اخفیٰ ہے۔ جلی شرک ناسوتی ہے۔ خفی شرک ملکوتی۔ اور اخفیٰ شرک جبروتی۔ مومن حقیقی لاہوت میں ہوتا ہے۔

(۲۲) رموز بست دوم۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ لَا یَقُوْلُ اللّٰهُ (ترجمہ) جو اللہ کو پہچان جاتا ہے وہ منہ سے اللہ نہیں کہتا ہے شعر

مالا جپوں نہ کر جپوں اور جبھ سے کہوں نہ رام
رام ہمارا ہمیں جپے ہے وہاں کیو بسرام

(مصرع) بنزرے کہ منم نام دوست بے ادبیت

(۲۳) رموز بست سوم۔ قرآن شریف میں ارشاد ربی ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ ترجمہ۔ اے محمدؐ کہدو روح اللہ کا حکم ہے۔ مفسرین نے اس آیہ کریمہ کا شانِ نزول یہ لکھا ہے۔ کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے آفتاب کو جب یہودیوں نے نصف النہار پر چمکتے دیکھا تو باہم مشورہ کرکے یہ رائے قائم کی کہ محمد صلعم کو یقیناً روحانیت کا کوئی خاص علم حاصل ہے۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ صادق ہیں کسی شخص نے اس وقت تک آپ کی زبان مبارک سے کوئی جھوٹا لفظ نہیں سنا ہو۔ لہذا ایک شخص جائے۔ اور آنحضرتؐ سے دریافت کرے کہ روح کیا ہے؟ تو یقیناً آپؐ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے۔ لہذا اس کافر نے آنحضرت صلعم سے یہ سوال کیا۔ کہ روح کیا ہے؟ پس جواب دینے سے قبل یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ یعنی اس کافر سے کہدو کہ روح خدا کا حکم ہے۔ کفار سے علم روح کا پردہ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی روحانیت جسمانی کثافت اور کفر کی ظلمت سے حد سے زیادہ دبی ہوئی تھی مگر آنحضرت صلعم اپنے صحابہ کو یہ تعلیم فرماتے تھے اَلرُّوْحُ هُوَ اللّٰهُ یعنی روح اللہ ہے۔ اور حضرت صوفیہ کے ہاں روح۔ قلب۔ نفس متفق علیہ اسم ذات مانے جاتے ہیں۔

(۴۴) رموزِ نسبت چہارم۔ شریعت حقیقت کا آستان ہے۔ بے شریعت کے حقیقت تک پہنچنا بہتان ہے، شریعت کے لئے استاد چاہیے حقیقت کے لیے پیر۔ درخت کے لئے پانی چاہیے طفل کے لئے شیر، اگر یاد اہل ہے کام سہل ہے۔

ابلیس در آسمان بود و ابراہیم در بت خانہ، کار بہ عنایت دارد باقی بہانہ۔ ابوجہل از کعبہ می آید و ابراہیم از بتخانہ، کار بافضال دارد باقی ہمہ افسانہ۔ از دیدہ شناخت نہ آید و دیدار بمقدار شناخت آید۔ اگر بقا می خواہی در فنا است۔ از عارف در جہان نشان نیست، نہ بلکہ از عارف نشان دہد در ہیچ دہان نیست۔ از طاعت چہ نفع و از معصیت چہ خلل است، چوں سعادت و شقاوت از ازل است۔ گنج بودم نہانی، کلیدآں بدست خرقانی۔ ناگاہ رسیدم بچشمہ زندگانی، چنداں خوردم کہ من ماندم نہ خرقانی۔ ظلم اگر بسیار بود بسر آید، ظالم اگر جبار بود بسر آید۔ اسرارِ معرفت فاش کردن دیوانگی است۔ خود را شناختن عطائے است۔ خود پسندی نفتہ است۔ ناامیدی کافری است۔ در پیش رفتن جاہ طلبی است۔ در پس رفتن بدانجی است۔ در برابر رفتن بے ادبی است۔ بخود مشغول بودن سروی است۔ از خود رفتن مردی است۔ سر ہمہ آفت ہا زبان است۔ توبہ دارو ہمہ گناہاں است۔ بخشندہ با بخشندہ باش۔ خاموش خود فراموش۔ خود فراموش با دوست بہوش۔ ہر دست بیہوش با ہمہ با ہوش۔ چناں نمائی کہ باشی، چناں باشی کہ نمائی۔ معرفت حق دریائے بیکرانہ است۔ جانِ آدم آں را خزانہ است۔ آنجا شناخت است نہ عرش است و نہ کرسی۔ سخن را جملہ گفتم دیگر چہ پرسی۔ عشق مردم خوار است، بے عشق مردم خوار است۔ عشق را نہ نام دارد نہ ننگ، نہ آشتی نہ صلح جو نہ جنگ۔ بہشت زاہد را از عارف خوار است۔ بندۂ حق را بہشت چہ کار است۔ اگر دست عارف بحور عین رسد، طہارت معرفتش وے شکستہ شود۔ زاہد مزدور بہشت است۔ جمال آن جمال است باقی زشت است۔ بہشت را بہ بہا می دہند۔ وے بہ بہا نمی دہند۔ مزدور بہ بہشت می نازد، و عارف بدوست۔ من نہ صوفی چہ گویم کہ صوفی آنِ اوست۔ مزدور

به بهشت مغرور است. صوفی در مشاهده نور است، وآنکه او در دنیا نه بیند کور است. عارفان
را از دنیا عار است، و آخرت در پای ایشان خار است، عاشقان را بلا بس و بآن چه کار است. دو
بلا از دوست عطا است، پس از عطا نالیدن خطا است. اگر به غفلت بگذشت دوشش،
امشب بکوش، مست باش و مخروش. گرم باش و مجوش، خاموش از خود فراموش، دائم
مشاهده مدهوش. هر که سه چیز را بشناخت از سه چیز برست. یعنی هر که دانست که آفریدگار
در آفرینش تقصیر نکرد، از عیب برست. هر که دانست که قسام در قسمت میل نکرد، از حسد
برست. و هر که دانست که او را از چه آفریدند، از کبر برست. اگر داری مفروش. و اگر نداری مخروش.
اگر نامرادی مردی، و اگر با مرادی نامردی. یکی را صد سال علم آموزد، چراغی نیفروزد. یکی
سخن گوید دل خلق بسوزد. کار ظاهر نماز روزه بود، عارف از این هر دو برود. روزه دار که
نه از نماز و از روزه کار. طاعت حق را غنیمت دان. عبادت جوئی، سخن از شهادت
گوئی. بگذشتن از خود رسیدن بحق. اگر راحت جوئی رنج کش. بر طاعت حریص باش
و تکیه بر آن مکن. از دوست نما دشمن بسیار حذر کن. راست گو عیب مجو. خود را از همه کمتر دان
مردم را بافراط مستا. در جواب تعجیل مکن. هر که بر خود نه پسندی، بر دیگران مپسند. بنده حرص
مباش. خفته غفلت مشو. از همه کس مجو. خاموشی شعار خود ساز. سعادت دنیا و آخرت
در صحبت شیخ شناس. از نادان دامن درکش. یار را در خشم و غضب بیازما. یکی را جنت
بهشت و یکی را دوست. ای من فدای آنکه هستش همه اوست. طالب دنیا رنجور است
و طالب عقبی مزدور است، و طالب مولی مسرور. چون از خود بریدی بدوست رسیدی و
دیدی آنچه دیدی. ذکر زبان عادت است، و ذکر دل عبادت است، و ذکر جان سعادت
است. یار باش بار مباش. گل باش خار مباش. یکی مست شراب، و یکی مست ساقی.
آن فانی است و این باقی. روزگاری او را می جستم خود را می یافتم. اکنون خود را می جویم
او را می یابم. اگر امروز نه ترسی فردا بترسی. سرشک چشم را مایه ساز. تا خوانند ترا آن بنده نواز

درستیِ دلہا میکوش۔ وعیب ہامی پوش۔ وعذر ہا ہمی نیوش۔ ودین خود بدنیا مفروش۔ از
درویشی دو چیز باماند و بس۔ آبِ دیدہ و آتشِ دل نفس۔ عادتِ معشوق حیلہ فروشی است
وکار عاشق حلقہ بگوشی است۔ اگر میدانی کہ میدانم پشیمان باشی۔ واگر نمیدانی کہ میدانم مسلمان
باشی۔ اور ابندہ باش ہمہ عالم ترا غلام است۔ ہر کہ بیجان است از زندگانی محروم است۔ آنکہ
بجان زندہ است حیّ و قیوم است۔ الحسن کہ داند کہ چون است، از دائرہ اسلام بیرون
است۔ اگر مردی عیب پوش باش۔ نہ عیب ہر کس فاش۔ مبتدیان را گفتار است بزبان
منتہیان را گفتار است نہ بیان۔ اصلِ محبت دل است۔ باقی آب وگل است۔ قالب
پوشش است و حقیقت دیدار۔ چو ترسی حجاب از میان بر دار۔ لطف می سازد۔ وکرم مینوازد۔
اے پارسائے دین فروش! دین خود بہ لقمہ مفروش۔ پاکی ہر چیزے در شستن است۔ ویافتن
ہر چیزے در جُستن است۔ پیری بہ عقل است نہ بسال۔ تونگری بہ دل است نہ بمال۔ دنیا
سرائے عبرت است۔ قبر منزل حسرت است۔ میانِ عبرت و حسرت چہ مقامِ عشرت است۔
بس است خجالتِ من! از غرور گفتن و بخود شدن مردی است باقی سردردی است۔ اگر بر ہوا
پری مگسے باشی۔ واگر بر آب روی خسے باشی۔ دلے بدست آر تا کسے باشی۔

توحید

در کون و مکان نیست عیان جز یک نور ظاہر شدہ آن نور بانواعِ ظہور
حق نور و تنوعِ ظہورش عالم (رباعی) توحید ہمین است و دگر وہم غرور

توحید

توحید کا لفظ کچھ ایسا عام ہے کہ عوام کا تکیہ کلام ہے۔ اور یہی مسئلہ کچھ ایسا دقیق و مشکل
ہے جس کی تحقیق میں خواص کی عقل حیران ہے۔ توحید کے لغوی معنے شئے کے واحد ہونے پر حکم کرنے
کے ہیں۔ اور شئے واحد ہونیکا علم ہی توحید کہا جا سکتا ہے۔ حضرات صوفیہ کرام نے اس
لفظ توحید کی طرح طرح سے وضاحت اور تقسیم کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ذاتِ مطلق نے

اور موجودیت کے باعث وجود نام پایا ہے۔ اور عالمیت اور معلومیت کی قید میں مقید ہو کر علیم کہلاتی ہے۔ ظاہریت اور مظہریت کی قید کے باعث نور موئی اور شاہدیت و مشہودیت میں مقید ہو کر شہود کہلائی۔ لیکن ایک عارف اسی مقام پر متحیر ہو کر کہتا ہے ؎ شعر

ایک کہوں تو ہے نہیں دو جا کہوں تو کار ۔۔۔ جیسا تھا ویسا رہا کہیں کبیر بچار

پس ذات صرف لاتعین ہے جو تمام مظاہر میں ظاہر ہے۔ اور تعینات کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔ لہذا اس مرتبہ میں ذات کو وجود مطلق کہتے ہیں۔ جو شش جہت کی قید سے باہر ہے۔ اس مرتبہ کی پوری تشریح تخلیق عالم کے بیان میں کر دی گئی ہے۔ جو اعیان ثابتہ کے پڑھنے سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ سردست حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا۔ محمد بن احمد بن علی بخاری بدایونی قدس العزیز کے رسالہ توحید کا ترجمہ عام فہم اردو میں بیان کیا جاتا ہے تاکہ ہر شخص کی سمجھ میں آسکے۔

(رسالہ توحید کا ترجمہ)

توحید کی مثال ایسی ہے جیسے کہ تخم بویا گیا۔ (یعنی لاھوت) اس سے درخت پیدا ہوا۔ (جبروت) اس سے شاخیں۔ پتے۔ پھول۔ اور پھل پیدا ہوئے۔ اب صاف طور پر سمجھ لو تخم سے مراد لاھوت ہے۔ درخت شاخوں اور پتوں سے مراد مقام جبروت ہے۔ پھولوں سے مراد مقام ملکوت ہے۔ اور پھل سے مراد مقام ناسوت ہے) اور جیسا کہ تخم اوّل تھا اسی جنس اور اسی شکل و صورت کے پھل پیدا ہوئے۔ (فرض کیجئے ایک گیہوں بویا گیا اُس سے درخت پیدا ہوا اُس میں بالیں آئیں۔ ہر ایک بال میں بہت سے گیہوں پھلے۔ اور وہ گیہوں اُسی گیہوں کی شکل و صورت اور رنگ کے پیدا ہوئے۔ جس صورت و شکل کا پہلا تخم بویا گیا تھا) ؎

آئینہ خانہ میں یکتائی کا دعویٰ رہا ۔۔۔ نظر آنے لگے لاکھوں تری صورت والے

پس اس نے خود بخود ظہور کیا اور اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔ یہی وہ موقعہ ہے جہاں وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ (ترجمہ) اور اللہ تمام شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جلوہ گری فرماتا ہے۔ اور اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ترجمہ: میں اللہ ہوں نہیں ہے کوئی سوائے میرے۔ کہنا درست ہو جاتا ہے پس جب تخم کی ماہیت معلوم ہو چکی تو یہی توحید ہے۔ اور جناب سید الشہدا یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام بھی مرآۃ العارفین میں سورہ فاتحہ کے اسرار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اِذْ جَمِیْعُ الْاَشْیَآءِ کَانَتْ مُنْدَرِجَۃً کَاِنْدِرَاجِ الشَّجَرَۃِ فِی النَّوَاۃِ یعنی کل اشیاء ذات مقدس میں اس طرح درج تھیں جس طرح تخم میں درخت مندرج رہتا ہے۔ شعر

لاہوت بیخ است اے پسر جبروت شاخ آں شجر
ملکوت برگ آں اگر ناسوت جملہ چو بار

(دیگر)

سر لست درین و حقیقت پنہاں
گویم بتو من اگر تو دانی

گنج بودم درون نہفتہ
بیچون و بیچگون و لامکانی

لاہوت صفت مقام با ذات
نے جائے دراں و نے نشانی

جبروت کہ کردہ ام لباسے
گردید تشکل عیانی

ملکوت صفت شدم دگر بار
صورت دگرے نمودہ ثانی

ناسوت کہ کردہ ام چو کسوت
عاشق کہ شدم شدم نہانی

مومن کافر و یہود و ترسا
مائیم صفت بہر کہ خوانی

اس موقعہ پر نہ ازل ہے نہ ابد نہ عبد ہے نہ رب۔

جائیکہ ذات است نہ بینی تو ہیچ چیز
آنجا اگر الہ بگوئیم کافریم

تو در میان ہیچ نئی ہر چہ ہست اوست
ہم خود الست گوید و ہم خود بلا کند

جب یہ مقصود ہوا کہ جمیع صفات نزول سے عروج کی طرف پھریں اور اپنے اصلی مقام پر پہنچیں جیسا کہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ مشہور ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ مجاہدہ و ریاضت و مشقت سے ناسوت کے مقام سے ملکوت کے مقام میں پہنچتے ہیں جو کہ تزکیہ نفس کہلاتا ہے جیسے کہ غسل نماز روزہ اور اس کے مانند عمل ہے۔ اور باطنی عبادات سے مقام ملکوت سے جبروت میں پہنچتے ہیں جس سے صفات مذمومہ سے صفات محمودہ کے ساتھ تصفیہ دل ہوتا ہے۔ لیکن صفات مذمومہ سے بجز ذکر کے

اور کسی چیز سے دل پاک نہیں ہو سکتا۔ علی ہذا ماسوائے اللہ یعنی مال و جاہ، بیوی بچوں کی محبت وغیرہ سے روگردانی کرنے سے۔ تجلیہ روح کا عبادت سے حاصل ہوتا ہے عارف کے لئے اظہار کرامت حجاب عظیم ہے۔ جب تک کہ اپنی روح کو سب چیزوں کی محبت سے پاک نہ کروگے اُس وقت تک ہرگز خدا تعالےٰ تک نہیں پہنچ سکتے جیسے کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ یعنی شعر ؎

هرچه داری صرف کن در راهِ او　　لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا

پس جب تجلیہ روح حاصل ہو جائے گا۔ تب تجلیات حق سے مستفید ہوگا۔ حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمت اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بارہ سال تک میں نے لوہار کا کام کیا اور بارہ سال تک آئینہ درست کیا۔ اور بارہ سال تک اُسے صیقل کیا، پھر اس کے بعد میں نے اپنے چہرہ کا جمال دیکھا، خفی کے ذریعہ سے میں لاہوت میں پہنچا، یہاں میں نے قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ کو کامل طور پر دیکھا۔ اور حکایت رجوع کی بدایت بھی معلوم کی اور بَدَا مِنْهُ وَيَعُوْدُ اِلَيْهِ کے معنے بھی مجھے یہیں معلوم ہوئے۔ کہ جس سے پیدا ہوئے اسی میں لوٹیں گے۔ اس مقام پر دوئی جاتی رہتی ہے۔ اور جب دوئی جاتی رہی۔ تو بندگی اور خدائی بھی جاتی رہی اور جب بندگی جاتی رہی۔ آزادی حاصل ہوگئی۔ آزاد خدا ہوگیا۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ جب دوئی جاتی رہی تو وحدت باقی رہی جب تک کہ بندہ اور خدا اور بندگی اور خدائی رہے گی ہرگز وحدت نہیں حاصل ہوگی۔ البتہ جب بندہ اپنی بندگی سے نکل جاتا ہے۔ تو خدائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خدائی کی بھی نفی کرتا ہے تو وحدت مسلم ہو جاتی ہے اور احدیت کے مقام پر پہنچکر احد ہو جاتا ہے۔ عارف کیلئے ضرور ہے کہ واحد ہی رہے۔ بلکہ احد ہو رہے۔ جو اپنے آپ کو خدا نہ سمجھے وہ مشرک ہے کیونکہ خدا کے وجود کا بھی قائل ہے اور اپنے وجود کا بھی۔ لہٰذا اسی کو شرک عظیم کہتے ہیں۔ پس ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے نہ موحد۔ عشق۔ معشوق۔ عاشق۔ ہرسہ اس مقام میں ایک

ہیں۔ شعر

من و تو رفتہ و خدا ماندہ　　کے بود ما زما جدا ماندہ

کام سے بیکار، مراد سے نامراد، امید سے ناامید، خودی سے بیخود۔ ان حالات پر درویشی موقوف ہے۔ اور ان دو باتوں کے عمل سے درویش ہو سکتا ہے۔ نمبرا۔ توکل۔ نمبر۲۔ تسلیم

توحید کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) علمی۔ (۲) عملی۔ علمی توحید تو عام ہے۔ جیسے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا۔ اور عملی توحید خاص ہے۔ وہ ایسی نہیں ہے جس کا ہر شخص ادراک کر سکے۔ اس کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو اپنی خودی سے گذر گیا ہو۔ یا اپنے آپ میں پیوست ہو گیا ہو۔ حتیٰ کہ اس کے حرکات و سکنات بھی اختیاری نہ رہے ہوں۔ یعنی اپنی خودی سے کامل طور پر نکل گیا ہو۔ اگر ایک ذرہ بھی اس کی ہستی باقی ہو گی۔ تو بھی لاکھوں شرک اس کے ذمہ عاید ہو جائیں گے۔

تا تو موئے ماندۂ محرم نۂ

اگر طالب کو توحید حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ کچھ نہیں بول سکتا۔ اور نہ کچھ سوال کر سکتا ہے۔ کیونکہ توحید میں خود واحد ہے۔ دوئی کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ سوال و جواب میں لاکھوں وجود پیدا ہوتے ہیں۔ سائل مشرک۔ مجیب ملحد۔ دانندہ کافر۔ انجان مبتدی و جاہل۔ پھر بھلا توحید میں کیونکر گفت و شنید ہو سکتی ہے۔ اس محل میں گفت شنید کرنے والا خود توحید کی تردید کرتا ہے۔ صرف اس قدر سمجھنا چاہیے کہ جب سلطان عشق نے چاہا کہ اپنے چہرہ کے جمال پر سے پردہ اٹھائے اور اپنے تمامی صفات ظاہر فرمائے اور اپنے ساتھ آپ عشق بازی کرے۔ نہ کسی غیر کے ساتھ پس اس ذات نے صفات کو پیدا کر کے مختلف اسماء میں ظہور فرمایا اور اس طرح اپنے چہرہ کے جمال کی تجلیات مظاہر میں دیکھنی چاہیں جو بغیر آئینہ کے نہیں دکھائی دے سکتی تھیں۔ پس آدم اور عالم کو اپنا آئینہ بنایا۔ اشعار

خویشتن را جلوہ کردی اندراں آئینہ ہا　　آئینہ اے نہادی خود بہ اظہار آمدی

آپ اپنے دیکھنے کے واسطے　　ہم کو آئینہ بنایا یار نے

لہذا اسی دست "مخزن تصوف" کو توحید کے مضمون پر ختم کرتا ہوں۔ الحمد للہ اس کتاب کا آغاز بھی حمد باری سے ہوا اور اختتام بھی توحید پر ہوا۔

خدا کا شکر ہے کہ آج ۱۵۔ مارچ ۱۹۳۶ء مطابق یکم محرم الحرام ۱۳۵۶ھ ہجری کو اس کتاب کی تصنیف و تالیف سے فراغت حاصل ہوئی۔ مگر کتاب کے بہت زیادہ ضخیم ہوجانے کی وجہ سے چند مضامین شامل نہ کر سکا۔ یعنی حقیقت سماع۔ اصول السماع۔ آداب سماع۔ اصطلاحات صوفیہ وغیرہ وغیرہ۔ اصطلاحات صوفیہ کی فرمائش میرے مشفق مرزا علی رضا صاحب مخزون مرادآبادی نے کی تھی۔ اور سماع کی بابت میرے دوست سید نورالحسن صاحب مودودی سہوانی نے بذریعہ محبت نامہ کے تحریر فرمایا تھا۔ لہذا ان دونوں حضرات کے ارشادات کی تعمیل کی گئی۔ اور تقریبًا سات جز اصطلاحات صوفیہ اور چار جز سماع کے بابت مرتب موجود ہیں۔ اگر زندگی بخیر ہے تو آئندہ ان مقالات کو بھی نذر ناظرین کروں گا۔ ہُوَ الباقی۔ سبحان اللہ عما یصفون وسلٰمٌ علی المرسلین۔ والحمد للہ رب العالمین

نیاز کیش

خادم الفقراء عبدالرحمٰن حیا۔ بدایونی۔ نظامی چشتی فخری سلیمانی غفر اللہ ذنوبکم ولد مولانا مولوی احمد حسن شاہ صاحب بدایونی جیسدی۔ قادری۔ سبزواری رحمۃ اللہ علیہ

ہوالکل ۷۸۶

مژدہ

لِلّٰہِ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست — آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

الحمدللہ! میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا کہ یہ کتاب **مخزنِ تصوف** چھپ کر تیار ہو گئی اور میرا نخلِ تمنا بار آور ہو گیا۔ مجھے مدت سے یہ آرزو تھی کہ اردو زبان میں کوئی ایسی کتاب ہوتی جو ہر کس و ناکس کو نفع پہنچاتی۔ اور اس تیرہ و تاریک زمانہ میں مشعلِ راہ بنجاتی۔ میں نے اردو کی ایک مشہور کتاب تذکرہ غوثیہ کو تمام و کمال پڑھا ہے لیکن طالبانِ صادق کے لئے وہ بھی تشفی بخش نہیں ہے۔ اس وجہ سے میں نے حضرت قبلہ والد صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ سلیس اردو میں ایسی جامع کتاب تالیف فرمائیں تاکہ بندگانِ خدا جو آجکل بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ اور جو نام نہاد کو صوفی کہلاتے ہیں۔ ان کو مکمل تعلیم تصوف مل جائے۔ لیکن میرے والد صاحب قبلہ کو شہرت سے نفرت ہے۔ اس وجہ سے انکار فرما دیا۔ مگر میں نے مکرر قدم بوس ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ میری اس عرضداشت پر توجہ فرمائیں گے تو بندگانِ خدا کو بہت زیادہ نفع ہوگا۔ لہذا حضرت قبلہ نے میری اس تحریک کو قبول فرما کر اس کتاب کی تصنیف و تالیف کے لئے قلم اٹھا لیا اور دل [illegible] رکھ کر اس کی تکمیل فرمائی۔

یہ کتاب مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی ہے۔ خفتہ دلوں کو بیدار کرتی ہے۔ نامحرموں کو محرم اسرار بناتی ہے۔ بد مستوں کو ہوشیار کرتی ہے۔ اغیار کو یار بناتی ہے۔ اور تمام دنیا کے انسانوں کو باہم بھائی بھائی بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ اور انسانی ہمدردی کا سبق پڑھاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب ہر شخص کے لئے خضرِ راہِ طریقت ہوگی۔ اردو زبان میں مخزنِ تصوف جیسی کتاب اب تک موجود نہیں ہے۔ ناظرین! یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ جو بندگانِ خدا کی نفع رسانی کیلئے لکھی گئی ہے۔ یہ خزینۂ ایمان بھی ہے۔ اور خزینۂ اسلام بھی۔ یہ خزینۂ تصوف بھی ہے۔ اور تصوف کی جان بھی۔ یہ انسان کو خود شناسی بھی سکھاتی ہے۔ اور خدا شناسی بھی۔ اس کی حمد و نعت میں کچھ ایسا انوکھا پن ہے۔ جو شاید ہی کسی کی نظر سے گذرا ہو۔ حمد میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔ جو لاجواب اور بے مثال ہے۔ میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ دورِ حاضرہ کے علماء و مشائخین

زمانہ میں کوئی شخص اس مسئلہ وحدت الوجود کو ہندوستان بھر میں اس انداز سے نہیں بیان کر سکتا جیسا کہ حضرت قبلہ نے بیان فرمایا ہے۔ اور میرے اس عقیدہ کی تصدیق مشاہیر روزگار علمائے کرام۔ اور صوفیائے عظام کبخوبی ہوتی ہے۔ جن کی شہادتیں اس کتاب کے شروع میں موجود ہیں۔ جو بے کم و کاست تحریر فرمائی گئی ہیں۔ اور علمائے تصوف اور شائقین زمانہ کی تحریریں اس وقت تک برابر چلی آرہی ہیں۔ مگر سخت مجبور ہوں۔ کہ کتاب لکھہ لکھا کر اور چھپ چھپا کر ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے ان حضرات کا تہ دل سے متشکر ہوں۔ جنھوں نے اس کتاب پر مقدمات تنقیدات اور محققانہ تبصرے لکھکر بھیجے ہیں اُنسے معافی چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ دوسرے اڈیشن میں سب کے سب درج کردی جائینگی۔ یہ کتاب اپنے انداز میں مایہ ناز چمنستان اسلام گلستانِ تاریخ۔ اور پھولا پھلا گلشن تصوف ہے۔

الفاظ ہیں کہ تختۂ کاغذ پر پھولے نہیں سماتے جن کو دیکھکر طالبان حق ذوق کی نگاہیں لوٹ رہی ہیں۔ یہ کتاب حسنِ ازل کی سرمایہ دار ہے۔ اسکی دید سے ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔ اسکے مطالعہ سے روحی بھی پردے اٹھہ جاتے ہیں کتاب کی نعت میں بھی ایک مخصوص انداز ہے جو اس وقت تک کہیں نہیں دیکھا اور یوں سمجھیئے کہ مختصر سی ایک سیرت النبی علیہ السلام اردو میں نگارش فرمائی گئی ہے جسمیں تبلیغی جلوے جگمگا رہے ہیں۔ بس اگر میں لکھوں تو کیا لکھوں۔ بقول حضرت مصور فطرت خواجہ حسن نظامی صاحب "اس کتاب کا تبصرہ لکھنے میں بے طول طوالت ہوگی اور اس کتاب میں جو لذت ہے وہ تبصرہ میں نہیں آسکتی" لہٰذا میں بھی کہتا ہوں کہ اے مخزنِ تصوف! مصرع۔ خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

مولف کے حالات زندگی

حضرت علامہ عبدالرحمٰن صاحب حیا بدایونی۔ ولد مولانا مولوی سید احمد حسن صاحب ۱۸ شعبان [illegible] مطابق [illegible] کو بدایوں شریف خاندان [illegible] حسینی میں پیدا ہوئے اور اسی خاندان میں جو بدایوں بھر میں ایک معزز خاندان مانا جاتا ہے پرورش پائی۔ آپ نجیب الطرفین نجیب حسینی سید ہیں۔ میں نے اپنے دادا صاحب قبلہ کی زبانی جو کچھ بچپن کے واقعات سنے ہیں وہ یقیناً مافوق البشر ہیں۔ ان میں سے جو واقعات مجھے یاد رہ گئے ہیں

عرض کرتا ہوں حضرت دادا صاحب قبلہ ارشاد فرماتے تھے کہ آپ تمہارا باپ شب جمعہ کو پیدا ہوا تھا اور تین برس کی عمر تک گونگا تھا۔ مجھے اپنی تمام اولاد میں تمہارے والد کے ساتھ خصوصیت رہی تمہارے والد کو مولانا سید عبد الکریم شاہ صاحب نے بسم اللہ پڑھائی۔ بسم اللہ شریف کے پڑھتے ہی تمہارے والد نے سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص خود بخود پڑھکر سنا دی چہل حدیث کی چالیسوں حدیثیں مع ترجمہ کے بیان کر دیں جو تمہاری دادی نے تمہارے والد کو یاد کرائی تھیں اور اس وقت تک یاد تھیں۔ اسکے بعد قرآن شریف کی تعلیم میر ولایت حسین صاحب ساکن قصبہ آنولہ ضلع بریلی سے پائی۔ سب سے پہلے تیسواں پارہ تقریباً ایک ماہ میں ختم کیا اس کے بعد ایک پارہ روزانہ پڑھکر اور یاد کر کے سنا دیا کرتے تھے۔ لہذا ایک ماہ اور ۲۵ روز میں تمام کلام اللہ شریف پڑھکر ختم کر دیا۔ اس کے بعد استاد مولوی محمد حسین صاحب ساکن بدایوں محلہ میرواں سے اپنے ماموں کے مکان پر فارسی شروع کر دی سات برس کی عمر میں انوار سہیلی اور قران السعدین ختم کر دی تھیں اور اسی عمر میں سب سے پہلی غزل بھی تصنیف کی تھی۔ دیکھو بیٹا! تمہارا باپ بچپنے ہی سے ہدایت عامہ کا بیڑہ اٹھائے تھا۔ اپنے باپ کی غزل سنو۔

غزل

اس کا سکے ہر شخص کوئی لڑکا جو بڑا ہو وہ کام کرو جس پر رضامند خدا ہو کام آج کا کرنا کبھی دو سرے دن پر موقوف نہیں کل کو خدا جانے کیا ہو۔ تہذیب ادب دونوں ہیں انسان کے جوہر چھوٹوں کی خطا ہو تو بزرگوں سے عطا ہو جو بخت نصیحت ہو اسے دل میں جگہ دو وہ دافع ہر مرض کی وہی جو تلخ دوا ہو بچوں کو فقط چاہیے ماں باپ کی آؤ بھگت فرض ادا ہو تو رضامند خدا ہو اللہ میاں آئینہ بچہ کو وہ چشم عطا ہو ہر رنگ میں ہر شکل میں تو جلوہ نما ہو

رحمان کا بندہ ہوں بتوں سے مجھے کیا کام ؛ کعبہ ہی سمجھوں در بیت خانہ جو وا ہو

نوٹ ۔ چونکہ اس وقت تک کوئی تخلص نہیں قرار پایا تھا اس لئے اپنا نام عبد الرحمن کا ترجمہ رحمان کا بندہ مقطع میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ اس کے بعد عربی کی تعلیم حضرت مولانا سمرقندی شاہ صاحب سے مکمل پائی۔ چونکہ مولانا موصوف ایک جلیل القدر بزرگ تھے اور تمام مراتب سلوک طے کئے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے دیوان حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور مثنوی مولانا روم کو بھی پڑھکر باقاعدہ سمجھا۔ حضرت مولانا سمرقندی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دستار فضیلت جو سبز رنگ کی تھی اپنے ہاتھ سے تمہارے والد کے سر پر باندھی تھی۔ اسکے بعد مولانا کا بدایوں میں وصال ہو گیا مولانا کا مزار اب بھی حضرت محبوب پاک غریب نواز کے ماموں صاحب کے مزار کے قریب بٹرا میں ہے۔ جو اس وقت مرجع خلائق ہے۔

حضرت مولانا شمس قدیری شاہ صاحب میر جماد کے فرزند تھے جنکی عمر کا شمار چند سو اور کئی برس لگایا جاتا تھا۔ شاہ صاحب قادریہ سلسلے کے بزرگ اور میرے پیر و مرشد تھے۔ وہ ہمیشہ ایک تنہا مکان میں جو محلہ میراں جی صاحب میں خود خالی رہا کرتے تھے۔ شاہ صاحب بدایوں آکر ۴۰ سال مقیم رہے اور اس ۴۰ سالہ مدت قیام میں مجھکو اور میرے چچا زاد بھائی محمد حامد حسن سلمہ کو مرید کیا تھا۔ پس بدایوں آکر صرف انھیں دو ہستیوں کو ان سے شرف بیعت حاصل ہوا۔
اس کے بعد ۹ برس کی عمر تک تمہارے والد نے چند غزلیں تصنیف کیں جو غالباً میری بیاض میں موجود ہیں۔ چنانچہ ایکدن تمہارے والد عزیزم عبدالغنی سلمہ کے ساتھ ایک درویش کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبدالغنی مرحوم نے برسبیل تذکرہ ان شاہ صاحب سے بیان کیا کہ یہ میرا پھوپھی زاد بھائی اتنی چھوٹی عمر میں شعر تصنیف کرتا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحبزادہ ہم ایک مصرع پڑھتے ہیں اگر اس پر تم ہمارے سامنے کوئی شعر کہدو گے تو ہم تمہیں شاعر تسلیم کر لیں گے۔ مصرع
"آسماں مجھ میں زمیں مجھ میں سما مجھ میں" بس تمہارے والد نے برجستہ یہ شعر کہدیا۔ شعر

جسکے موسیٰ تھے طلبگار مسیحا عاشق
جلوہ فرما ہے مری شوخ دل آرا مجھ میں

یہ شعر سنتے ہی شاہ صاحب کھڑے ہوکر رقص فرمایا اور عبدالغنی کہتے تھے کہ ان بزرگ نے تمہارے والد کا مرتبہ طرف کیا اور یہ فرمایا کہ یہ لڑکا جوان ہوکر اپنے زمانہ کے صوفیوں کا مقتدا اور پیشوا ہوگا (اور ادبی کچھ بعید فرمائے جسکے لکھنے کی مجھے ممانعت کردیگئی ہے) بالآخر والد صاحب قبلہ کے دل میں مرید ہونے کی خواہش پیدا ہوئی اور ۱۷ سال اٹھاہ ماہ تک سیاحت بطلب شیخ میں ہندوستان بھر کے مشاہیر درویشوں سے ملتے جلتے رہے۔ آخر اجمیر شریف پہنچکر حضرت شیخ احمد اللہ اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ تونسوی سلیمانی۔ فخری۔ نظامی چشتی سے بیعت حاصل کی اور اپنے شیخ کے حکم سے اجمیر شریف ہی میں نظام الدین صاحب کے چلہ پر کئی برس تک خلوت گزیں رہے۔ اسکے بعد حضرت قبلہ وکعبہ پیر حافظ محمد موسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر شریف میں ایک باطنی اشارے سے شاہجہانی مسجد میں تمہارے والد کے سر پر دستار خلافت اپنے ہاتھ سے باندھکر مجاز و خلیفہ کردیا۔ اُس وقت بہار شریف کے ایک پیرزادہ پنجاب کے اکثر بزرگ اور پیرزادگان منشی عبداللہ کاتب۔ اور یوپی کے چند بزرگ۔ مثلاً عبدالصمد شاہ صاحب بدایونی۔ مولوی عزیز بخش صاحب بدایونی۔ مولوی عبدالجلیل صاحب بدایونی بھی موجود تھے۔

چنانچہ آجتک یہ فیضان جاری ہے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں طالبان حق حضرت قبلہ کے مرید ہیں اور استفادہ حاصل کررہے ہیں۔ میں اکثر سفر و حضر میں جناب قبلہ صاحب کے ہمراہ رہتا ہوں۔ اور میں نے وہ وہ فیضان و کرامات دیکھے ہیں جن کے بیان کرنیکی مجھے سخت ممانعت ہے لہذا اسکے ساتھ بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم قبلہ و کعبہ مولف کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے۔ اور اس کتاب سے تمام دنیا کو فائدہ اٹھانا نصیب ہو۔ آمین۔ ربنا آمین ثم آمین
نیاز کیش

انسان کا سچا خیر طلب ابن حسن صحبا بدایونی ولد علامہ ضیاء بدایونی مولف کتاب ہذا۔ وارد حال عربی